دِیا اور جگنو



غزالہ جلیل راؤ

"دِیا اور جگنو"

غزالہ جلیل راؤ

نواب سنز پبلی کیشنز
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی 051-5555275

با وقار اور نفاست پسند قارئین کے لئے پر وقار اور نفیس ترین کتابیں

— ضابطہ —

حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں

ناشر	اعجاز احمد نواب	حروف آرائی	میٹرکس کمپوزرز
طابع	نواب سنز پبلی کیشنز	سرورق	ڈیزائن ماسٹر
مطبع	فیض الاسلام پرنٹرز، راولپنڈی	اشاعت	جون ۲۰۱۵ء

Retail Price
Rs. 400/-

— رابطہ —

نواب سنز پبلی کیشنز

اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی Ph: 051-5555275

ڈسٹری بیوٹرز: اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی فون: 051-5772306

انتساب

بڑی بہنوں کی طرح محبت کرنے والی
میری بہت ہی پیاری بہن
ماہنامہ پاکیزہ ڈائجسٹ کی مدیراعلیٰ

انجم انصار صاحبہ

کے نام

جو بہت ہی خوب صورت لب ولہجہ
اور سحر انگیز شخصیت کی مالک ہیں۔

''میری آواز''

''دیا اور جگنو'' دسمبر ۲۰۱۳ میں خواتین کے مقبول ڈائجسٹ ماہنامہ ''کرن'' میں شائع ہوئی تھی۔ اس ناول کو اس قدر پذیرائی ملی کہ میں اسے ترمیم و اضافے کے ساتھ ایک ضخیم ناول بنانے پر مجبور ہوگئی۔

''دیا اور جگنو'' ہمارے معاشرے کی ایک حقیقی تصویر ہے۔ اس کا بنیادی موضوع محبت ہی ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت کے مطابق ہی سوچ رکھتا ہے، میں محبت کو اس کائنات کا جزوِ لازم سمجھتی ہوں اور میری بیشتر تحریریں محبت ہی کی پیغام بر ہوتی ہیں۔

''دیا اور جگنو'' کو ماہنامہ ''کرن'' ڈائجسٹ میں بے حد پذیرائی ملی تھی اور یہی کہا گیا تھا کہ ''غزالہ جلیل راؤ'' اصل میں بذات خود پیغامِ محبت ہیں۔ بہت عرصے پہلے میری ایک غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے میری ایک عزیز اور محترم دوست نے کہا تھا کہ غزالہ ''محبت'' کی شاعرہ ہے۔

اور مجھے انتہائی خوشی ہے کہ نثر میں بھی مجھے محبت کی ادیبہ کا خطاب ملا ہے۔ شکر گزار ہوں جناب اعجاز احمد نواب کی جنھوں نے میری تحریر محبت کو انتہائی محبت سے ایک خوب صورت کتاب کی شکل دی ہے۔ آپ کی خدمت میں ''دیا اور جگنو'' ملاحظہ فرمایئے اور مجھے اپنے خیالات سے آگاہ فرمایئے۔ شکریہ

غزالہ جلیل راؤ

......

دسمبر کا مہینہ تھا سرِ شام ہی اندھیرا پھیل گیا۔ سرد ہواؤں کی شوخی اپنے عروج پر تھی۔ باہر سخت سردی پڑ رہی تھی اور دُور کھڑکی دروازوں پر شدید ہوا سر ٹپک رہی تھی۔ اس نے کھڑکی کھول دی۔ سرد ہوا کے جھونکے نے بڑھ کر اس کے گال پر بوسہ دیا اور کمرہ سرد ہواؤں سے بھر گیا۔ باہر دُور دُور تک سوائے کہر کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ نیم کے درخت سے ٹپکتے اوس کے قطرے بارش کی طرح گرتے اور زمین میں جذب ہو جاتے۔ چاند کے سامنے دھند کی چادر تن گئی تھی اور آسمان سے گرتے کہر کے قطرے موتیوں کی طرح بکھرے پتوں پر لمبی تان کر سو گئے تھے۔ ہوا پھر سے شور مچانے لگی تو اس کے وجود میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ کمرے میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

آتش دان میں سلگتے کوئلوں میں کبھی کبھی کوئی کوئلہ چیخ اٹھتا اور سناٹا ٹوٹ جاتا ورنہ وہی خاموشی پھر طاری ہو جاتی۔

ہوا کی خنکی میں اب بھی تیری نرم باتیں
آہٹوں کا جال بنتی ہیں
سماعت اب بھی تیرے قہقہوں کا شور سنتی ہے
خیال اب تک تمہاری انگلیوں سے
میرے دل کے سرخ آنسو پونچھتا ہے
نگاہیں برف کے پھیلے چمکتے کینوس پر جا بجا
تیری رفاقت کی ضرورت پینٹ کرتی ہیں
ٹھٹھرتے پانیوں کے تن پر بکھری دھوپ
تیرا لہجہ روتی ہے

کہاں ہوتی ہے تو
محبت کی سلگتی راہ گذاروں کے کناروں پر
دسمبر اب بھی تیرا منتظر ہے

اس نے برف پڑتے ہاتھوں سے گالوں پر بہتے موتیوں کو چنا۔ اس نے کبھی ناکامی کا منہ دیکھا تھا نہ کبھی خواب بنے تھے نہ کبھی ہاری تھی۔ وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی، ہر وقت ہنستی کھلکھلاتی نظر آتی۔ نجانے کب اور کیسے اس نے جگنو کے ساتھ خواب دیکھنا شروع کر دیئے۔ اس کے اطراف میں پھیلی ہوئی جگنو کی محبت کی دنیا بہت خوبصورت تھی پھر اس نے خواب بھی دیکھے اور ہار بھی گئی۔

اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ خواب تعبیر نہ پاسکے اور وہ ہار گئی۔ ٹوٹ گئی۔ بکھر گئی۔ ہنسنا بھول گئی۔ اس کی جلترنگ ہنسی کہیں کھوگئی۔ دیاراؤ کا آرزوؤں کا تاج محل ٹوٹ گیا۔ وہ کانچ کی گڑیا بلندی سے منہ کے بل گری اور چکنا چور ہوگئی۔ جگنو نے کانچ سمیٹنا چاہا اس گڑیا کو زندگی دینا چاہی تو اسے اجازت نہ دی گئی۔

انہوں نے بہت کچھ پا کر بہت کچھ کھویا تھا اور کچھ ان کے اندر کہیں بکل مار کر بیٹھ گیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں کتنی حسرت اور کتنی خواہشیں دم توڑ رہی تھیں۔ وہ تو اسے اپنی آنکھوں کے دریچوں میں چھپا کر کہیں دور بہت دور لے جانا چاہتا تھا مگر ان کی حسرتیں بھری نگاہیں ایک دوسرے کو جدائی کے سفر پر گامزن دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

سکندر اکبر راؤ کا پلاسٹک کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ ان کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سکندر اکبر راؤ اپنی راجدھانی کے بے تاج بادشاہ تھے۔ سکندر راؤ کی ریاست میں ان کی مرضی کے خلاف کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ نسرین بیگم ہر دم ان کے حکم کے لیے تیار رہتی تھیں۔ انہوں نے کبھی اپنے بچوں کو ان کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے دی نہ انہیں اپنا راستہ خود بنانے دیا۔ ان کے مزاج میں ضد اور ہٹ دھرمی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

مرحوم جب تک زندہ رہے۔ انہوں نے تمام فیصلوں کا اختیار اپنے پاس ہی رکھا کسی دوسرے کی رائے یا خوشی اور ناخوشی کی کبھی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔ انہوں نے ہمیشہ ہر مسئلے کو اپنے نظریات کی عینک لگا کر ہی دیکھا۔ دوسرے کیا سوچتے ہیں کیا چاہتے ہیں۔ کیا ارمان دل میں رکھتے ہیں۔ اس کی انہوں نے کبھی پرواہ نہیں کی اور ہمیشہ ان کی آرزوؤں کا گلا گھونٹا، ان

کی خواہشوں کو اپنے پیروں تلے روندا۔

سکندر اکبر راؤ کے زمانے میں جگنو راؤ سے پہلے بھی کئی پرپوزلز ایسے بھی تھے جن پر دونوں بیٹوں اور بیوی کا مکمل اتفاق تھا لیکن انہوں نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ہی عقل کل سمجھتے تھے۔ مشورہ یا رائے لینا اپنی ہتک تصور کرتے تھے۔ دراصل انہوں نے اپنے سامنے کبھی کسی کو اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ یہاں تک کہ نسرین بیگم کو بھی معاملات سے الگ تھلگ ہی رکھا اور وہ نہ جانے کون کون سے غم اور حسرتیں دل میں چھپائے اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

ان کو کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ ان کے فیصلے بچوں کی خوشیوں کی ڈور کاٹتے چلے جارہے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی من مرضی ہی کی اور آج اقبال سکندر راؤ کی خواہش تھی دیاراؤ، حسن راؤ کا پرپوزل کو قبول کرلیں۔

لیکن کسی کو بھی اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ان کی اس بات سے دیا کے دل کے زخم پھر سے ادھیڑ جائیں گے اور ان زخموں سے رستا لہو اسے زندہ کب رہنے دے گا۔

''دیا یہ تو ایک فرض تھا جو بہت پہلے ادا ہو جانا چاہیے تھا، لیکن قسمت کی ستم ظریفی کہہ لیں یا ہماری کوتاہی کو اس کام میں دیر ہوتی چلی گئی۔'' انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''ابا کے مزاج سے تو تم بھی خوب اچھی طرح واقف تھیں اور امی جی تمہاری شادی کی خواہش دل میں لیے اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔''

ان کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔ انہوں نے انگلیوں کے پوروں سے آنکھوں کی سطح صاف کی، کمرے کی فضا ایک دم ہی سوگوار ہوگئی تھی۔ دیا اور آصفہ کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں اور اقبال سکندر کی آنکھوں کے گوشے بھی گیلے ہوگئے تھے۔ ذرا وقفے کے بعد اقبال سکندر پھر گویا ہوئے۔

''حسن راؤ نہایت اچھے اور نفیس انسان ہیں۔ ایجوکیٹڈ ہیں۔ ویل آف ہیں۔ ان کی بیوی کا انتقال ہوچکا ہے، اولاد کوئی نہیں ہے۔ ایک عرصے بعد دیار غیر سے لوٹے ہیں اپنوں میں رہنا چاہتے ہیں۔ ایک پرسکون زندگی کے خواہاں ہیں جس میں کوئی مخلص ہستی ان کی ہم سفر ہو۔''

دیا کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ ہنوز بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھی رہی۔

''دیا پلیز خود کو ذہنی طور پر آمادہ تو کریں، زندگی کی یہ تبدیلی یقیناً خوش گوار محسوس ہوگی۔'' وہ اپنی کوشش برجاری رکھے ہوئے تھے۔

''واہ، واہ بہت خوب۔ جواب نہیں آپ مردوں کا۔ پہلے ایک مرد نے ضد اور انا کی آڑ میں حسب نسب کے گارے سے اتنی اونچی فصیلیں کھڑی کر دیں، کوئی روزن، کوئی دریچہ نہیں چھوڑا اور اب دوسرا مرد ان فصیلوں کو ڈھا کے اس کے ملبے پر نئی عمارت کی تعمیر کا مشورہ دے رہا ہے جب لکڑی سلگ سلگ کر ختم ہوتی رہی تو کسی نے پرواہ نہ کی اور جب وہ راکھ کا ڈھیر بن گئی تو اس میں چنگاریاں تلاش کرنے کے جتن ہو رہے ہیں۔'' اس کی نظریں بڑے بھی پر مرکوز تھیں۔ وہ سوچے چلی جا رہی تھی۔

''دیا......'' اقبال سکندر نے گھبرا کر اسے پکارا تو وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آ گئی۔

''اب خواہشوں کے چراغ بجھ گئے ہیں اور آپ لوگ پھر سے ان بجھے دیوں کو جلانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ اب تو......اب تو جگنو بھی اپنا رستہ بھول گئے ہیں۔'' وہ بولی تو اس کے لہجے میں تلخی، برہمی اور چہرے پر دُکھ کرب اذیت اور غم کے تاثرات تھے۔

نارسائی اس کے اندر سر ابھارا تھا۔

''اب یہ عمر ہے میری شادی کی؟ بوڑھی گھوڑی لال لگام، کیوں تماشہ بنانا چاہتے مجھے دنیا کے سامنے آپ لوگ۔''

''تم ایسا کیوں سمجھتی ہو دیا؟'' آصفہ بھابھی نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''اڑتیس سال کچھ کم نہیں ہوتے۔ انسان کو حقیقت پسندی سے کام لینا چاہیے۔ اگر وقت پر شادی ہو جائے تو اس عمر میں بچے بھی جوان ہو جاتے ہیں اور آپ لوگ اب کہہ رہے ہیں کہ شادی کر لوں۔'' وہ خود کو ان کی مرضی کے مطابق تیار کرنے کو راضی نہ تھی۔

''لیکن تم تو پچیس سے زیادہ کی نہیں لگتی ہو۔'' آصفہ بھابی نے اس کے نازک سے وجود کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''لگنے اور نہ لگنے سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔''

اس کے انداز میں خفگی تھی۔

''تم نے خود ہی خود کو اَدراتیج تصور کر لیا ہے۔ ورنہ کتنے لوگ تو شادی ہی اس عمر سے زیادہ میں کرتے ہیں۔ میری خالہ کی دو بیٹیوں کی ابھی شادی ہوئی ہے جو خاصی عمر کی ہیں اور اقبال کے ایک دوست کی شادی بھی ابھی ہوئی ہے اس کی بیوی بینک میں سینئر افسر ہے۔ اب عمر کا اندازہ تم لگا لو۔ آپ تو گئے تھے نا شادی میں، آپ بتائیں نہ دیا کو۔'' آصفہ نے شوہر سے مدد چاہی۔

''ہاں دیا یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ جتنا تم سمجھ رہی ہو۔'' انہوں نے رک کر دیا

کے جواب کا انتظار کیا، لیکن اسے خاموش دیکھ کر دوبارہ گویا ہوئے۔

''میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا لیکن یہ میری بلکہ ہم سب کی خواہش ہے کہ اب تم بھی گھر بسا لو۔ ایک خوش و خرم زندگی گزارو تمہاری ویران زندگی اب مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ میں دل پر بوجھ محسوس کرتا ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں مجرم ہوں اور میں اپنی ذمے داریاں اچھے طریقے سے پوری نہیں کر سکا ہوں۔''

انہوں نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''ایسا کیوں سوچتے ہیں آپ بھیا۔'' وہ تڑپ گئی۔

''کون کہتا ہے میری زندگی ویران ہے یا میں ناخوش ہوں۔ یہ گھر، آپ بھابی اور بچے یہ سب میری زندگی کا محور و مرکز ہیں۔ آپ سب کی خوشیوں سے ہی میری خوشیاں وابستہ ہیں۔ آئندہ ایسا خیال بھی دل میں نہ لائیے گا۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں، یہ سب تو ابا کی ضد کی وجہ سے ہوا۔ آپ خود کو کیوں مجرم محسوس کرتے ہیں اور میری خوشیاں......''

''......تمہاری ذات سے منسلک ہیں۔ پلیز ہمیں مایوس نہ کرو۔ آخری فیصلہ تو تمہارا ہی ہو گا، لیکن یاد رکھو کہ تم سے ہم سب کی خوشیوں کی ڈور بندھی ہوئی ہے کیوں آصفہ!''

''ہاں دیا بے شک کچھ دیر ضرور ہو گئی ہے لیکن ابھی وقت ہاتھ سے نہیں نکلا۔ تم ٹھنڈے دل سے اس پہلو پر غور کرو۔''

''اقبال بھیا آپ جانتے ہیں سب پھر بھی......''

''یقین کرو دیا میں نے اپنی پوری کوشش کی تھی کہ تمہاری خواہش کی تکمیل ہو مگر ابا کے سامنے ہماری کسی کی نہیں چل سکی اور تمہاری خواہش حسرت بن گئی۔ کاش میں آج بھی تمہاری خواہش پوری کر سکتا۔''

دیا نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر پھر خاموش ہو گئی۔ اقبال بھیا اور آصفہ بھابی دونوں اس کے کمرے سے نکل گئے۔ دیا اپنے کمرے میں تنہا رہ گئی تھی۔ اس کے دائیں پہلو میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھا مگر درد کی لہریں پھیلتی جا رہی تھیں اور اس کو اس درد میں بھی مزہ آ رہا تھا۔

ہلکا ہلکا میٹھا میٹھا درد۔ اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور ہولے ہولے دبانے لگی۔ سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ خود کو بہت ٹینس محسوس کر رہی تھی۔

نجانے کس کو دیا کے درد کا اندازہ ہو گیا تھا یا اس کی دلی کیفیت سے باخبر ہو گیا تھا کہ ہوا

کے دوش پہ آتی لتا کے گیت کی آوازیں اس کی اذیت میں تکلیف کا باعث بن رہی تھیں۔

اداس لمحوں اجاڑ راتوں
میرے تخیل سے دور بھاگو
یہ نیند مجھ بیزار ہے کیوں؟
اس دکھ کو مجھ سے ہی پیار ہے کیوں؟
یہ لوگ جو میرے راہبر ہیں
یہ میری سوچوں سے بے خبر ہیں
یہ مجھ سے کہتے ہیں تتلیوں پر
جگنوؤں پر کتاب لکھوں
کہ چاہتوں کے نصاب لکھوں
انہیں میں کیسے بتاؤں کہ اب
بہار موسم گزر چکا ہے
اداس بے کل خزاں کا موسم
ہمارے دل میں اتر چکا ہے
ہمارے قہقہوں کا خوشبوؤں کا
وہ دور کب کا گزر چکا ہے
اب تو جینا وبال اپنا
نہ روپ و رنگ جمال اپنا
تھا جس کو تھوڑا خیال اپنا
وہ شخص کب کا بچھڑ چکا ہے
''M.R.S''

آنسو دریا کا بند توڑ کر بہہ نکلے تھے اور اب اس بند پر لگانا ناممکن تھا۔ پہلے وہ سسکیوں سے رو رہی تھی پھر ہچکیاں بندھ گئیں اور پھر وہ خود پر اختیار کھوتی ہوئی بلک بلک کر رونے لگی۔ درد ناقابل برداشت ہو رہا تھا لیکن اسے یہ درد برداشت کرنا تھا۔ آج تک وہ یہی تو کرتی آئی تھی۔ جب سے جگنو بچھڑا تھا وہ درد کے سفر پر قدم رکھ چکی تھی اور آج تک اسی سفر پر گامزن تھی اور اب سب لوگ مل کر اس کے درد کا سفر ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے قدموں کو کسی اور منزل کی طرف

موڑنا چاہتے تھے۔ وہ اس کو مجبور کر رہے تھے کہ ان کا ساتھ دے۔

لیکن اب یہ اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ کیسے اس سفر سے واپسی کا سفر طے کر سکتی تھی جس پر عرصہ دراز سے چل رہی تھی۔ وہ کیسے جگنو کو اپنے دل سے نکال سکتی تھی جس کی چاہت میں خود کو مٹا بیٹھی تھی اور اب اس کو حکم دیا جا رہا تھا کہ وہ جگنو راؤ کو دل سے نکال کر حسن راؤ کو جگہ دے۔ جگنو کا مقام اس انجان شخص کو دے دے جس کے نام سے واقف ابھی ہوئی تھی اور وہ جو اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا تھا۔ اس کو بھول جائے۔

یہ کیسے ممکن تھا۔ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ آخری سانس تک جگنو کی تھی اور اسی کی ہو کر مرنا چاہتی تھی۔

اس نے زور سے آنکھیں بھینچیں اور آنسوؤں کا ریلا پلکوں کی باڑ توڑتا ہوا بہہ نکلا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کیں اور ماضی کی پگڈنڈیوں پر سفر کرنے لگی۔

☆......☆......☆

دیا راؤ کا کھنکتا ہوا قہقہہ فضا میں بلند ہوا تو امی جی نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کتنی مرتبہ سمجھایا ہے دیا، آہستہ ہنسا کرو، میرا دل ہول کر رہ جاتا ہے۔ ابھی تمہارے ابا ہوتے تو کتنا برا مناتے۔'' انہوں نے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

''چھوڑیں امی جان وہ خوش کس بات پر ہوتے ہیں۔ ہر وقت غصہ ناک پر دھرا رہتا ہے۔ میں نے تو آج تک ان کو ہنستے مسکراتے نہیں دیکھا۔ سچ کہیے، کیا آپ نے انہیں کبھی خوش باش دیکھا ہے۔ یہ نہ کرو، وہ نہ کرو۔ یوں نہ چلو، آہستہ بولو، زور سے نہ ہنسو، ایسے نہ اٹھو ویسے نہ بیٹھو ادھ سانس...... ہاں وہ بھی گن گن کر ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق لو۔'' دیا راؤ کی آخری بات پر مریم بے اختیار ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئی۔ امی جی البتہ اسے پریشان اور ناراض نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''تمہارا ابھی جواب نہیں دیا۔ کتنے گلے شکوے جمع کر رکھے ہیں، تم نے اپنے دل میں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے کیوں امی جی؟'' مریم نے امی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا تمہارے ابا دل کے برے نہیں ہیں۔ ہاں مزاج میں ذرا سختی ہے اور کچھ اصول وضع کر رکھے ہیں انہوں نے زندگی گزارنے کے جن پر وہ خود بھی سختی سے عمل کرتے ہیں اور چاہتے ہیں ان کی اولاد بھی ایسا ہی کرے۔'' انہوں نے بڑے رسان سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''امی اب ہر شخص ان کی نظر سے تو زندگی کو نہیں دیکھ سکتا نا، ہر ایک کا نقطہ نظر مختلف ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے۔'' وہ بھی بحث کے موڈ میں تھی۔

''اچھا چھوڑو اس فضول بحث کو اور دو چار روٹیاں ڈال لو تمہارے بھائی بھی آتے ہی ہوں گے۔ فائزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ورنہ وہ ہی ڈال دیتی۔''

''تم رہنے دو میں پکا لیتی ہوں۔'' مریم نے اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

''تمہارے ہاتھ کی روٹیاں کھانے کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔'' اس نے دیا کو چھیڑا۔

''ایک تو گھر بیٹھے دنیا کی سیر کرا دیتی ہوں، مگر تمہیں مفت کی سیاحت ہضم ہی نہیں ہوتی ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی آنکھوں کے روشن جگنو بہت حسین لگ رہے تھے اور گھنٹیاں بجاتی جلترنگ ہنسی بہت دل موہ لینے والی تھی۔

''چلو پھر سے دنیا کا نقشہ تمہارے سامنے رکھ دیتی ہوں۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔ ابا کے لیے تو ہوں گی نا صبح کی روٹیاں باقی سب کی خیر ہے۔'' اس نے مریم کو شانوں سے پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا اور خود فائزہ کے پاس جا کھڑی ہوئی جو بستر پر دراز کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھیں۔

''ہاں بھئی بیمار لوگو کیا حال ہے؟'' اس نے فائزہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کون بیمار؟'' انہوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''جناب سنا ہے نصیب دشمناں طبیعت ناساز ہے اور آپ ناسازی طبیعت کی وجہ سے روٹی پکانے سے قاصر ہیں۔''

فائزہ ہنستے ہوئے اٹھ بیٹھیں۔ انہوں نے پیار سے اسے ایک چپت رسید کی۔ کتنی رونق ہے اس کے دم سے ورنہ یہ گھر شہر خموشیاں کا ہی منظر پیش کرے۔ وہ سوچ رہی تھیں۔

''کہاں کھو گئیں آپیا آپ آرام فرمائیں۔ آج یہ خاکسار خدمت پر مامور ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے کچن کی طرف چل دی۔ ہمارا گھر کچھ عجیب سا ہی ہے اور اس میں رہنے والے نفوس وہ تو شاید عجیب وغریب ہیں۔ مجھ سمیت۔'' فائزہ نے کتاب بند کر کے سرہانے رکھی اور سوچوں میں کھو گئیں۔

☆......☆......☆

ابا کے آتے ہی دیا نے کھانا لگا دیا۔ کھانا نہایت خاموشی سے کھایا جا رہا تھا۔

''اور سناؤ اقبال میاں تمہاری ملازمت کیسی جا رہی ہے؟'' ابا نے خاموشی کو توڑتے

ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک ٹھاک۔ آفندی صاحب بہت خوش ہیں میری کارکردگی سے۔ ہوسکتا ہے چند مہینوں بعد میری ترقی بھی ہو جائے۔'' اقبال نے خوش ہو کر بتایا۔

''بہت خوب۔'' ابا نے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''اور برخوردار کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟'' اب وہ مصطفیٰ سے مخاطب تھے۔

''جی باقاعدہ کلاسز اٹینڈ کر رہا ہوں۔'' مصطفیٰ نے گڑبڑا کر جواب دیا۔ مصطفیٰ کی ساری شوخی وطراری ابا کے سامنے ہوا ہو جاتی تھی اور وہ بعد میں ہاتھ پر مکے مار مار کر تاسف کا اظہار کرتا رہ جاتا۔ بہنیں اس صورت حال سے محظوظ ہوئے بنا نہ رہتیں۔

''آپ کھانے کے بعد میرے کمرے میں آ جایئے گا۔ مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' ابا نے دسترخوان سے اٹھتے ہوئے امی کو مخاطب کیا تو سب نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ایسی کیا خاص بات ہوسکتی ہے؟'' ابا کے جاتے ہی دیا کی زبان میں کھجلی شروع ہو گئی تھی۔''

''مجھ خود بھی کچھ اندازہ نہیں ہے بیٹا، وہاں جا کر ہی معلوم ہو سکے گا کیا بات ہے؟'' امی نے پرسوچ انداز میں کہا۔

ایک دم سے پریشان تو نسرین بیگم بھی ہو گئی تھیں۔ کوئی خاص واہم بات ہی ہوتی تو وہ اس طرح میٹنگ کرتے تھے۔ یا پھر بچوں کے بارے میں اچھا برا کہنا ہوتا یا پھر گھر کے معاملات پر برا بھلا کہتے تھوڑی سی تلخ کلامی ہوئی۔ گھر میں خاموشی چھا جاتی سب کونے کھدروں میں چھپ جاتے اور پھر دھیرے دھیرے زندگی اپنی روٹین پر آ جاتی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کو گہری سوچوں میں غرق پایا۔ وہ ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

کچھ دیر بعد وہ گویا ہوئے۔

''رانا یونس کو تو آپ جانتی ہی ہیں۔'' سکندر راؤ اپنی پاٹ دار آواز میں گویا ہوئے۔

''اور ان کی بیگم سے بھی آپ کی خاصی واقفیت ہے، کئی دفعہ ملاقات ہو چکی ہے آپ کی۔''

نسرین بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس تمہید کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھیں۔

''وہ لوگ مریم کے لیے آنا چاہ رہے ہیں۔ ایک دو روز میں شاید چکر لگائیں۔ رانا

یونس سے میری پرانی واقفیت ہے۔ اپنی راجپوت فیملی سے ہی ہیں۔ خاندان بھی اچھا ہے۔ روپے پیسے میں بھی ٹھیک ہیں۔ ان کے بچے بھی میرے دیکھے بھالے ہیں۔ میں نے اپنا عندیہ دے دیا ہے۔'' انہوں نے اطمینان سے بات ختم کی تو نسرین نے حیرت سے ان کو دیکھا اور بولیں۔

''لیکن اس سے پہلے فائزہ اور دیا ہیں۔ ہمیں پہلے ان کے متعلق سوچنا چاہیے۔''

''بھئی انہوں نے خود مریم کے لیے کہا ہے۔ اب کیا میں زبردستی فائزہ یا دیا کو ان کے سر منڈھ دوں؟'' انہوں نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا، لیکن وہ دونوں کیا سوچیں گی اور پھر لوگ الگ باتیں بنائیں گے دو بڑیوں کو چھوڑ کر سب سے چھوٹی کی شادی کردی۔ نجانے ان دونوں میں کیا کمی یا خرابی ہے۔ لڑکیوں کے والدین کو رشتے ناتے کرتے وقت سو طرح سے سوچنا پڑتا ہے۔''

''تم بھی کن چکروں میں پڑ گئیں بیگم۔ لوگوں کی مجھے پرواہ نہیں ہے اور رہی فائزہ اور دیا کی بات تو وہ ہماری بیٹیاں ہیں۔ کیا وہ بہن خوشی سے ناخوش ہوں گی؟''

''میری بیٹیاں بڑے دل اور حوصلے والی ہیں۔ اگر ان کے لیے آئے ہوئے رشتوں میں سے آپ کسی پر راضی ہوجاتے ہیں تو آج وہ بھی اپنے گھر بار کی ہوتیں۔'' انہوں نے آزردگی سے کہا۔

''میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ میں ان کے خاندان اور ماحول سے مطمئن نہیں تھا اور پھر جو بات ختم ہوچکی ہو اس کو دہرانے سے فائدہ۔'' ان کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

''اور ہاں ایک بات اور...... رانا یونس نے اپنے کسی رشتے کے بھائی کا ذکر کیا تھا جس کی بیٹیاں بھی پڑھی لکھی اور سلیقہ مند ہیں۔ مریم کے قصے سے فارغ ہولیں اگلے ہفتے ان کے ہاں ہو آئیں گے دن اور وقت میں یونس سے مل کر طے کرلوں گا۔ اگر لڑکی معقول ہوئی تو اچھا ہے مریم کے ساتھ ساتھ ہم اقبال کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ ویسے بھی اچھے رشتے کہاں ملتے ہیں۔ یہیں بات بن جائے تو بہتر ہے۔'' وہ اپنی ہی کہے جا رہے تھے اور نسرین بیگم حیرت سے ان کا منہ تکے جا رہی تھیں۔ آخر ہمت کرکے بول پڑیں۔

''یہ اقبال کا سلسلہ کہاں شروع کردیا آپ نے۔ ابھی تو ملازمت لگی ہے۔ اسے قدم تو جمانے دیں ترقی کرنے دیں، ابھی سے کہاں اسے بکھیڑوں میں الجھا رہے ہیں۔ پھر اس کی تو عمر بھی کچھ نہیں ہے۔''

''کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے، وہ پڑھ لکھ گیا ہے۔ برسر روزگار ہے۔ شادی کے لیے

یہی عمر مناسب ہوتی ہے اور پھر کیا صحیح ہے کیا غلط یہ بات میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔'' انہوں نے گویا بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ نسرین نے ٹھنڈی سانس بھر کر سر جھکا لیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ بحث فضول ہے اور تکرار لاحاصل۔ ہوگا وہی جو وہ چاہیں گے۔ وہ پریشان سی کمرے سے نکل آئیں۔ سب بچے ان کے منتظر تھے کہ کیا خبر لاتی ہیں۔ اقبال تو سنتے ہی بھڑک اٹھے۔

''پہلے بہنوں کا فرض ادا کروں گا اس کے بعد اپنا سوچوں گا۔ میں ابھی شادی نہیں کروں گا میری طرف سے انکار سمجھیں۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''میں بات کرچکی ہوں تمہارے ابا سے مگر وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تو خاموشی اختیار کرلی۔ میں تو خود چاہتی ہوں پہلے بچیاں اپنے گھروں کی ہوجائیں۔ نجانے بہو کس مزاج کی آئے اور گھر کے حالات اور نقشہ کیا ہو۔ بہت مشکل ہوجائے گی۔ میں تو خود تب سے ہول رہی ہوں، کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جو ان کی زبان سے نکل گیا وہ ہی حرف آخر ہے۔''

''میں خود بات کروں گا ابا سے۔'' اقبال کے ارادے میں مضبوطی نظر آرہی تھی۔

''بے شک کرلو مگر حاصل کچھ نہیں ہوگا۔'' نسرین بیگم نے مایوسی سے کہا۔

''تو آپ چاہتی ہیں میں ان سے بات نہ کروں؟'' وہ ماں سے بولے۔

''یہ تو نہیں کہا میں نے۔ لیکن اپنے ابا کی عادت سے تم بھی واقف ہو۔ جو سوچ لیا یا کہہ دیا انہوں نے تو پھر قسمت کی طرح ان کا فیصلہ بھی نہیں بدلہ جا سکتا۔''

''لیکن میں ان سے ایک بار بات ضرور کروں گا۔'' اقبال نے بھی ہٹ دھرمی سے کہا۔

''جیسے تمہاری مرضی۔'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

فائزہ اور دیا کے سامنے انہوں نے مریم کے لیے یہ نہیں کہا تھا کہ مریم کی شادی بھی غلط وقت پر ہو رہی ہے جبکہ پہلے دونوں بڑیوں کی شادی ہونی چاہیے، خصوصاً فائزہ کی۔ لیکن وہ خاموش رہیں، لیکن مریم کی بات سے دونوں بھائی متفق تھے کہ جس کے لیے اچھا اور مناسب پرپوزل مل جائے تو اس کے فرض سے فارغ ہو جانا چاہیے لیکن وہ ماں تھیں بچیوں کے احساسات اچھی طرح جانتی تھیں۔ ان کے نزدیک یہ فائزہ اور دیا کے ساتھ حق تلفی تھی۔ مگر وہ کر کیا سکتی تھیں اور اس کا ذکر انہوں نے بہن سے بھی کیا۔

سب لوگ جب ادھر ادھر ہوگئے تو وہ فون لے کر بہن سے دل کے پھپھولے پھوڑنے بیٹھ گئیں۔ اس سے بات کرنے کے بعد دل ذرا ہلکا ہو جاتا تھا۔

''کیا کروں؟'' نسرین بیگم نے بے بسی سے کہا۔

آپا کی اس بات سے تو جیسے طلعت کو تو آگ ہی لگ گئی تھی۔ وہ سلگتے لہجے میں بولیں۔

''ارے بھئی احتجاج کریں، واویلا مچائیں۔ ان کا گریبان پکڑ کر حساب مانگیں۔ اپنے حقوق کا دفاع کریں۔''

''تم جانتی ہو طلعت میں ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ پھر بھی تم اس انداز میں ایسی باتیں کر رہی ہو۔ زندگی میں کبھی اونچی آواز میں نہیں بولی تو اب کیا بولوں گی۔''

''یہی تو غلطی کی ہے آپ نے۔ جس کی سزا ملی ہے۔'' نسرین کی شکست خوردہ آواز سننے سے طلعت کو تپ چڑھ گئی۔

''یہ سب میرے بس میں نہیں۔'' نسرین ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پھر کس کے بس میں ہے؟'' طلعت نے بہن کو اکسایا۔

''میں چاہتی ہوں پہلے فائزہ کی شادی ہوتی اور ایسا ممکن نہیں اور مریم کے مقدر پہلے کھل رہے ہیں تو اس پہ بھی میں نے سمجھوتہ کر لیا جبکہ دکھ تو بہت ہے کہ فائزہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہوگی اور پھر اقبال کی شادی۔ میں اس حق میں نہیں کہ بچیوں سے پہلے گھر میں بہو آ جائے تو گھر کے حالات کا رُخ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے اور پھر تمہارے بھائی جان...... ان کی عادت سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو پھر ساری زندگی یہ بچیاں اس دہلیز پہ ہی بیٹھی رہیں گی۔ یہ سوچ سوچ کر دل ہول رہا ہے۔'' اس کے ساتھ ہی ان کی آواز بھیگ گئی۔

''آپ کے شوہر ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ اور نہ چاہتے ہوئے آپ کے سروں پر ایک بہو مسلط کر رہے ہیں اور بے پروائی اور بے بسی سے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی تماشہ دیکھ رہی ہیں۔''

''طلعت اگر میری جگہ تم ہوتیں نا تو تم بھی تماشہ بین بننے پر مجبور ہو جاتیں۔''

''غلط کہہ رہی ہیں آپا آپ۔ میں ان کا تماشہ لگوا دیتی اور ایسا مزہ چکھاتی کہ ساری عمر یاد رکھتے۔''

''ایسا کچھ بھی نہیں۔ یہ سب پہلے کی باتیں ہیں۔ جب سر پر پڑتی ہے تو انسان کچھ نہیں کر پاتا اور تم بھی وہی کرتیں جو میں نے کیا ہے۔ ہمارے خاندانوں میں سب سے زیادہ مجبور اور بے بس لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ اگر آج زبان چلاؤں، احتجاج کروں یا ان کا گریبان پکڑوں تو دوسرے لمحے وہ آزادی کا پروانہ ہاتھ میں تھما کر میکے روانہ کریں گے۔ اس عمر میں گھر اجاڑ کر میکے جا بیٹھوں تو لوگ کیا کہیں گے دنیا جینا دوبھر کر دے گی اور جوان بچوں کی ماں کو یہ سب زیب دیتا

ہے۔ عزیز و اقارب تھوکیں گے مجھ پر کہ اس عمر میں شوہر بچوں کو چھوڑ کر ماں باپ کے سینے پر مونگ دلنے آ بیٹھی، گھر کی دہلیز پر۔ پیچھے جوان بچوں کا بھی خیال نہ کیا۔ بوڑھے ماں باپ اور بھائیوں کی عزت کا بھی خیال نہ کیا۔'' نسرین بیگم چپکے چپکے رو رہی تھیں۔

''اماں، ابا سے تو میری اسی بات پر کِل کِل ہوتی ہے کہ انہوں نے سکندر بھائی جیسے جابر شخص کے پلّے کیوں باندھ دیا۔''

''نہیں طلعت اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ نہ ہی وہ اتنے بُرے ہیں۔ بس مزاج کے ذرا سخت ہیں۔ بس وہ چاہتے ہیں کہ ہر فیصلہ وہ خود کریں اور ہر کام ان کی خواہش کے مطابق ہو۔ ورنہ عیش و عشرت میں کبھی کمی نہیں آنے دی، انہوں نے آج تک۔''

عورت اتنی ہی وفادار ہوتی ہے شوہر کی۔ خواہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو لیکن وہ کسی دوسرے کے منہ سے شوہر کی برائی نہیں سن سکتی۔ نسرین بیگم نے بھی شوہر کی سائیڈ لی۔ ان کے لہجے میں شوہر کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

عورت کا خمیر ہی محبت سے اٹھا ہے۔

''ایک بات کہوں آپا اگر آپ نے شروع دن سے اپنی قدر کرائی ہوتی تو سکندر بھائی آپ کو آج کسی حقیر شے کی طرح جھٹک کر اپنے فیصلوں کی مہر ثبت نہ کرتے۔'' طلعت کے لہجے میں رُکھائی اور تلخی تھی۔ انہیں بہن کی مجبوریوں کا آج شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کبھی ان کی بے بسی کو کبھی خیال نہیں آیا تھا۔

''کیسے قدر کراتی، کس طرح منواتی اپنا آپ۔ ماں باپ نے کہا تھا بیٹا جس گھر میں تمہاری ڈولی جا رہی ہے اب وہاں سے تمہارا جنازہ ہی نکلے۔ کبھی باپ بھائیوں کا شملہ نیچا نہ ہونے دینا۔ اب ان کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے اور تم سے وابستہ تمہاری چھوٹی بہنوں کا مستقبل ہے۔ سسرال میں لگا کر کھانا کچھ بھی کرنے سے پہلے چھوٹی بہنوں کی طرف دیکھ لینا کہ تین بہنیں قطار میں لگی کھڑی ہیں تو پھر اس کے بعد کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ کچھ اپنی طبیعت و مزاج سادہ تھا کچھ والدین کی نصیحتیں۔ تو پھر اپنا آپ مارتی چلی گئی۔ صرف ان کے حکم پر سر جھکا ہے، کبھی اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکی کیونکہ اس کی اجازت ہی نہیں دی گئی کبھی۔'' وہ سانس لینے کو رکیں یا آنسو پینے کو کچھ دیر بعد پھر گویا ہوئیں۔

''طلعت تم سب قصے، کہانیوں اور ڈراموں کی باتیں کرتی ہو۔ حقیقت کچھ اور ہے۔ تم آنکھیں کھول کر ارد گرد کے حالات کا جائزہ لو۔ دیکھو کہاں کھڑے ہیں ہم بحث اور ضد کر کے

حقوق و فرائض کی جنگ نہیں جیتی جاتی۔ اگر اپنی ہٹ دھرمی اور ضد پر قائم رہیں تو لمحوں میں گھر اجڑ جاتے ہیں۔ طلعت میری بچی مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے اور تم والدین کو موردِ الزام ٹھہرا رہی ہو۔ تم کیا جانو وہ اندر ہی اندر کتنا کڑھتے ہیں اور دل ہی دل میں اس بات پر شکر منا رہے ہیں کہ داماد نے تین لفظ لکھ کر بیٹی کے ہاتھ میں آزادی کا پروانہ نہیں تھمایا کہ ہمیشہ کے لیے گھر کی دہلیز سے باہر کر دیا۔ بس اسی لیے ساری زندگی مصلحت کا چشمہ لگا کر گزار دی۔''

''آپا بس کریں مجھ سے اور نہیں سنا جاتا۔'' طلعت نے بے رخی سے ان کو کہا۔

ان دونوں بہنوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ نسرین برف جیسے ٹھنڈے مزاج کی اور طلعت کا مزاج سب بہنوں میں دہکتے انگارے جیسا تھا۔

''یہی سچ ہے اور یہی ہم عورتوں کی حقیقت۔ خود کو مار کر ہی گھر بستے ہیں۔ ورنہ لمحوں میں نصیبوں پہ کالک مل جا سکتی ہے اور پھر بدنصیبی سے ہم منہ نہیں چھپا سکتے۔ بس سب خاموشی سے ہی دیکھنا ہے کیونکہ اقبال اور مریم کی قسمتوں کا فیصلہ وہ کر چکے ہیں اور اپنے فیصلے کی مہر لگا دی ہے۔''

''تو آپا آپ بھی خوشی خوشی بچوں کی شادی کی تیاری کریں، جب ایک کام ہونا ہی ہے تو پھر رو دھو کر بے دلی سے کیوں کریں۔ اقبال کی شادی ہو گی تو دیکھنا بہت اچھی بہو آئے گی اور آپ کو صبر کا پھل ملے گا۔ جب آنے والی کو روایتی ساس نندوں والا ماحول نہیں ملے گا تو وہ بھی بیٹی بن جائے گی آپ کی۔'' اتنی دیر میں طلعت نے اب سچی اور کام کی بات کی تھی۔ ورنہ تو آج وہ بھڑکتا الاؤ بنی ہوئی تھی اور کچھ ہی دیر میں جیسے اس بھڑکتے الاؤ پر جیسے پانی ڈال دیا تھا کسی نے۔

''ہاں'' نسرین نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ سچ ہے میں اسے اپنی بیٹی ہی سمجھوں گی تو وہ بھی مجھے ماں کا درجہ دے گی۔''

''رہی آپا چھوٹی بڑی کی بات تو ان کی شادی کہیں نا کہیں تو کرنی ہی ہے ناں جس کے بھی نصیب کھل جائیں اور جس کے لیے اچھا مناسب رشتہ مل جائے اسی کی شادی کر دیں۔ آج کا دور یہ نہیں رہا۔ بڑی کی ہو گی تو چھوٹی کا نمبر آئے گا۔ آج کل تو رشتوں کی اتنی پریشانی اور مشکل ہے کہ لوگ خود کہتے ہیں جس بچی کو چاہیں پسند کر لیں۔ آپ بھی دل سے سب وسوسے خوف، اندیشے نکال دیں اور دل کو مضبوط کریں۔ اگر ابھی سے دل چھوڑ کر بیٹھ گئیں تو کیسے ہو گا سب۔ پہلی پہلی شادیاں ہیں آپ کے گھر کی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو طلعت۔ تقدیر کا فیصلہ یہی ہے اور تقدیر کا لکھا ٹل نہیں جاتا۔'' انہوں نے انگلیوں کے پوروں سے آنکھیں صاف کیں۔ انہوں نے مسکرا کر طلعت کو

خدا حافظ کہا اور فون رکھ دیا۔

☆......☆......☆

فائزہ اور دیا بھی خالہ کی طرح خوش تھیں کہ کسی کے تو مقدر کھلے۔ ان دونوں کے خوشی سے چمکتے چہروں کو دیکھ کر نسرین کے دل سے ایک بھاری بوجھ تھا جو سرک گیا تھا۔ وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔

اقبال نے ابا سے بات کی تھی۔

''ابا جان مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے؟''

''میں جانتا ہوں جو بات تم کرنا چاہتے ہو، لیکن کیا میں نے اتنی مشکل بات کہہ دی ہے کہ تم سب لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی؟''

''بات مشکل تو نہیں بس وقت سے پہلے کہہ دی ہے، جو آپ نے سوچا ہے وہ ابھی مناسب نہیں۔ پہلے بہنوں کے فرض سے......''

''میاں صاحب زادے تم کیا سمجھتے ہو میں سٹھیا گیا ہوں یا بہت غلط فیصلہ کر دیا ہے۔ کیوں یہی مطلب ہے نا، تمہارا؟''

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا اور آپ اپنے فیصلے پر غور کریں۔''

''اگر تم انکار کرتے ہو تو میں مصطفیٰ کی شادی کر دیتا ہوں کیونکہ میں زبان دے چکا ہوں۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ میں انکار کروں اور انہیں بتاؤں کہ میں نے اپنے بیٹے سے اجازت نہیں لی تھی اور وہ ابھی شادی کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے معذرت چاہتا ہوں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا ابا جان۔'' اقبال نے منمناتے ہوئے۔ ابا کے سامنے بیٹھے ضرور تھے مگر اندر سے تھرتھرا رہے تھے۔ ہمت ساتھ چھوڑ رہی تھی۔

''تو پھر وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔'' انہوں نے گہری نگاہوں سے اقبال کو دیکھا۔

''جیسے آپ کی مرضی۔'' انہوں نے ہار مانتے ہوئے کہا اور مایوسی اقبال کے چہرے سے ٹپک رہی تھی۔ وہ مایوس قدموں سے باہر چلے آئے۔ ان سے کوئی بھید نہیں تھا کہ واقعی ہی مصطفیٰ کی شادی کر دیتے۔ چار و ناچار انہیں شادی کا گھونٹ بھرنا پڑا۔

☆......☆......☆

مریم کو دیکھنے کے لیے خواتین آئی تھیں۔ مریم پہلی نظر میں ہی ان کو پسند آ گئی تھی۔

رشتہ طے ہوتے ہی کسی باضابطہ تقریب کے بغیر ہی مریم کو انگوٹھی پہنا دی۔

''سکندر بھائی میں نے مریم کو انگوٹھی پہنا دی ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں میں نے بغیر کسی تقریب بچی کی انگلی میں انگوٹھی ڈال دی۔'' مسز ہارون نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''جیسے آپ کی مرضی بہن۔''

''بہت شکریہ۔''

''میرا خیال ہے اب شادی کی تاریخ طے کر لیں۔'' ہارون صاحب بولے۔

''جو تاریخ آپ طے کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس ایک بار اقبال کے سسرال سے ہو آئیں۔ ان کے ارادے کا بھی پتا چل جائے کب تک شادی کریں گے۔''

سکندر اکبر راؤ نے ٹھہرے ٹھہرے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

''ویسے کب تک ارادہ ہے ان لوگوں کا شادی کا؟''

''جلدی ہی کہہ رہے ہیں۔''

''کتنی جلدی؟''

''دو، تین ماہ کے اندر اندر۔''

''چلیں اللہ بہتر کرے گا۔''

''جی۔'' سکندر اکبر راؤ نے بھی سر اثبات میں ہلایا۔

اسی خوشی میں چائے کے ساتھ مٹھائی پیش کی گئی اور یوں ایک اچھے اور خوشگوار ماحول میں ایک کام انجام پا گیا۔ نسرین مریم کے سسرال والوں سے ملکر واقعی ہی خوش ہوئیں۔ سادہ سے مخلص اور محبت کرنے والے لوگ کم لوگوں کو ہی ملتے ہیں۔ اقبال کے لیے آصفہ کو دیکھنے گئے تو وہ بھی نسرین بیگم اور بچیوں کو پسند آ گئی۔ وہ تو اتفاق تھا کہ ان لوگوں کو آصفہ پسند آ گئی اگر نہ بھی آتی تب بھی اقبال کی شادی آصفہ سے ہی ہونی تھی۔ کیونکہ سکندر راؤ ہاں کر چکے تھے۔ باقی تو ایک رسم پوری کر لی گئی تھی اور پھر باہمی صلاح مشورے سے مارچ کی نو تاریخ طے پا گئی۔

صرف ایک ماہ کا وقت ملا تھا شادی کی تیاری کیلئے۔

پھر سب کچھ اس قدر اچانک اور جلدی ہوا کہ کسی کو سوچنے سمجھنے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔

مریم روتی دھوتی اپنے گھر کو سدھاری اور آصفہ بیگم اقبال سکندر کی ہزار مخالفت کے باوجود دلہن بن کر اس گھر کے آنگن میں اتر آئیں۔ اب یہ اور بات ہے کہ انہوں نے آتے ہی اپنے حسن و سیرت سے سارے گھر کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ساس کی وہ چہیتی بہو تھیں تو نندوں کی راز دار سہیلی اور

دیور سے دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا تھا اور تو اور سسر نے بھی ان کو لاڈلی بہو کا درجہ دے دیا تھا۔ اپنے انتخاب پر وہ بہت نازاں تھے بہو سے بات کرتے وقت ان کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ پھیل جاتی جو سارے گھر کے باعث حیرت تھی۔ ان لوگوں کو محسوس ہوتا جیسے ہمالیہ کے برف پوش پہاڑوں پر نرم گرم دھوپ پھیل گئی ہو اور اس کی حدت سے برف آہستہ آہستہ پگھلنا شروع ہو گئی ہو۔ آصفہ کے آنے سے گھر کی فضا میں خوشگوار تبدیلی رونما ہو گئی تھی اور گھٹن فضا میں قدرے کم محسوس ہونے لگی تھی۔ اب اگر دلہن کی ہنسی جلترنگ بجاتی یا کھنکتا ہوا قہقہہ گھر کی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر دیتا تو ابا پہلے کی طرح روک ٹوک کرنے کے بجائے نظر انداز کر دیتے اور مریم اپنے شوہر کے ساتھ آ پہنچتی تو اس کے بلند و بانگ قہقہوں سے گھر کے در و دیوار لرزتے محسوس ہوتے۔ گھر کے مکینوں کے لیے ہی نہیں بلکہ یہاں کے در و بام کے لیے بھی یہ سارے مناظر صرف نئے بلکہ حیرت انگیز بھی تھے۔

☆......☆......☆

مریم کے آنے سے گھر میں رونق بڑھ جاتی۔ ناصر کے لیے ان کی پسند کی ڈشز بنائی جاتیں۔ ناصر راؤ کے آتے ہی گویا گھر کے در و دیوار انگڑائی لے کر بے دار ہو جاتے۔ گیٹ سے ان کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آنا شروع ہو جاتیں اندر آتے ہی وہ آوازیں دے دے کر سب کو ایک جگہ جمع کر لیتے۔

فائزہ ایپا کو سوتے سے جگا دیتے۔ دیا کو چھپنے نہیں دیتے، ان کے ہاتھ کی چائے فرمائش کر کے پیتے وہ بھی لوازمات کے ساتھ۔ آصفہ کو کہتے ہمارے ساتھ باتیں کیجئے۔ باقی کام بعد میں۔

ابا کے سامنے وہ بہت مودب اور سنجیدہ ہو کر بیٹھتے لیکن خاموش رہنا شاید ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ وہ ابا اور اقبال کے ساتھ ان کے پسندیدہ موضوعات پر گفتگو کرتے کہ وہ دونوں بھی ان کی معلومات اور خوش مزاجی کے قائل ہو جاتے اور یہی وہ وقت ہوتا جب اہل خانہ کو اپنے ادھورے کام نبٹانے کا موقع مل جاتا ورنہ وہ اپنی موجودگی میں کسی کو کچھ کرنے دیں یہ ممکن نہ تھا پھر یہ بات بھی تھی کہ ان کی دلچسپ اور ساحرانہ گفتگو سن کر کسی کا محفل سے اٹھ کر جانے کا دل نہ چاہتا تھا۔ ان کی سنگت نے مریم کے موڈ اور مزاج پر بھی بہت اچھا اثر ڈالا۔ انہوں نے بیوی کے اوپر چڑھے ہوئے خود ساختہ سنجیدگی کے خول کو توڑ کر شوخ و شنگ اور زندہ دل مریم کو برآمد کر لیا تھا جو اب قدم بہ قدم ان کے ساتھ تھی۔

دیا راؤ کا خیال تھا کہ وہ لوگ ان کے آنے پر ہفتے بھر کے لیے تازگی و توانائی کا ذخیرہ کر لیتے ہیں جو آنے والے دنوں میں کام آتا رہتا ہے۔

☆......☆......☆

"اب تو فائزہ آپا کی شادی ہو جانی چاہیے۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔" ایک دم سے ناصر نے فائزہ کی شادی کا نکتہ اٹھایا تو سب کے لبوں پر خاموشی چھا گئی۔

خوش گوار ماحول یکدم ہی اداسی اور سناٹوں کی نذر ہو گیا۔ ناصر سب کے چہروں کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، شاید وہ غلط بول گیا ہے۔ اس وقت یہ احساس شدت سے ہوا جب فائزہ آپا اٹھ کر کمرے میں چلی گئیں۔

"شاید میں نے کچھ غلط بول دیا ہے۔ جب ہی آپ سب کے لبوں پر قفل پڑ گئے ہیں۔" ناصر کو احساس ندامت نے آ گھیرا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں بیٹا۔ تم کیا سب ہی لوگ یہی کہتے ہیں مگر اتنے عرصے میں تم اتنا تو جان گئے ہو گے کہ ہمارے بس میں کچھ نہیں ہے۔ دیا کے ابا کی مرضی کے فیصلے ہوتے ہیں جن پر ہمیں صرف سر جھکانا ہوتا ہے۔"

انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ نسرین نے آنکھوں کے گوشے پونچھتے ہوئے کہا۔

"یہی وقت ہے۔ اس کے بعد تو صرف فرض پورا کرنے والی بات ہو گی۔ دل کی تمام امنگیں آرزوئیں دم توڑ جاتی ہیں اور جب دل ہی خوش نہ ہو تو مشینی زندگی گزرتی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی جان۔ مگر یہ تو ابا جان کو سوچنا چاہیے خصوصاً بیٹیوں کے معاملے میں۔ اگر دیکھا جائے مریم سے پہلے فائزہ آپا اور دیا کی شادی ہونی چاہیے تھی۔"

"لیکن سکندر صاحب کو کون سمجھائے۔ تمام عمر یوں ہی گزر گئی مگر وہ نہ سمجھے۔ اب کیا سمجھیں گے، ان کے خاندان میں ایسا کوئی آدمی نہیں جو ان کی طرح اتنا ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں میں بات کروں گا ان سے، شاید کچھ بات بن جائے۔" ناصر نے بہت امید سے بات کی، داماد ہونے کی حیثیت سے خاصی اہمیت تھی ان کی اور اسی بنا پر ناصر کا حوصلہ بڑھا تھا شاید وہ ان کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

"اگر ایسا ہو گیا اور آپ ابا جان کو منانے میں کامیاب ہو گئے تو تاریخ کا دن ہو گا وہ۔"

آصفہ بھابی نے ہنس کر کہا، ان کا مقصد ناصر کی حوصلہ شکنی نہیں تھا بس پیش آنے والے

حالات سے آگاہ کیا تھا۔

"کوشش تو کرنے دیں۔ اچھی امید رکھیں سب ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ۔"

"آمین" لاؤنج میں موجود سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ اس کے بعد وہ پھر سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔

فائزہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سب کی باتوں کی آواز اور بلند قہقہے اب بھی ان کا پیچھا کر رہے تھے۔

وہ ان آوازوں سے بچنے کے لیے باتھ روم میں گھس گئیں اور بے مقصد منہ پر پانی کے چھپاکے مارنے لگیں۔ واش بیسن میں بہتے پانی کی تیز دھار سے اڑتے قطروں نے اس کے کپڑے بھگو دیئے لیکن وہ اس بات سے بے نیاز پانی کے چھپاکے مارتی چلی گئیں۔

"فائزہ...... فائزہ۔ کہاں ہو بیٹا۔" نسرین بیگم فائزہ کے کمرے میں آ کر پکارنے لگیں۔ پھر وہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے باتھ روم کے کھلے دروازے میں آ کھڑے ہوئے۔ فائزہ نے بھیگا چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"بیٹے کیا بات رو رہی تھیں؟"

"نہیں بس یوں ہی منہ دھو رہی تھی۔"

"کسی بات کو بھی دل پر نہ لینا۔ ناصر نے بھی کچھ غلط نہیں کہا۔ ناصر کیا سب ایک ہی بات کہتے ہیں۔"

"اچھا ایسا کرو کھانا لگ رہا ہے، جلدی سے باہر آ جاؤ۔"

وہ کہنا چاہتی تھی کہ اسے بھوک نہیں مگر کہہ نہیں پائی۔ وہ یہی سمجھتیں کہ فائزہ نے بہت گہرا اثر لیا ہے ناصر کی بات کا۔ سب کے ساتھ کھانا نہ کھا کر وہ ناصر کو احساس ندامت کا احساس نہیں دلانا چاہتی تھیں۔

"آپ چلیں میں آتی ہوں۔"

"کپڑے بدل کر آنا، کافی ہلکا رنگ ہے اور بھی......"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ نادانستگی میں زبان سے نکلنے والا تھا اور بھی بوڑھی لگتی ہو۔ انہوں نے بھیگے ہوئے کپڑوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کھانا تمہارے آنے پر شروع کیا جائے گا۔ او کے۔" وہ چلی گئیں۔

وہ حد درجہ سنجیدہ تھیں اور امی کو اسی قدر پیار تھا۔ بہت چاہتی تھیں فائزہ کو۔

وہ تھیں بھی آئیڈیل قسم کی ماں۔ جان چھڑکتی تھیں اس پر۔ اپنے غصے اور جھنجھلاہٹ پر قابو پا کر لباس بدلا اور ایک نظر اپنے حلیے پر ڈال کر ڈائننگ روم کی طرف چل دیں۔

☆......☆......☆

اس روز سب لوگ آصفہ بھابی کے یہاں ڈنر پر مدعو تھے۔ آصفہ کے بھائی کی پرموشن ہوئی تھی جس کی خوشی میں سب کی دعوت کی تھی لیکن فائزہ نے جانے سے انکار کر دیا۔ سب نے اپنے اپنے انداز سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ مقصد یہی تھا کہ اس گھر سے نکل کر دوسرے ماحول میں جائے تو بھی ایسی ہی باتیں سننے کو ملیں گی، بے چاری کی شادی نہیں ہو رہی۔ عمر نکل گئی وغیرہ وغیرہ۔ وہ ان باتوں سے بچنے لگی تھیں، لوگوں کی آنکھوں میں ترحم تھا وہ خود کو بہت حقیر سمجھنے لگی تھیں۔ کوئی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ پرپوزلز تو بہت آتے ہیں مگر ابا جان نہیں مانتے۔ ان کی منطق وہ ہی جانیں مگر ہر ایک سے تو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ لوگوں کو تو بہانہ ملنا چاہیے پھر تو اس گھر کا راستہ دیکھ لیتے ہیں۔ ہمدردی کے لبادے میں چھپے تیر چلاتے ہیں۔ گھر کے ماحول میں الگ سے کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں سے جتنا بھی بچا جائے اچھا ہے۔

مریم نے بھی اصرار کیا کہ چلیں اس طرح ایک ماحول سے نکل کر دوسرے ماحول میں جانے سے ان کے دل و دماغ پر خوشگوار اثرات پڑیں گے۔ تو کچھ دیر کے لیے دل سے بوجھ ہٹ جائے گا لیکن فائزہ کا ایک ہی جواب تھا۔

''نہیں، مجھے نہیں جانا۔ اور میرا جانا اتنا اہم بھی نہیں۔''

''مگر میں سمجھتی ہوں آپ کو جانا چاہیے۔''

''میرا دل نہیں چاہتا کہیں بھی جانے کو۔''

''جایا کریں۔ یوں خود کو گھر میں قید کر کے کونسا دنیا والوں سے بچ جائیں گی۔''

''بس میں گھر میں ہی ٹھیک ہوں۔'' ان کا ایک ہی جواب تھا۔

مریم ناراض ہو گئی اور وہ منہ پھلائے اٹھ کھڑی ہوئی۔

لیکن یہاں پر فائزہ پر اس کی ناراضی یا کسی سرزنش کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ پتھر کی طرح بے حس بنی سب کی باتیں سنتی رہتی تھیں۔

''آپ ایسی نہیں تھیں اپیا!''

وہ خاموش رہیں۔ اور مریم ایک نظر ان کے پژمردہ چہرے پر ڈال کر کمرے سے نکل آئی۔

گھر کے کسی فرد نے اصرار نہیں کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ کسی قیمت پر نہیں جائے گی۔

سب کے جانے کے بعد ہی چند منٹ بعد پھوپھو کا فون آ گیا، وہ آنا چاہ رہی تھیں۔

فائزہ کا دل چاہا ان کو آنے سے منع کر دے۔ بازار جانے کا بہانہ کر دے۔

اس کی تنہائی میں مخل نہ ہو لیکن پھر اس نے سوچا۔

ان سب باتوں سے کیا حاصل ہوگا؟

ان کی زندگی میں جو اندھیرے تھے۔ ان سے فرار اب ممکن نہیں تھا۔

وہ ریسیور تھامے چند سیکنڈ تک خاموش رہیں۔ پھر کہا۔

''سب لوگ بھابی کے گھر ڈنر پر گئے ہیں۔ میں ہی ہوں گھر پر، آپ آ جائیں۔''

''تم کیوں نہیں گئیں؟''

''بس دل نہیں چاہا۔''

''تمہیں جانا چاہیے تھا فائزہ۔ ملنے جلنے سے ذہنی الجھنیں کم ہو جاتی ہیں۔''

''جو کچھ سن چکی ہوں وہ ہی...... بہت ہے پھوپھو۔''

''دیکھو فائزہ میں صرف تمہاری پھوپھو ہی نہیں ہوں، ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ بھی ہے، کیا اس حیثیت سے ہم ایک دوسرے سے دل کی باتیں نہیں کر سکتے۔''

''جی کر سکتے ہیں پھوپھو۔''

''میں آ رہی ہوں۔ وہیں آ کر باتیں ہوں گی۔''

ندا پھوپھو نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ وہاں موجود تھیں۔

فائزہ نے ان کی خاطر مدارت کی اور پھر باتیں کرنے لگیں۔

''فائزہ تمہیں ڈنر پر جانا چاہیے تھا۔''

''نہیں میرا موڈ نہیں تھا۔''

''اور باقی سب لوگ بھی کچھ جلدی نہیں چلے گئے؟''

''جی ہاں جلدی ہی گئے ہیں۔ بھابی کی بہن کی منگنی کی رسم بھی ہے۔''

''سکندر بھائی بھی گئے ہیں؟''

''ابھی نہیں، ہاں ڈنر پر جائیں گے۔''

''اور تم کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں پھوپھو۔''

"ٹھیک نظر تو نہیں آ رہی۔" ندا پھوپھو نے کہا۔

اور فائزہ نے سوچا۔

"اگر ٹھیک نظر نہیں آئی تو یہ آپ کے بھائی کا ہی کمال ہے۔"

"آپ سے کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے، آپ سب جانتی ہیں پھوپھو۔"

"ہاں بیٹا۔ اب تک تو میں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی لیکن اب نہیں۔ دبے دبے لفظوں میں تو بہت کہا میں نے لیکن اب کھل کر بات کروں گی بھیا سے کہ کوئی فیصلہ کریں۔"

"فیصلہ کیسا؟" فائزہ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ میں نے ایک درخواست کی تھی۔ ان سے، اس کا کیا بنا۔"

"سب کچھ نیا تو نہیں ہے، آپ جانتی ہیں سب۔"

"ہاں، مگر میں تمہیں کوئی ایسا کردار نہیں بننے دوں گی کہ ساری زندگی پچھتاوؤں میں ہی گزر جائے، فائزہ بیٹا ابھی وقت گزرا نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے آپ بھول رہی ہیں۔ وہ وقت، حالات واقعات نہیں رہے جو کبھی تھے۔ سب آرزوئیں، امنگیں پانی کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔"

فائزہ کا لہجہ کھوکھلا اور مایوس تھا۔

"مطلب تم جس مقام پر ہو، وہیں کھڑی رہنا چاہتی ہو؟"

"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے پھوپھو۔"

"بیٹا آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت پیسہ ہے اور اس کے لیے بہت سی چیزیں، باتیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔ وجہ آج کل اچھے لڑکوں کا ملنا ہے، ورنہ جیسے دوغلے لوگ ہو چکے ہیں۔ ڈر ہی لگتا ہے بچی بیاہتے ہوئے۔"

ندا پھوپھو نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"جس پرپوزل کا میں نے بتایا ہے، اتنی دولت ہے اس کے پاس کہ سات نسلیں بھی کھائیں تو ختم نہیں ہوگی۔ بس ذرا سا ہی تو نقص ہے اس میں، اور میری نظر میں وہ اتنا اہم نہیں۔ دولت سب نقص چھپا لیتی ہے۔"

فائزہ نے سوالیہ نظروں سے پھوپھو کو دیکھا۔

"بس اس کی بیوی زندہ ہے، اولاد نہیں ہوئی اور عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ نوکر چاکر گاڑیاں، کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔"

فائزہ دنگ رہ گئیں۔ پھوپھو کیا کہہ رہی ہیں۔ شدید شاک لگا تھا فائزہ کو۔

وہ کہنا چاہتی تھیں آمنہ کے رشتے کے لیے آپ بھی تو پریشان ہیں۔ کیوں نہیں کر لیتیں، مگر مروت آڑے آ گئی۔ وہ منہ پھٹ نہیں تھیں ورنہ اچھا خاصا سنا ہی دیتیں۔

"اگر دوسری بیوی سے بھی اولاد نہ ہوئی تو تیسری اور پھر......؟"

"نہیں بیٹا۔ ہم پکے کام کر کے قدم اٹھائیں گے۔"

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور پوچھو۔"

"جب عورتیں لڑکیاں ہر طرح کے مردوں کے ساتھ گزارا کر سکتی ہیں، میرا مطلب ہے، اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ عمروں میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ کردار کے لحاظ سے اکثر مرد ایسے نہیں ہوتے کہ ان کے ساتھ گزارا کیا جا سکے لیکن پھر بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر بے چاری لڑکیاں انہیں برداشت کرتی ہیں۔ بعض اوقات مرد نکمے ہوتے ہیں، ظالم بھی ہوتے ہیں، لڑکیاں اور عورتیں ساری زیادتیاں، سارے ظلم سہہ سکتی ہیں اور مرد؟"

"بیٹا بہت شاکی ہو مردوں سے؟"

"میرے شاکی ہونے کی بات نہیں ہے، میں تو مجموعی طور پر عورتوں اور مردوں کی بات کر رہی ہوں۔"

"لیکن بیٹا میں تو تمہاری شادی کی بات کر رہی ہوں۔ اس پرپوزل کی جو تمہارے لیے لائی ہوں۔ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے، سوائے بیوی کے کوئی کمی نہیں ہے اس میں۔"

"اور یہ کمی بہت بڑی ہے اور سوتن کا ساتھ، کہتے ہیں سوتن تو مٹی کی بھی بری ہوتی ہے۔"

فائزہ نے مسکراتے ہوئے بڑی اچھی اور گہری بات کہی۔

"لیکن بیٹا میں جانتی ہوں تم کیسی ہو۔ تم سمجھوتہ کرنے والی ہو۔"

"یہاں مجھے آپ سے تھوڑا سا اختلاف ہے۔ ساری لڑکیاں اور عورتیں اتنی سمجھوتہ کرنے والی اور اس قدر برداشت کرنے والی نہیں ہوتیں جیسا کہ آپ سمجھ رہی ہیں۔ آپ کو اصل میں اندازہ ہی نہیں ہے کہ عورتیں جب بدزبانی اور کچھ چھیننے پر آتی ہیں تو ان کے کیا انداز ہوتے ہیں۔ کیا روپ ہوتے ہیں۔"

"سب کچھ ٹھیک ہے لیکن سمجھ نہیں رہی ہو۔" وہ جھنجھلا گئیں۔

''پھوپھو آپ ایک عورت ہیں۔سسرال،شوہر، بچے ہر دور سے گزری ہیں، کیا آپ
عورتوں کی فطرت سے واقف نہیں؟''

''میں تو ایک بات جانتی ہوں بیٹا اپنی سوچ مثبت رکھو، اپنے اندر برداشت کا مادہ پیدا کرو۔سب ٹھیک رہتا ہے۔ کہتے ہیں نازبان شیریں ملک گیریں۔اسی بات پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزر رہی ہے، بہت سے تجربے حاصل ہوئے زندگی سے جو عملی زندگی میں کام آئے اور آرہے ہیں اور ہوسکے تو تم بھی اپنے خیالات تبدیل کرو۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میری زندگی کا تجربہ ہی کتنا ہے۔''

''ہاں بیٹا اور ایسی عورتوں کی تعداد ہی کتنی ہوگی۔''

''جی بالکل۔'' فائزہ نے کہا۔

''ایک بات بتانا بھول گئی میں فائزہ۔''

''کیا......؟'' سوالیہ نظریں ان پر گڑھ گئیں۔

''اس کی بیوی بیمار رہتی ہے۔''

''مطلب جو بھی اس گھر میں آئے گی نوکرانی بن کر رہے گی۔'' فائزہ نے طنز سے کہا۔

''نوکرانی نہیں مہارانی۔'' ندا پھوپھو نے فوراً جواب دیا۔

''اور یہ تو عورت کے اختیار میں ہے مرد کو کیسے دیوانہ بناتی ہے۔اگر تم میں گن ہوئے تو اس کی چھٹی کرادوں گی۔''

''پہلی بات تو یہ میں اپنی بات نہیں کر رہی۔میرا فیصلہ میرے والدین کریں گے۔مجھے ان کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور آپ شاید موضوع سے ہٹنے کی کوشش کر رہی ہیں۔میں تو آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ جب لڑکیاں ہر طرح کے حالات میں گزارا کرسکتی ہیں تو مرد کیوں نہیں کرسکتے؟''

''تم تو بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔اپنی سوچوں میں کچھ تبدیلی لاؤ ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی اور زندگی بہت تلخ تجربہ ہے۔''

''میں نے کوئی نئی یا انوکھی بات تو نہیں کی۔جب ایک عورت، بیوہ، طلاق یافتہ یا بانجھ پن کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے تو مرد کیوں نہیں؟''

''یہ معاشرہ ہی مردوں کا ہے۔ان کی حاکمیت ہے جس سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔''

''مجھے آپ کی بات سے اتفاق نہیں۔''

ندا خاموش رہیں۔

''ماشاءاللہ آپ کے بچے ہیں جنہیں آپ کی توجہ اور پیار کی ضرورت ہے اور ایک بیوی کو بھی اپنے شوہر سے ان ہی باتوں کی توقع کرتی ہے۔''

ندا نے فائزہ کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔شاید بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی یا مصلحت کے تحت خاموش ہوگئیں۔

''اب میں چلتی ہوں پھر چکر لگاؤں گی۔''

''ارے نہیں پھوپھو کھانا کھا کر جانا۔بس کچھ دیر میں تیار ہو جائے گا۔''

''نہیں بیٹا پھر سہی۔کافی دیر ہوگئی اور یہ لوگ بھی جانے کب تک آئیں۔''

فائزہ نے بہت اصرار کیا لیکن وہ رکی نہیں اور پھر آنے کا کہہ کر چل دیں۔

ان کے جانے کے بعد فائزہ گہری سوچوں میں گھر گئی۔

☆......☆......☆



ندا پھوپھو کو آمنہ نظر نہیں آئی، چلی ہیں دوسروں کے گھر میں فساد ڈلوانے۔ اگر اتنا ہی اچھا پرپوزل ہے اور بقول ان کے بیوی کے علاوہ کوئی برائی نہیں تو آمنہ کے لیے بھی تو پریشان ہیں۔ کر دیں بسم اللہ۔''

مریم نے سنا تو آگ بگولہ ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایسا کیا کر ڈالیں۔ آئندہ پھوپھو ایسی باتیں کرنا بھول جائیں، وہ ادب و آداب سب بالائے طاق رکھ کر ان کی دشمن ہو رہی تھی۔ اگر آج وہ گھر پر ہوتی تو کھری کھری سناتی کہ ان کے چودہ طبق روشن ہو جاتے۔

''مریم بیٹا احترام کے ساتھ بات کرو، تمہاری پھوپھو ہیں۔ یہ تو ان کی عقل ہے، وہ کیا سوچتی ہے، اگر اتنی سمجھ دار ہوتی تو ایسا پرپوزل لانے سے پہلے ہی کینسل کر دیتی۔''

''امی جان ان کو سوچنا چاہیے۔ ہم آمنہ کی طرح ان کی بیٹیاں ہیں، اگر اس کے لیے انہیں مناسب نہیں لگا تو ہم کیا اتنے ہی گئے گزرے ہیں کہ جو کوڑا کرکٹ ملے اٹھائے ہمارے لیے لے آئیں۔''

''تم کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔ جب ہم نے کرنا ہی نہیں تو کیا بات بڑھانی۔''

''جبکہ وہ سب کچھ جانتی ہیں، سارے حالات سے واقف ہیں۔ پھر وہ ایسا سوچتی ہیں میرے خیال میں تو یہ بات کرنا کسی طور مناسب ہی نہیں تھا۔''

ہر انسان کے اپنے خیالات ہوتے ہیں ہم کسی کی سوچوں پر پابندی تو نہیں لگا سکتے۔''

''سب ٹھیک ہے، پر مجھے ان کی بات پر بہت غصہ آرہا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ میں گھر نہیں تھی۔''

''چلو جو ہوتا ہے اچھا ہی ہوتا ہے۔''

''تم سب لوگ کیسے پرسکون ہو جیسے کوئی بات ہی نہیں۔''

''ہاں واقعی ہی کوئی بات ہی نہیں، جب ہم نے ایسا رشتہ کرنا ہی نہیں تو کیوں سر کھپائیں۔'' آصفہ بھابی نے مسکرا کر کہا۔

''ہم نے نہیں، ابا جان نے۔ اپنے جملے کی تصحیح کر لیجئے پیاری بھابی۔'' دیا نے ابا جان پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

''ہم تو صرف تماشہ دیکھنے والوں میں سے ہیں، ڈگ ڈگی تو ابا جان کے ہاتھ میں ہے۔''

''اللہ رحم فرمائے تمہارے ابا کے خیالات پر، ان کے ارادوں کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ ہوا تک نہیں لگنے دیتے۔''

امی جان نے گہری سانس لی۔

''ہم تو اس اونٹ کی طرح ہیں جو پہلے سر گھساتا ہے پھر گردن اور پھر پورا دھڑ خیمہ میں گھسا کر بیٹھ جاتا ہے اور ہم ابھی ابا کے ارادوں میں سر کھپانے کے قابل نہیں ہوئے۔''

''دیا باز آجاؤ۔ بدتمیزی مت کرو۔'' نسرین بیگم نے دیا کو ڈانٹا اور وہ منہ بسور کر اٹھ گئی۔

فائزہ جو سب کچھ بہت دھیان سے سن رہی تھی، صرف مسکرانے پر اکتفا کیا پھر گویا ہوئی۔

''گھر کو جنت یا جہنم بنانا انسانوں کے اپنے اختیار کی بات ہوتی ہے اور اپنے بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکانا اولاد کا فرض ہوتا ہے۔ آئندہ کبھی قدم نہیں ڈگمگاتے۔''

فائزہ نے اپنے نایاب خیالات کا اظہار کیا تو سب ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ نسرین نے تاسف سے فائزہ کی طرف دیکھا اور گہری سانس لیتے ہوئے نماز کے لیے اٹھ گئیں۔

نہ جانے ندا پھوپھو نے بھائی کے کان میں کیا صور پھونکا تھا کہ سکندر راؤ نے فیصلہ سنا دیا تھا۔ گھر میں گویا قیامت آگئی تھی، اس سے پہلے کہ گھر میں کوئی ہنگامہ جاگ اٹھتا، فائزہ نے ابا کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ (مگر اندر سے وہ)

''اگر میری شادی میری مرضی کے خلاف ہو رہی ہے تو ایسی کون سی انوکھی بات ہو گئی ہے۔ مجھے تو کوئی پسند ہے ہی نہیں۔ پھر کوئی بھی آئے زندگی میں۔''

''یہ غلط ہے فائزہ تم انکار کر دو۔'' آصفہ بھابی نے کہا۔

سب کو ہی ابا کے فیصلے سے اختلاف تھا۔ اقبال اور مصطفیٰ تو لڑ مرنے کو تیار تھے لیکن فائزہ نے دونوں بھائیوں کو سمجھایا مگر وہ فائزہ کی بات سے متفق نہیں تھے۔ ان کے ذہن کچھ اور ہی سوچ رہے تھے، کوئی اور ہی تانا بانا بن رہے تھے۔

کافی کے مگ سے نکلتی ہوئی بھاپ پہ نگاہیں جمائے فائزہ گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ نسرین کرسی کی پشت سے سر ٹکیے فائزہ کے چہرے کو تک رہی تھیں۔

''میری عقل کام نہیں کر رہی فائزہ۔'' نسرین نے کہا۔

فائزہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ گرم گرم چائے کا گھونٹ لے کر سامنے والی دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھنے لگیں۔

نسرین کو فائزہ کی خاموشی سے وحشت ہو رہی تھی۔

''میرا خیال تھا تم بہت سمجھدار ہو۔'' انہوں نے کہا۔

''سمجھدار ہوں جبھی تو فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ بغیر سوچے سمجھے ابا کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ ورنہ ان کی مرضی کے خلاف ہی جواب ملتا۔''

''تم نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے اسے تم آسان مت سمجھو۔''

''میں جانتی ہوں، میں نے ایک دشوار گزار راستے کا انتخاب کیا ہے۔''

''مجھے اندیشہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو تم تھوڑی دور چل کر...... تھک جاؤ۔''

''اگر تھک بھی گئی تو ٹھہروں گی نہیں۔ آگے ہی بڑھتی رہوں گی۔''

''سوچ لو، واپس پلٹنے کا ارادہ کیا تو راستہ نہیں ملے گا۔''

''میری طرح جو لوگ والدین کے فیصلوں پر سر جھکاتے ہیں، ان کے لیے واپسی کے سارے دروازے اور سارے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''تم خود اپنے ہاتھوں اپنی زندگی تباہ کرنے جا رہی ہو۔''

''نہیں، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ زندگی تباہ ہی ہو۔'' فائزہ نے مطمئن سے انداز سے کہا۔

پھر کچھ سوچ کر کہا۔

''ویسے تو ہر لڑکی کے لیے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شادی اس کے لیے ایک جوا ہے، کچھ پتا نہیں کون لڑکی اس جوے میں جیتے گی اور کون ہارے گی۔''

''لیکن میں چاہتی ہوں تم ہمارا ساتھ دو۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''ہمارا مقدمہ مضبوط ہو جائے گا اور ہم تب ہی ان کی عدالت میں سر اٹھا کر سرخرو ہوں گے جب تم اپنا مقدمہ ہمارے ہاتھ میں دے دو۔''

''کیا آپ ابا جان کے مزاج اور طبیعت کو بھول گئی ہیں؟''

''نہیں بیٹا، لیکن ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے تم اس حق سے محروم مت کرو ہمیں۔''

''جس کھیل میں ہار کا پہلے ہی یقین ہو تو اس کو کھیلنا ہی نہیں چاہیے۔ اپنی ہار بنا مقابلہ کیے تسلیم کر لینی چاہیے جیسے میں نے ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔''

''غلط کیا ہے تم نے۔''

''شاید، لیکن میں نے ان کا مان رکھا ہے۔ ان کا بھروسہ ٹوٹنے نہیں دیا اور آپ لوگ پلیز مجھے ان کے سامنے کھڑا مت کریں۔''

فائزہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے، آنکھیں پونچھتے ہوئے اتنا بولیں۔

''کچھ باتوں کے لیے ہم مجبور ہوتے ہیں امی جان اور کچھ کے لیے نہیں ہوتے۔ رشتوں کا فیصلہ آسمانوں پر ہوتا ہے، اگر خدا نے میرا اور اس شخص کے درمیان اس طرح کا کوئی رشتہ قائم ہونا ہماری قسمت میں لکھ دیا ہے تو میں اس کے لیے مجبور ہوں لیکن......'' وہ ایک سیکنڈ کے لیے رک کر گویا ہوئیں۔

''لیکن اس رشتے کا فائدہ اٹھا کر میں انہیں کوئی دکھ، کوئی تکلیف پہنچاؤں۔ ان کے ساتھ کوئی زیادتی کروں یا انہیں اور ان کی بیوی کو کسی حق سے محروم کروں یہ سراسر زیادتی ہوگی۔ ظلم ہے اس زیادتی اور ظلم پر تو میں گناہ گار ٹھہروں گی۔''

''سراسر زیادتی کر رہی ہو فائزہ اپیا۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے زمانہ ایسے لوگوں کو کس طرح مغلوب کرتا ہے، اتنی نرمی اور عاجزی سے کام مت لو ورنہ پس کر رہ جاؤ گی۔'' دیا جو امی جان کو بلانے آئی تھی فائزہ کی بات سن کر خود کو درمیان میں بولنے سے روک نہیں پائی۔

''ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ آخر اوپر خدا بھی تو ہے، انصاف کرنے کیلئے۔ کیا اپنے بندوں کی نیتوں کا حال معلوم نہیں ہوتا۔''

''وقت ابھی آپ کے ہاتھ میں ہے اپیا۔ جو چاہیں منوا سکتی ہیں۔''

''دیا خاموش ہو جاؤ میری اور تمہاری سوچ جدا جدا ہیں۔ میں تو ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتی، اگر ان کے ہاں اولاد نہیں ہے یا ان دونوں کے درمیان محبت نہیں ہے نہ سہی، ذہنی

رفاقت نہیں ہے نہ سہی، لیکن اس کا سبب میں نہیں ہوں۔ یہ سب کچھ پہلے سے ہے۔ میں ان سب باتوں کے لیے قصوروار نہیں ہوں۔" فائزہ نے ٹھنڈی چائے کا آخری گھونٹ لیا اور کہا۔

"لیکن اس شخص سے اس عورت کا نام جڑا ہوا ہے، مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اسے اس نام سے محروم کروں؟ اس کے بجائے میں یہ کوشش کیوں نہ کروں کہ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی ہے تو اسے دور کیوں نہ کروں۔ دونوں کو ایک دوسرے کے لیے سوچنے کی راہ کیوں نہ دکھاؤں؟"

"مطلب یہ کہ تم خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہی ہو۔" نسرین بیگم نے زچ ہو کر کہا۔

"اب چاہے کوئی کچھ بھی کہے میں کسی کا ایسا مشورہ قبول نہیں کر سکتی جس کی وجہ سے مجھے کسی کے ساتھ زیادتی کرنا پڑے۔"

"یا خدا میں تو ان لمحوں کو سوچتی ہوں جب ندا نے اس رشتے کا ذکر مجھ سے پہلے اپنے بھائی سے کیا تھا اور نہ صرف کیا تھا بلکہ ہاں بھی کروالی۔" نسرین بیگم نے پریشان ہو کر سر تھام لیا۔

وہ دُکھ کے گہرے سمندر میں اُتر گئی تھیں۔ ان کی پیاری بیٹی باپ کی خاطر ان کی زبان کی پاسداری، اونچے شملے اور عزت قائم رکھنے کے لیے خود کو ایک عذاب میں بلاخوف وخطر جھونکنے کے لیے تیار تھی اور اب کسی کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے ایک کپ اور ہو جائے چائے کا۔" فائزہ کے ہونٹوں پر بڑی زہرخند مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ کہ نسرین اور دیا کے وجود کے آر پار ہو گئی۔ وہ دونوں زخمی روح کے ساتھ فائزہ کو تک رہی تھیں۔ اس مقام پر وہ خود کو بہت بے بس و مجبور محسوس کر رہی تھیں۔ کاش فائزہ کی عقل میں ان کی بات آجاتی۔

"تم ایک بار پھر اپنے فیصلے پر غور کرو، کہیں ایسا نہ ہو تمہیں پچھتانا پڑے؟" نسرین نے کہا۔

"یہ پچھتاوے اگر میری قسمت میں لکھے ہیں تو نہ میں کچھ کر سکتی ہوں، نہ آپ لوگ کچھ کر سکتے ہیں؟"

"کیا قسمت، قسمت کی رٹ لگا رکھی ہے؟ خود اپنے ہاتھوں اپنی قسمت کو بگاڑ دو اور پھر کہو کہ قسمت میں یہی لکھا تھا۔" نسرین بیگم نے جھلا کر کہا۔

"تو اس میں اتنا چڑنے والی کون سی بات ہے۔ سب قسمت کی باتیں ہیں، اس روز سے کیوں نہیں ہوا، کتنے اچھے اچھے پرپوزلز آئے ابا جان رد کرتے گئے، اس لیے کہ قسمت اس شخص کے

ساتھ لکھی تھی۔"

"اور تمہاری پھوپھو کو اتنے بڑے شہر میں کوئی اور نظر نہیں آیا، اس سے تو بہتر تھا وہ خاموش بیٹھی رہتیں، پر وہ ندا ہی کیا، منہ کی میٹھی ہے اندر سے کھوٹی۔ شروع دن سے اپنا دشمن ہی سمجھا اور اب یہ دشمنی میری بیٹی کے نصیب پھوڑ کر نکال لی۔ دل ٹھنڈا ہو گیا اب تو اس کا۔"

نسرین بیگم کی آنکھیں برسنے لگیں، کیسی آگ لگی تھی ان کے گھر میں اور اس کی ذمے دار ندا تھیں۔

"آپ سب یوں ہی پریشان ہو رہے ہیں ہو سکتا ہے یہ شخص بہتر ہو میرے حق میں۔"

"تو میں ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں اپیا؟"

"بولو۔"

"ہمیں ان کے سامنے شرط رکھنی چاہیے، اس سے ہی اندازہ ہو جائے گا آئندہ زندگی میں کتنا ساتھ دے گا وہ شخص۔" دیا نے بہت خلوص سے بہن کو مشورہ دیا۔

"یہ شرط کون رکھے گا؟"

"ہم لوگ۔" دیا نے گڑبڑا کر کہا۔

"یہ رشتہ تم لوگوں نے کیا ہے؟"

"نہیں۔" دیا نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تو یہ شرط ابا کی مرضی کے بغیر کیسے رکھ سکتے ہو تم لوگ۔"

"آپ کی بات ٹھیک ہے، میں جو کہنا چاہ رہی ہوں وہ تو سن لیں۔"

"کہو۔"

"بقول اس شخص کے جب پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی، وہ بیمار ہے اب وجہ چاہے کچھ بھی ہو، ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے، طبیعتوں اور مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے وغیرہ وغیرہ۔"

دیا نے کچھ چڑے ہوئے انداز سے کہتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آگے بولو خاموش کیوں ہو گئیں۔"

"میرا مطلب ہے دوسری شادی کرنے سے پہلے پہلی بیوی کو چھوڑ دینا چاہیے۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے دیا۔" فائزہ نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اگر آپ کی جگہ میں یا کوئی بھی لڑکی ہوتی تو یہی شرط رکھتی۔ بلکہ میں سمجھتی ہوں ان حالات میں یہ شرط ضرور رکھتی۔"

"جو ہونا ہے ہو کر رہے گا اور ہونے والے واقعات کو کون روک سکتا ہے، جو ہو رہا ہے اس کو ہونے دیں پلیز۔" فائزہ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

دیا اور امی جان مزید کچھ کہے کمرے سے نکل آئیں اور فائزہ نے بیڈ پر بیٹھ کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ کیا کرتیں وہ بھی مجبور ہو گئی تھیں۔ ابا جان کا سر جھکا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسی لیے گھر بھر کی مخالفت مول لے کر ابا کے فیصلے پر ڈٹ گئیں۔ اب جو بھی ہو وہ ہی ہونا تھا جو ابا نے فائزہ کے لیے کیا تھا۔

"میرا خیال ہے میں نے تو بھول کر بھی ایسی احمقانہ خواہش کا اظہار کبھی تم سے نہیں کیا ندا۔ آخر تم نے یہ کارنامہ دکھانے میں اتنی ہوشیاری سے کیوں کام لیا۔ کیا تم اپنے بھائی کی عادت سے واقف نہ تھی۔" نسرین کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ کچھ دیر کے لیے تو وہ بول ہی نہیں پائیں۔

"میں نے ہرگز کسی ہوشیاری سے کام نہیں لیا، ایک اچھا معقول رشتہ لے کر آئی اور الٹا مجھے الزام دیئے جا رہے ہیں، نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔"

"بہت معذرت کے ساتھ ندا۔ آمنہ بھی تو گھر میں موجود ہے، اس کے لیے تم بھی پریشان ہو تو پھر خود کیوں نہیں کر لیا، ہماری گردن پر ہی کیوں چھری پھیرنے چلی آئیں۔ ہم تو پہلے ہی عذاب میں پھنسے ہیں، یہ کیوں بھول گئی ہو تم۔"

"میں نے تو بھلائی کا سوچا تھا بھابی مگر آپ نے تو مجھے قصوروار ٹھہرا دیا۔ لیکن میری نیکی کسی کو نظر نہیں آئی۔"

"یہ نیکی اپنے گھر سے شروع کرتی ندا، اس کے بعد کسی اور کی طرف دیکھتی۔"

"بس غلطی ہو گئی۔" ندا نے طنزیہ کہا۔

تمہاری یہ غلطی ہمارے لیے کسی سزا سے کم نہیں، کیسے جیتے جی آگ میں جھونک دیں، لیکن بہن بھائیوں نے جو کھیل کھیلا ہے اسے برداشت کرنا ہمارے بس میں نہیں، ہم اس کی سکت نہیں رکھتے ندا۔"

وہ رو دیں۔ بے بسی کی آخری حدوں پر کھڑی تھیں۔ کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

"اگر کچھ کر سکتی ہو تو اس رشتے کو ختم کرا دو۔ یہ تمہارا احسان ہو گا مجھ پر۔"

"بھابی یہ بات نہیں، اب بھیا سے کون بات کرے۔ آپ بھی جانتی ہیں ایک بار ان کے منہ سے نکلی ہاں نہ میں نہیں بدل سکتی۔"

"تم بات کروا اپنے بھائی سے ندا پلیز۔"

"ٹھیک میں کرتی ہوں۔ ویسے آپ لوگوں نے بات کی ان سے؟"

"نہیں ابھی نہیں۔ اس بات کا موقع نہیں دیا انہوں نے بس حکم سنایا تھا اور اس کے بعد کاروبار کے سلسلے میں شہر سے باہر ہیں، شاید آج واپسی ہو۔ پھر بات کریں گے ہم لوگ۔"

"میں بات کرتی ہوں بھائی سے۔ آپ لوگ ابھی خاموش رہیں اتنی جلدی کاہے کی ہے۔ اتنا ہلکان ہونے کی کیا ضرورت ہے اور پھر وہ مجھ سے مشورہ کر کے ہی ڈیٹ فائنل کریں گے۔ ویسے بھی یہ تقدیر کی بات ہوتی ہے۔"

"ندا شاید تمہارے علم میں نہیں ہے، یا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارے علم میں نہ ہو۔ ایک ماہ کے بعد کی ڈیٹ فائنل کی ہے شادی کی اور ابھی تم کہہ رہی ہو اتنی جلدی کی کیا بات ہے۔"

ندا کے چہرے پر کئی سائے آئے اور آکر گزرتے چلے گئے۔ ریسیور ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ خاموشی سے ریسیور کو تک رہی تھیں۔

"شاید آپ کو یقین نہ آئے بھابی۔ واقعی ہی میرے علم میں نہیں ہے یہ بات۔"

ندا سچ کہہ رہی تھیں۔ اس بات سے بے خبر تھیں وہ، کب سکندر بھائی نے شادی کی ڈیٹ فکس کر دی۔

"ندا ہر ماں یہ چاہتی ہے اس کی بیٹی اچھے گھر میں جائے اور عیش وعشرت سے زندگی گزارے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ گئے گزرے رشتے ہی رہ جائیں اس کیلئے۔"

ایک بار پھر ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ رو دیں وہ۔

"تم بھی ماں ہو تمہاری بھی بیٹی ہے، اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو تو کلیجہ منہ کو آ جائے اور پھر میری فائزہ میں کوئی کمی بھی تو نہیں ہے کہ ایسے رشتے آئیں اس کیلئے۔"

وہ بلک پڑیں۔ وہ دکھ سے دہری ہو رہی تھیں۔ ندا نے کیا کہا، کیا نہیں انہوں نے سنا ہی نہیں۔ وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر دوپٹہ منہ پر رکھ کر رونے لگی تھیں، ان کا دل چھلنی ہوا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

"امی جان آپ رونا چھوڑ دیں، ابا جان کو گھر تو آنے دیں۔ میں اور مصطفیٰ بات کریں گے ان سے اور ہر ممکن قائل کرنے کی کوشش بھی۔ اگر وہ ہماری بات نہیں مانے تو کوئی اور ترکیب نکال لیں گے لیکن فائزہ کی شادی اس شخص سے نہیں ہونے دیں گے۔ جس روز سے ابا نے اپنا فیصلہ سنایا ہے۔ اسی دن سے ہم اس کی جانچ پڑتال میں لگے ہیں، کچھ معلومات ملی ہیں ہمیں، بس ثبوت

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

i. Open Paksociety Page.
ii.Click Liked.
iii.Select Get Notifications.
iv.Select See First.
All Done

Liked ▾ | Message | •••
✓ Get Notifications
Add to Interest Lists...
Unlike
IN YOUR NEWS FEED
✓ See First
See new posts at the top of News Feed
Default
See posts as usual
Unfollow

حاصل کرلیں پھراس رشتے کو ختم کرانا ہمارا کام ہے۔"

اقبال نے ماں کو بازوؤں کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا اور ان کی آنکھیں صاف کیں۔

"دو جوان بیٹوں کی ماں ہیں آپ، فکر کیوں کرتی ہیں وہ ہی ہوگا جو ہم چاہتے ہیں اور باتوں کو وہ بے شک نہ مانیں مگر یہ بات ماننی پڑے گی ہماری۔"

"جیتے رہو بیٹا۔ بس اس شخص سے فائزہ کی شادی نہیں کرنی مجھے۔"

"ایسا ہی ہوگا جیسا آپ چاہتی ہیں امی جان۔"

"ہمارے لیے یہ بات قابل اعتراض ہے کہ یہ رشتہ ہماری فائزہ کے قابل نہیں اور اسے ختم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی ہمیں۔"

آصفہ نے چائے کی ٹرے سنٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس معاملے میں آصفہ اپنی ساس نندوں کے ساتھ تھیں۔ فائزہ اپنی بہنوں کی طرح عزیز تھی، وہ اپنی نندوں کو اپنی بہنوں کی طرح چاہتی تھیں، تو وہ کیسے ان کے ساتھ کوئی زیادتی یا ظلم ہونے دیتی۔"

"میں اکثر سوچتی ہوں، آپ کا گھر خاندان کے دوسرے گھروں سے مختلف لگتا ہے، پہلے دن سے ہی کچھ عجیب سا لگا۔ آپ اور ابا کس دنیا کی مخلوق ہیں۔ میں نے کبھی بھی آپ دونوں کو پیار محبت سے ایک دوسرے سے بات کرتے نہیں دیکھا۔ خوش و خرم چاق و چوبند دونوں اپنی اپنی جگہ الجھنوں اور سوچوں میں ڈوبے ہوئے۔ صرف ضرورتاً بات کی جائے، یہ تو کوئی زندگی نہیں ہوئی۔"

آصفہ نے دکھ سے کہتے ہوئے آج اپنے دل کی بات کردی۔

شروع میں آصفہ کو سب بہت عجیب وغریب لگتا تھا۔ لیکن اس نے خود کو ایڈجسٹ کرلیا، اس کی سب سے بڑی وجہ ساس نندوں کا پیار بھرا ماحول تھا جو انہوں نے آصفہ کو دیا اور وہ ہی مقام دیا جو تینوں بیٹیوں کا تھا اور آصفہ نے بھی محبت کا جواب پیار وخلوص کے ساتھ بھرپور طریقے سے دیا۔

وہ تلخ سی مسکراہٹ سے بولیں۔

"بس بیٹا۔ اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے، اب تو تم سب کچھ جان گئی ہو۔ کیا بتاؤں، کچھ رہا ہی نہیں بتانے کو۔"

"مگر امی جان اس کی وجہ......؟"

"بیٹا افسانوی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں مگر حقیقت سے بہت دور، حقیقت بہت کڑوی ہوتی ہے شاید میرے نصیب ہی ایسے لکھے تھے کہ سسک سسک کر زندگی جینا ہے، سو جینے کا فرض ادا کررہی ہوں۔"

"مگر کوئی حقیقت.....؟"

"حقیقتیں بہت کڑوی ہوتی ہیں دلہن، خوش گوار یا ناخوشگوار حالات سے زندگی کا مزاج بدلنے لگتا ہے لیکن اصل چیز آپس کا اعتماد ہوتی ہے لیکن سکندر کو پہلے دن سے اپنے فیصلے منوانے کی عادت ہے اور میں نے بھی ان کے حکم پر سر جھکایا ہے، میں یہ سمجھتی ہوں کہ زندگی کے طویل شب و روز گزارنا اتنا سہل نہیں ہے۔"

"مگر یہ تو بہت غلط ہے اور اس طرح زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے؟" آصفہ نے دل کی بات کہی۔

"زندگی یوں بھی تو سہل نہیں ہے گھر تو آباد رکھنا ہی ہے۔"

نسرین بیگم نے ٹھنڈی گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں ساس بہو کے درمیاں؟" اقبال جو کسی دوست کی کال سننے اُٹھ گئے تھے چند منٹ بعد واپس آئے اور ان کو محو گفتگو دیکھ کر پوچھا۔

"آج کل تو ایک ہی موضوع گفتگو ہے جس سے چھٹکارا یا نجات ممکن نہیں۔"

"امی جان آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ۔"

اقبال کے حوصلہ دلانے پر دل کو ایک امید سی بندھ گئی، ورنہ ان اندھیروں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔

"آپ لوگ باتیں کریں میں کچن میں جا رہی ہوں۔ دیا لگی ہوئی ہے، دیکھوں کیا کر رہی ہے۔"

"ہاں بیٹا جاؤ۔ فائزہ کے کمرے میں بھی جھانکتی جانا کیا کر رہی ہے وہ۔"

"جی امی ضرور۔"

آصفہ ان کو کہتی ہوئی پہلے فائزہ کے کمرے کی طرف گئی تو وہ سوئی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ کچن میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

وہ رات کی فلائٹ سے گھر پہنچے تو نسرین بیگم شوہر کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔

انہوں نے آنے سے پہلے اطلاع کر دی تھی اور ڈرائیور ان کو پک کرنے کے لیے ایئرپورٹ چلا گیا تھا اور نسرین کے سوا کسی سے ان کا سامنا نہ ہوا۔ گھر آتے ہی لباس بدلا اور بستر پر ڈھیر ہو گئے۔ وہ نیند کی آغوش میں جا رہے تھے کہ فون کی گھنٹی پر نیند ٹوٹ گئی۔

"ہیلو سکندر بھائی!"

"اوہ ندا۔ کیسی ہو بیٹا؟"

ان کے لہجے سے شہد ٹپک رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

"بس تھکن زیادہ ہو گئی ہے۔"

"اپنا خیال رکھا کریں۔"

"بس گزر رہی ہے زندگی بیٹا۔ ماں رہی نہ باپ تو خیال کون رکھے گا۔"

"ہاں بھیا ماں باپ کے الگ ہی لاڈ چونچلے ہوتے ہیں۔"

والدین کے ذکر پر ندا کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ندا گویا ہوئی۔

"آپ کب آئے بھیا؟"

"بس کوئی آدھ پون گھنٹہ ہو گیا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے ابھی آپ آرام کریں۔ صبح ملنا چاہتی ہوں۔ آپ آفس جاتے ہوئے یا درمیان میں جیسے آسانی ہو مجھ سے مل کر جائیے گا۔ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں جو آپ کے گھر پر نہیں ہو سکتیں۔"

"خیریت؟ ابھی کہو۔"

"ہاں خیریت ہے۔ بس صبح آ جائیے گا۔ اب آپ آرام کریں۔"

"ٹھیک میں صبح آ جاؤں گا۔ اللہ حافظ۔" انہوں نے کہا۔

ندا نے بھی ان کو خدا حافظ کرتے ہوئے فون رکھ دیا۔

☆......☆......☆

"میں تو کہتی ہوں بھیا آپ فائزہ کے رشتے سے ان لوگوں سے معذرت کر لیں۔ اس طرح بھابی بچوں کا دل بھی میری سے ہلکا ہو جائے گا، بہت دل میلا ہو گیا ہے ان کا۔"

"کسی نے کچھ کہا ندا بیٹا؟"

"کوئی ایسا ویسا، یہاں تک کہ میری آمنہ تک کو کوسنے دیئے گئے اور یہ کہا گیا آمنہ نظر نہیں آئی۔ بس آپ کے منہ کو چپ ہوں ورنہ جواب تو مجھے بھی بہت دینے آتے ہیں۔"

ندا رو دیں اور سکندر راؤ بہن کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھ سکے۔

"اگر آپ انکار نہیں کریں گے تو میں معذرت کر لوں گی بھیا، مگر آپ فائزہ کی شادی اس جگہ نہ کریں۔"

"کیوں، کیوں نہ کروں؟"

"اس لیے کہ سب الزام میرے سر آ رہے ہیں۔"

"تم جانتی ہو ندا کہ میرے فیصلوں میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہوتی اور نہ ہی میں اپنے فیصلوں میں کسی کو دخل اندازی کی اجازت دیتا ہوں، وہ لوگ بھول گئے ہیں؟"

"سب جانتی ہوں بھیا لیکن آپ ایک بار میرے کہنے پر عمل تو کریں مانا کہ کوئی کمی نہیں ہے مگر بھابی بچوں کو بہت نقص نظر آ رہے ہیں۔"

"یہ میرے مزاج کے خلاف ہے کہ ہاں کرنے کے بعد نہ کروں، اسی تاریخ پر اسی شخص سے فائزہ کی شادی ہو گی۔"

"آپ کا فیصلہ اپنی جگہ مگر......"

"بھلا کب سے وہ لوگ میرے معاملات میں دخل دینے لگے۔ اتنی اہمیت ہی کب دی ہے ان کو، اب یہ میری عزت اور غیرت کا سوال ہے۔ دیکھتا ہوں کون انحراف کرتا ہے میری بات سے۔"

وہ غصے سے بے قابو ہو کر برسنے لگے تھے۔

"اور اب ایک فیصلہ اور کرتا ہوں۔ بتا دوں گا سب کو۔ آمنہ کی شادی مصطفیٰ سے ہو گی۔ آمنہ مصطفیٰ کی دلہن بن کر جائے گی میرے گھر میں۔"

سکندر راؤ اپنے الفاظ پر زور دے کر بولے۔

ندا تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ یہ تو ان کی دیرینہ خواہش تھی وہ تو کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھیں لیکن اللہ نے بہت جلدی سن لی۔ دلی آرزو پوری ہو گئی۔ انہوں نے کانپتی ہوئی آواز میں بھائی سے پوچھا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں بھیا؟"

"تمہیں میری بات پر یقین نہیں بیٹا۔" انہوں نے ندا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے

پوچھا۔

''یقین ہے۔بس میں خود بے یقینی کی کیفیت میں ہوں۔کیا بھابی ایسا پسند کریں گی؟''

''آصفہ میری پسند سے اقبال کی دلہن بن کر آئی ہے جبکہ نسرین رضا مند نہیں تھی لیکن ہوا وہ ہی جو میں نے چاہا تھا۔''

دیکھ لیں بھیا کل کو آمنہ کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

''وہ اپنے ماموں کے گھر جائے گی۔بھانجی ہے میری اور مصطفیٰ کی ہونے والی دلہن۔''

''پھر ہلکی پھلکی رسم ادا کر دی جائے؟''

آمنہ فائزہ کے قصے کو بھول کر آمنہ کے مستقبل کے لیے پریشان ہوگئیں۔وہ آمنہ کا مستقبل محفوظ ہاتھوں میں دیکھ رہی تھیں۔جن کی بیٹیاں اچھے گھروں میں بیاہی جائیں ان ماؤں کو تو دنیا میں ہی جنت مل جاتی ہے۔

''مصطفیٰ اچھا لڑکا ہے۔انہیں پسند بھی ہے، وہ اسے اپنی آمنہ کے لیے بہت پسند کرتی تھیں۔وہ آمنہ کی صحیح قدر کرے گا، بھیا کے ہوتے ہوئے گھر کا کوئی فرد ٹیڑھی نظر سے بھی نہیں دیکھ سکتا آمنہ کو۔''

سکندر راؤ نے ذرا بھی سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھی اور فیصلہ کر دیا۔

''بس ندا بیٹا اب اجازت۔دل جلانے والی باتوں پر مٹی ڈالو اور اپنا دل برا نہ کرو۔ابھی تمہارا بھائی زندہ ہے، کسی کی مجال کیسے ہوئی کہ تم پر انگلی اٹھائے۔تمہارے خلاف کوئی بات کرے کسی میں یہ ہمت نہیں اور نہ ہی میں اجازت دوں گا کوئی ایسا کرے بس تم اپنا دل میلا نہ کرو۔ ہر بات دل سے نکال دو۔''

''جیسے آپ کا حکم بھیا۔''

''اب چلتا ہوں۔شام کو فون پر بات کروں گا یا تمہیں گھر بلا لوں گا۔''

''جو آپ مناسب سمجھیں۔''وہ ندا کو اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے گھر سے نکل آئے۔ان کا ذہن مختلف تانوں بانوں میں الجھ گیا تھا۔

سکندر راؤ نے آفس سے آکر ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا کہ ندا کی بے عزتی کی گئی ہے۔وہ آگ بگولہ ہو رہے تھے۔

''آئندہ ندا کے بارے میں ایک لفظ نہ سنوں میں۔ایک تو بھلائی کر رہی تھی مگر تم لوگوں نے یوں کر دیا جانے کیا قیامت آگئی ہو۔رشتہ ہی بتایا تھا نہ تو کیا فرق پڑتا۔اگر ہاں نہ

کرتے تو ندا زبردستی رضامندی دے دیتیں، کیوں بھول گئے تھے اس بات کو یہ گھر ندا کے بھائی کا ہے۔''

ان کی گھن گرج والی آواز سے پورا گھر گونج اٹھا۔سب دم سادھے بیٹھے تھے۔ان کے سامنے کس کی مجال تھی پر مارنے کی۔سب وہ ہی ٹھیک تھا جو وہ کہہ رہے تھے۔ہمیشہ سے یہ ہی ہوتا آیا تھا۔سکندر راؤ اپنی مرضی ہی کرتے تھے اور کسی دوسرے کو تو مشورے کے قابل بھی نہ سمجھتے تھے۔

وہ برس کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔

نسرین بیگم نے بھیگی بھیگی آنکھوں کے گوشے پونچھے اور دل سے آہ نکلی۔

''ندا اپنے بھائی کی عادات سے واقف تھی پھر اس نے ایسی حرکت کی کہ جھگڑا کرا کے دم لیا۔کیا ملا اس کے بھائی کو بھڑکا کے۔''

وہ سوچتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور کچن کی طرف چل پڑی۔شوہر کے لیے چائے پانی کے بندوبست کیلئے۔

سب نے خاموشی سے ابا کی باتیں سن لیں اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا، ایک ایک سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔

فائزہ کا ذہن پریشان تھا۔رات ہونے والے حالات سے، کچھ دن تک حالات اتنے خراب نہیں ہوئے تھے۔کاش یہ اطلاع انہیں بہت پہلے مل گئی ہوتی کہ ظالم مرد کے فیصلے کو قبول کرنے کے لیے خون کے گھونٹ پینے پڑیں گے۔

خود سے منوانے کے لیے اور ابا کا فیصلہ قبول کرنے کے لیے خود پر جبر کرنا پڑ رہا تھا۔

ان کا دل چاہا وہ ابا کے پاس جائیں اور ان سے سوال کریں۔

''ابا میرا کیا قصور تھا کہ میں آپ کے گھر پیدا ہوئی۔کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہو جو غیروں جیسا سلوک کر رہے ہیں۔میری خاموشی، وفاشعاری نے بھی آپ کے پتھر دل کو موم نہیں کیا۔میں اپنے ساتھ کی گئی ظلم کی کہانی کسی کو نہیں سناؤں گی۔''

فائزہ نے وہی کچھ کرنا تھا جو ابا چاہتے تھے۔شدید دکھ کے احساس کے ساتھ ایک اطمینان بھی ان کے دل میں اتر آیا۔''ابا خوش رہیں گے کوئی خوشی تو دے سکوں گی ابا کو۔''

بعض فیصلے انسان کے سینے پر بھاری پتھر کی طرح ہو جاتے ہیں۔ایک عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ بھی ایک ایسا ہی بھاری پتھر تھا جو فائزہ نے اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔وہ رات قیامت کی رات تھی، فائزہ کا دل بوند بوند خون کے آنسو رو رہا تھا۔وہ خود سے سوال کرتی۔

''کیا تم ایک دوسری عورت جو کہ تمہاری سوتن ہے اس کے ساتھ گزارا کرلو گی۔''

''رہ پاؤ گی اس کے ساتھ؟''

''ہاں جیسے بھی ہو مجھے رہنا پڑے گا۔''

اس رات گزرتے ہر لمحے میں فائزہ نے گزری ہوئی ایک ایک بات کو یاد کیا۔

صبح ہونے تک اپنے فیصلے پر ایک بار پھر قائم رہنے کی مہر لگا چکی تھیں اور جس وقت فجر کی اذان ہوئی فائزہ وضو کے لیے اٹھ گئی۔ پھر نماز ادا کی۔ بہت دیر تک دعا مانگی۔''

''اے اللہ مجھے ہمت عطا فرما۔''

پھر وہ اپنے بستر پر جا لیٹیں۔ ساری رات کی جاگی ہوئی تھیں یا دل دماغ ہی ہلکا ہو گیا تھا، اس کی پلکیں خود بخود مندنے لگیں۔ آس پاس ہی جیسے کسی نے سرگوشی کی۔

''فائزہ بیٹا تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔''

اور فائزہ نے مسکرا کر آنکھوں میں اترتی نیند کو خوش آمدید کہا۔

ننھی ننھی بوندیں کھڑکی پر گریں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ چاند بادلوں کی اوٹ میں تھا اور بوندیں برس رہی تھیں۔ وہ چند لمحے ان کی بارش کی ٹپ ٹپ سنتی رہی۔ پھر اس نے کروٹ بدل لی۔ کھڑکی کے جھرونکوں سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر گھسے آ رہے تھے۔ فائزہ نے پیروں میں پڑی چادر اٹھائی اور خود پر ڈال لی۔

بارش تیز ہو گئی تھی اور سناٹے میں گرتی بوندوں کی آواز لوری کا کام دے رہی تھی۔

اسے نیند کا جھونکا سا آیا اور وہ پلکیں موند گئی۔

بارش کی تیز بوچھاڑ کے ساتھ بادلوں کی ہولناک گرج نے فائزہ کو جگا دیا۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ بادل لاکھ گھیرے تھے مگر ملگجا اندھیرا بتا رہا تھا کہ دن نکل آیا ہے۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس کی خوب صورت آنکھیں دھندلا سی گئیں۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی سے جھانکا تو ایک سکوت سا سارے گھر پر طاری تھا۔ صرف بارش کے برسنے کی آواز اور کچن سے معمولی آوازیں اس سکوت کو توڑ رہی تھیں۔ وہ چند لمحے کھڑی بے معنی باتیں سوچتی رہی۔

پھر وہ فریش ہو کر باورچی خانے میں آ گئی۔

بھابی نے ذرا کی ذرا نظر اٹھائی تو اس نے مسکرا کر آصفہ کی طرف دیکھا۔

''شکر ہے بھابی بارش تو ہوئی۔ ورنہ کتنی گرمی ہو رہی تھی نا۔''

''ہاں۔ موسم خوش گوار ہو گیا ہے۔''

وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ابا کو چائے دے دی؟''

''امی جان دیکھنے گئی تھیں لیکن ابا ابھی اٹھے نہیں۔ سو رہے ہیں تو انہوں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا اور واپس آ گئیں۔''

آصفہ نے غور سے فائزہ کے چہرے کو دیکھا۔ اس کا چہرہ کافی پرسکون تھا۔

''چائے دوں؟'' آصفہ نے پوچھا۔

''نہیں''

وہ کھڑی ہو گئی۔

''کیوں، کیا ہوا؟''

''میں ابھی آتی ہوں ابا کو دیکھ کر۔ وہ اتنی دیر تک کبھی نہیں سوئے۔''

''دیکھنا دیا سو رہی ہے یا اٹھ گئی۔''

فائزہ بنا جواب دیئے سیدھی ابا کے کمرے میں پہنچی۔

ابا بالکل سیدھا لیٹے تھے، دونوں ہاتھ سینے پر رکھے تھے۔ اس وقت بھی ان کا چہرہ بلا کا سنجیدہ تھا اور پیشانی پر شکنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ وہ چند لمحے ابا کے پاس کھڑی باپ کو غور سے دیکھتی رہی۔ انجانے خدشوں سے اس کا دل لرز رہا تھا۔ اس نے دھیرے سے پکارا۔

''ابا......''

پھر اس نے بڑی محبت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا یوں جیسے آگ کا تندور تپ رہا تھا۔

''ابا جان۔'' اس نے دونوں ہاتھوں میں ان کا چہرہ تھام لیا، جو اس وقت آگ بنا ہوا تھا۔

''ابا جان آنکھیں تو کھولیں۔ کیا بات ہے آپ بیمار کیوں ہو گئے؟''

انہوں نے آنکھیں جھپکیں تو فائزہ کے ہونٹ کپکپا گئے۔

''ابا جان طبیعت خراب ہے آپ کی؟''

''بس بیٹا تھکن کی وجہ سے بخار ہو گیا۔ آنکھ ہی نہیں کھلی۔ کیا وقت ہو گیا؟''

''آٹھ بج رہے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی بادل گرجے۔

"بارش ہو رہی ہے بیٹا؟"

"جی ابا جان۔ ابھی رُکی ہوئی ہے مگر بادلوں کے تیور بتا رہے ہیں کہ ابھی برسے ہی برسے۔"

انہوں نے اٹھتے ہوئے ایک نظر فائزہ کے چہرے پر ڈالی جس پر ذرا برابر بے سکونی نہیں تھی بلکہ سکون ہی سکون پھیلا ہوا تھا۔ وہ ایک دم اپنے فیصلے پر شانت سے ہو گئے۔

"آپ اُٹھ جائیے ابا جان۔ ناشتے کے بعد دوا لیں۔ بخار کم ہو جائے گا۔"

وہ خاموشی سے اٹھ گئے اور واش روم کی طرف بڑھ گئے۔ فائزہ نے ان کے بستر کو ٹھیک کیا اور چادر تہہ کر کے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل میں رکھی اور کمرے سے نکل آئی۔

اس نے آ کر امی کو بتایا کہ ابا بخار میں مبتلا ہیں تو وہ ایک دم ہی پریشان ہو گئیں اور ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ جبکہ فائزہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ ابا جان کے لیے ناشتہ تیار کرنے کی غرض سے۔ اس نے بھابی کو بھی ابا کی طبیعت کے بارے میں بتایا اور اپنے کام میں جت گئی، بھابی بھی سن کر پریشان ہو گئیں۔

پھر سب نے لاکھ فائزہ کو سمجھایا لیکن نہ مانی، وہ کسی قدم پر اپنے باپ کو شکست نہیں دیا چاہتی تھی۔

اقبال اور مصطفیٰ نے ہر طرح کے شواہد اکٹھے کیئے جو حقیقت پر مبنی تھے لیکن سکندر راؤ نے کسی ایک بات کو بھی سچ نہ مانا۔ لوگوں کی لگائی بجھائی قرار دیا۔

ندا اچھی طرح جانتی تھی ان لوگوں کو۔ اور ان کی بہن بھلا کیوں بھائی کے ساتھ دھوکہ کرتی۔ انہوں نے ہر اس بات کو رد کر دیا جس سے فائزہ کے راستے کھوٹے ہو رہے تھے اور اب تو خاندان بھر میں فائزہ کی شادی کی اطلاع دی جا چکی تھی۔

نسرین دیا، مریم، آصفہ کے دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہے تھے کہ آگے جانے کیا ہوا اور وہ لوگ تو فائزہ کے حوصلے کو داد دے رہے تھے جو بہت پرسکون تھی۔

جو لوگ اپنے فیصلے اپنے رب پر چھوڑ دیتے ہیں تو وہ ان کے لیے کبھی برا نہیں کرتا۔ ان کے لیے وہ کرتا ہے جس کی انہیں توقع بھی نہیں ہوتی۔

خاندان کے کچھ لوگوں نے بھی سکندر راؤ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر ان کی ہاں، میں نہ بدلی تھی۔ وہ لوگ ان کو برا بھلا کہتے ہوئے چلے گئے۔

تب فائزہ نے دکھ سے سوچا۔

"ہر کسی کو ابا کے فیصلے پر کیوں اعتراض ہے جب مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جب میں ان کی رضا میں خوش ہوں ابا اور ان لوگوں کا بھلا کیا مقابلہ۔ ابا جو پشتہا پشت سے رئیس اور جاگیردار تھے۔ خاندانی وقار، آن اور دبدبہ ان کی شخصیت پر ختم تھا جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور اپنی اولاد کو بھی تعلیم سے بہرہ مند کیا۔ ان کے فہم و فراست کے سامنے بڑے سے بڑا شخص نہیں ٹھہرتا تھا۔ ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جس کے حق میں کوئی نہیں تھا مگر انہوں نے سب کی مخالفت مول لے کر اس کا انتخاب فائزہ کے لیے کیا تھا۔ بقول سب کے کہ وہ اس قابل نہیں تھا۔ فائزہ کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

اور اب عزیز و اقارب، دوست احباب یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ فہم و فراست کے مالک سکندر راؤ نے کیا سوچ کر اپنی بیٹی اس شخص کو دی تھی۔

یہ سمجھنے سے سب قاصر تھے۔

اس میں خوبی ہی کیا تھی۔

کس چیز نے انہیں متاثر کیا تھا۔

روپے پیسے کی تو خود ان کو کمی نہیں تھی جو اس کی دولت کا لالچ ہوتا۔

ایسی کون سی مجبوری تھی کہ وہ اپنی بیٹی اس سے بیاہنے پر مجبور ہو گئے تھے؟

کیا یہ مقدر...... کا کھیل تھا؟

کوئی بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

پھر کیا وہ اس قابل تھی؟

کیا وہ اپنی بیٹی کے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں؟

اس کا مقدر اپنے ہاتھوں سے پھوڑ سکتے ہیں؟

ان کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ اندر سے کیا ہے، جب چہرے سے نقاب اترے گا تو کیسا چہرہ سامنے آئے گا۔

اس کا اصلی چہرہ۔

وہ ابا کا سر جھکا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ وہ زبان دے چکے تھے۔

ابا جو ہمیشہ سے سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چلے تھے۔

ان کی بیٹی نے ابا کا سر جھکنے نہیں دیا۔

ابا کے اس بھرم کو قائم رکھا۔

اس نے سوچا جب سب کچھ ہو رہا ہے تو کیوں نہ خوشی خوشی ہو۔

فائزہ کے چہرے پر خوشی کے رنگ دمک رہے تھے مایوسی اور دکھ کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔

اور سب کے سب اسے خوش دیکھ کر حیران تھے کہ اتنا حوصلہ کہاں سے آ گیا اس کے اندر۔

سب لوگ فائزہ کی شادی کی تیاری کر رہے تھے مگر بہت افسردہ اور دکھی دل کے ساتھ۔ امی کے تو آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ فائزہ نے تو سب کو سمجھانا بھی چھوڑ دیا تھا اب۔

اب نہ وہ کسی سے بات کرتی تھی اور نہ ہی یہ ظاہر ہونے دیتی کہ اندر سے وہ بھی خوش نہیں ہے۔

پھر باضابطہ طور پر اس کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی۔

شہزاد جس سے فائزہ کی شادی ہو رہی تھی۔ دو ہی بہن بھائی تھے۔ بہن ملک سے باہر تھی۔ یہاں شہزاد اکیلا تھا۔ سب کچھ ندا پھوپھو ہی کر رہی تھیں۔

سب تیاریاں مکمل تھیں۔ ابھی مہمانوں کی آمد شروع نہیں ہوئی تھی کہ ایک انہونی ہو گئی جس کی توقع اقبال اور مصطفیٰ بہت پہلے سے کر رہے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق تو بہت دیر ہو گئی تھی اس کام میں۔

☆......☆......☆

فائزہ کا دل صبح سے ہی عجیب سے وسوسوں میں گھرا تھا۔ دل میں بے چینیاں لگی تھیں۔ اضطرابی کیفیت نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وہ خود کو بہلانے کی کوشش میں ناکام ہو گئی۔ اس بے قدری سے بچنے کے لیے اس نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔

مگر اس کی بے چینی کم نہ ہوئی۔

اسے تو اس وقت سکون ملا، جب ندا پھوپھو ہولتی ہوئی گھر پہنچیں۔ اتوار کی وجہ سے ابا بھی گھر پر موجود تھے۔ ندا پھوپھو کی اُڑی اُڑی رنگت دیکھ کر سب ہی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ خیر نہیں ہے، کچھ نہ کچھ انہونی ہو گئی ہے۔

وہ سب سے مل کر سیدھی بھائی کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ ان کے کچھ دیر بعد ہی نسرین اقبال اور مصطفیٰ کو کمرے میں بلایا گیا۔

اقبال اور مصطفیٰ کی نظروں کا تصادم ہوا اور ایک گہری مسکراہٹ دونوں کے لبوں پر پھیلی

اور سکون کی لہریں چہرے پر پھیل گئیں۔

''جی اباجان۔'' اقبال نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

انہوں نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے۔

کچھ دیر کمرے میں سکوت طاری رہا، پھر اس سناٹے کو ان کی گونج دار آواز نے توڑا۔

''ندا یہ کہنے آئی ہیں کہ شہزاد نے رشتہ ختم کر دیا ہے۔''

دونوں بھائیوں نے بہت گہری نظروں سے ابا کے چہرے کو دیکھا جو ذلت کے احساس سے پھیکا پڑ رہا تھا مگر انہوں نے خود کو کنٹرول کیا ہوا تھا۔

اقبال اور مصطفیٰ نے سکون کی گہری سانس لی۔

''مگر کیوں اباجان؟''

اقبال نے انتہائی فرمانبرداری۔سعادت مندی سے پوچھا۔

''شہزاد کی پہلی بیوی کے علم میں شہزاد کی دوسری شادی کی کوئی خبر نہیں تھی اور نہ ہی شہزاد نے اس سے شادی کی اجازت لی۔ پہلی بیوی شہزاد کی ماموں زاد ہے، وہ چھ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ شہزاد کے سسرال والے رئیس اور جاگیردار ہیں اور یہ ساری جائیداد جس کا شہزاد خود کو مالک بتاتا ہے اس کی ہے۔ کچھ عرصہ سے ان کے درمیان ناراضگی چل رہی ہے اور وہ رُوٹھ کر اپنے میکے جا بیٹھی ہے۔ ایک اور بات وہ بیمار بھی نہیں ہے، اب کہیں سے ان لوگوں کو شہزاد کی شادی کی خبر مل تو انہوں نے شہزاد کو سیدھے ہاتھوں لیا ہے اور شہزاد بہت مجبور ہے کہ شادی سے انکار کر دے۔''

ابا نے یہ کہہ کر سر جھکا لیا۔ ظاہر ہے بات بہت بڑی اور ذلت کا باعث تھی کیونکہ شادی کارڈ سب کو بھیجے جا چکے تھے اور شادی میں چند دن ہی تو رہ گئے تھے تو شادی کینسل کر دی گئی۔ ابا کو احساس ہو رہا تھا کہ ان کی بے عزتی کے ساتھ ساتھ لوگ ان کی پارسا اور پاکیزہ بیٹی پر بھی انگلی اٹھائیں گے۔ نہ جانے اس میں کون سی کمی تھی کہ شادی سے چند دن قبل بات ختم ہو گئی۔

''اباجان ہم تو پہلے ہی اس رشتے کے خلاف تھے اور آپ کو شہزاد کے بارے میں سب شواہد اکٹھے کر کے دیئے مگر آپ نے ہماری بات نہ مانی۔ شہزاد کا ایک بیٹا تھا دو سال کا جو ایک حادثے میں خالق حقیقی سے جا ملا۔ اس کے بعد ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ نقص شہزاد کی بیوی میں نہیں اس میں خود پیدا ہوا ہے لیکن وہ یہ ماننے کو تیار نہیں۔ اس کے علاوہ وہ رنگین مزاج کا آدمی ہے، اس کی راتیں کوٹھے پر گزرتی ہیں اور دن بھر شراب کے نشے میں دھت پڑا رہتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی بیمار ہے، شہزاد ذہنی مریض ہے۔ اس کی میڈیکل رپورٹ میرے

پاس ہیں، یہی سب بتانے کی کوشش کی تھی آپ کو مگر آپ نے سنا نہیں، ہم کیا بتانا چاہتے ہیں۔ ہمیں آپ کے فیصلے سے اختلاف نہیں تھا اور نہ ہے لیکن رشتہ مناسب ہو تو ہمیں اعتراض نہیں تھا۔"

اقبال نے آج وہ سب باتیں کہہ دیں جو پہلے انہوں نے سننے سے انکار کر دیا تھا۔ آج موقع اور وقت ان کے ہاتھ میں تھا کہ سب ان کو بتا دیں۔

"ہم صرف یہ بتانا چاہتے تھے آپ فائزہ جہنم میں جھونک رہے ہیں۔" مصطفیٰ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اسی لیے میں اپنے جاننے والوں میں شادی بیاہ کرنے کے حق میں ہوں، کم از کم ان کے بارے میں ہر بات اپنے علم میں ہوتی ہے لیکن یہاں سب کچھ ندا پر تھا کیونکہ ندا نے مجھے یقین دلایا تھا کہ سب ٹھیک ہے مگر......"

وہ خاموش ہو گئے اور ایک نظر ندا کے جھکے ہوئے سر پر ڈالی۔ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اتنی بڑی بات ہونے کے بعد وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔

سکندر راؤ کے گھر پر جو قیامت ٹوٹی تھی۔ اس نے ان کو کسی کے سامنے بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ وہ کس کس کو صفائی پیش کرتے اور کون ان کی بات پر یقین کرتا۔

"بھیا میں شرمندہ ہوں۔ مجھے خود ان سب باتوں کا پتا نہیں تھا، مجھے رشتہ کرنے والی نے سب بتایا تھا اور ہر طرح سے اپنے اعتماد میں لیا تھا۔ اندر کا حال مجھے کیا معلوم تھا اگر مجھے سب معلوم ہوتا تو کیا میں فائزہ کا رشتہ کرواتی۔ فائزہ مجھے آمنہ کی عزیز ہے۔"

یہ کہہ کر ندا رونے لگی تو بھائی کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے اٹھ کر ندا کو گلے سے لگا لیا اور بولے۔

"ندا بیٹی تمہیں کون الزام دے رہا ہے۔ قصور تو میرا بھی ہے، میں نے جانچ پڑتال کیوں نہیں کی اور تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ تم اپنے بھائی کے گھر میں اسی استحقاق کے ساتھ آؤ جاؤ گی کسی کی ہمت نہیں جو تمہیں ایک لفظ بھی کچھ بول جائے۔"

سکندر راؤ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اب محفل برخاست کر دی جائے۔ رشتہ ختم بات ختم۔ باقی بعد کے حالات ہیں کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں۔

دونوں بھائی مزید کچھ کہے کمرے سے نکل آئے۔

گھر کا ہر فرد شکرانے کے نفل ادا کر رہا تھا کہ فائزہ کی زندگی تباہ ہونے سے بچ گئی۔

☆......☆......☆

فائزہ کو اپنی سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ خوش ہے یا ناخوش۔ امی جان نے اس کو گلے لگا کر ڈھیروں پیار کیا۔ ان کی پھولوں جیسی نازک بچی برباد ہونے سے بال بال بچ گئی تھی۔ ابھی تو اپنے گھر تھی کچھ نہیں بگڑا تھا ہاں شادی ہو جاتی تو بات کہاں تک جاتی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

فائزہ ایک ایک کے چہرے کو دیکھ رہی تھی اور ستم یہ تھا کہ وہ زبان بندی پر مجبور تھی۔

اس لیے کہ سکندر راؤ کی خواہش تھی، اس لیے اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اس شخص اور آنے والے حالات کے بارے میں نہیں سوچا تھا کیونکہ اسے تو ہر حال میں شہزاد اور اس کی بیوی کے ساتھ گزارا کرنا تھا۔

اور اب وہ اس قید خانے میں جانے سے پہلے آزاد ہو گئی تھی۔

سب زنجیریں کٹ گئی تھیں۔

اس کے پیر بیڑیوں سے آزاد ہو گئے تھے۔

لمحے بھر کے لیے فائزہ کا دل خوشی سے بھر گیا مگر دوسرے لمحے دکھ کے احساس میں گھر گیا۔

وہ ابا کا جھکا ہوا سر نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے ایسا کب چاہا تھا۔ ابا کی زبان اور ان کی عزت کی خاطر وہ دہکتے کوئلوں پر چلنے کے لیے خوشی سے تیار ہو گئی تھی۔

مگر اب ان کے ساتھ لوگوں کا تضحیک آمیز رویہ کس طرح برداشت کر سکے گی۔

ابا حکم دیتے تو وہ جان بھی دے دیتی۔

اس نے ابا کے بارے میں نہیں سوچا۔ اسے اپنی نہیں ابا کی فکر تھی۔

وہ اس دکھ اور غم سے نڈھال پڑ گئی۔

جب وہ کمرے میں تنہا رہ گئی، تو اس کا دل چاہا چیخ چیخ کر رو دے۔ اس کی آنکھیں برسنے لگیں، لگتا تھا اس کے سینے پر ایک پہاڑ جتنا بوجھ آن پڑا تھا۔

سکندر راؤ جانتے تھے کہ فائزہ اس واقعے کے بارے میں کچھ کہے گی۔ کچھ جتائے گی۔

مگر فائزہ پر گہری خاموشی طاری تھی۔

پھر عزیز و اقارب اور دوست احباب، جس کے جو دل میں آیا کہا۔

اور کہنے والوں کی زبان کون روک سکا ہے۔

''ارے سکندر کو اس شخص میں کیا نظر آیا تھا، سوائے اس کے کہ..... ان کے پاس دولت تھی، مگر دولت کی کمی تو سکندر کے پاس بھی نہیں تھی۔''

''پھر کیا چیز اسے شہزاد کے قریب لے آئی تھی؟''

''شریف گھرانے کی شریف اور پاکیزہ لڑکی کے کردار پر داغ لگوا دیا۔''

''ایک خوب صورت پڑھی لکھی کو زندہ درگور کر دیا۔ اب کون یقین کرے گا اس کی پاکیزگی پر۔''

اس مقام پر مرد آ جائے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا مگر جب اس سطح پر جب عورت آ جائے تو کائنات بکھر جاتی ہے، آسمان دہل جاتا ہے، غرض جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔

لوگوں نے اس پر الزام لگانے اور باتیں بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیتے اور وہ ہمیشہ کے لیے بہری ہو جاتی۔

مگر ان الزامات کو سن کر بھی اس نے اپنے حوصلے بلند رکھے ٹوٹنے نہیں دیئے تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح خاموش رہی اور آنسو اندر ہی اندر اس کے دل میں گرتے رہے تھے۔

ہاں حیرت کے مارے اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔

گھر کے باقی افراد لوگوں کے رویے پر خون کے آنسو روتے۔ بیٹھے بٹھائے عزت نیلام ہو گئی تھی۔

سکندر راؤ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کیا کیفیت ہے ان کی۔ کیونکہ وہ کسی سے کچھ کہنے اور سننے کے روادار نہ تھے۔ ان کی وہی روٹین تھی۔

اس کے خاندان کے لوگوں نے اس کے سلسلے کہاں کہاں جوڑے تھے اس کی ذات میں کون کون سے عیب نکالے تھے۔

فائزہ کا دل چاہ رہا تھا قہقہہ لگا لگا کر ہنسے، جی بھر کر ہنسے، اتنا ہنسے کہ ساری دنیا کو پتہ چل جائے۔

کہ وہ بے گناہ ہے۔

اور شہزاد جیسے کمینے اور بزدل شخص سے نجات مل جانا بے گناہی کا ثبوت ہے۔

کیا وہ فائزہ ہی تھی۔

جس پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی تھی دنیا نے۔

نہیں نہیں وہ تو کوئی اور تھی۔

فائزہ ایسی نہیں ہو سکتی۔

کوئی اس پر ایک انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔

وہ بہت باوقار محبت کرنے والی اور مخلص لڑکی تھی۔

پتہ نہیں کیوں..... قد آدم آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈے چلے آ رہے تھے۔

اس کے دُکھوں نے کمرے کے ماحول کو بوجھل بنا دیا تھا آج جبکہ وہ رونا نہیں چاہتی تھی اور آنسو تھے کہ اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ پلکوں کا حصار توڑ کر باہر نکلنے کو مچل رہے تھے۔

بھیگتے رہے بارشوں میں اکثر
کبھی مانگی کسی سے پناہ نہیں
حسرتیں پوری نہ ہوں نہ سہی
خواب دیکھنا تو گناہ نہیں

☆......☆......☆

اس سیلاب پر بند باندھنے کی کوشش میں اس کے پہلو میں درد سا ہونے لگا تھا۔ اس نے جھک کر آئینے میں اپنی سلگتی ہوئی بھیگی پلکوں کو دیکھا۔

اور مسکرا دی۔

آہ، اس مسکراہٹ نے کس طرح اس کے زخمی دل کو تڑپایا تھا۔ ظلم کی انتہا کر دی تھی۔

افوہ!

کس قدر عجیب لگ رہا تھا اس کمرے میں قید ہو جانا۔ وہ سب کچھ کتنا اجنبی لگ رہا تھا۔

وہ باہر نکل آئی۔

اسے سب کے درمیان اپنا آپ بہت اجنبی لگ رہا تھا۔

وہ جو اس کے اپنے تھے۔

کتنے اجنبی محسوس ہو رہے تھے وہ سب۔ یا پھر اس کے اپنے احساسات تھے۔

اسے یوں لگا جیسے سب اسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں۔

اور سب حیران ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔

ا؟

بھائی

دیا

مریم

اقبال بھیا

اور مصطفیٰ

آج کتنے خوش تھے۔ان کے چہرے چمک رہے تھے۔وہ کتنے اچھے لگ رہے تھے۔

اسے خود پر رشک آ رہا تھا۔

کتنے لوگ محبت کرنے والے تھے اس سے۔

''فائزہ بیٹا اگر تم یوں خود کو سب سے الگ تھلگ نہ کرتیں تو کتنا نقصان ہوتا، یوں تنہا نہ رہتیں، سب کے ساتھ مل کر تم شہزاد سے چھٹکارا اپنا مقدر سمجھ کر ذہن سے نکال دیتیں۔''

انہوں نے فائزہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

وہ اسی روز سے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔اسے شدید شاک پہنچا تھا اور وہ اس نہج پر اپنے نہیں اپنے باپ کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔وہ کسی سے اس موضوع پر بات نہیں کر رہی تھی۔

''امی جان آپ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں اپنے دکھ پر کمرے میں قید ہوں۔نہیں ابا کی عزت، ان کا جھکا ہوا سر نہیں دیکھ سکتی میں۔اسی نہج پر سوچتی رہی ہوں۔اپنا دکھ تو کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔''

''ہاں تم اپنی جگہ ٹھیک ہو لیکن یہی بات ہمارے ساتھ وقت گزار کر سوچ سکتی تھیں فائزہ کیونکہ ہم تمہارے لیے بہت دکھی ہیں۔''

آصفہ نے ساس کی طرف سے نند کو جواب دیا اور حقیقت بھی یہی تھی۔اس نے ایک دم ہی سب سے خود کو الگ تھلگ کر لیا تھا۔

''مگر میں آج بھی اپنے آپ سے لڑ رہی ہوں، آپ لوگ نہیں جانتے میرا ذہن اس واقعے کو تسلیم کرنے سے ابھی تک قاصر ہے کہ اس کا ردعمل ابا جان پر کیا ہوا۔''

''ہم تمہیں کتنا چاہتے ہیں اس کا تمہیں شاید احساس نہیں ہے اور نہ ہی ساری لڑکیوں کا مقدر ایک جیسا ہوتا ہے۔سب کے ساتھ کوئی نہ کوئی واقعہ ہوتا رہتا ہے۔تمہارے ساتھ کچھ نیا نہیں ہوا۔یہ تو آج کے معاشرے کا المیہ ہے کسی نہ کسی بات پر باراتیں باپ کی دہلیز سے لوٹ جاتی

ہیں۔بعض لوگوں کا تو کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا اور ہم سب تو تمہارے ساتھ ہیں، کیوں فکر کرتی ہو۔کیا ہم تمہیں نہیں جانتے بیٹا۔''

نسرین بیگم نے اور لڑکیوں کی مثال دیتے ہوئے سمجھایا تو اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہم بھی بہت تلخ اور مشکل وقت سے گزر رہے ہیں اپیا۔'' دیا نے بہت پیار سے فائزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چند دنوں میں ہی وہ مرجھا کر رہ گئی تھی۔

لگتا ہی نہیں تھا وہ فائزہ ہے۔

کوئی نہیں جانتا کہ اس پر کیا گزری ہے حتیٰ کہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ ضبط کی کن منزلوں سے وہ گزر رہی ہے۔

''ابا جان آفس سے آ گئے؟''

اس نے دیا سے پوچھا۔

''جی اپیا۔''

''میں ان سے مل لوں۔''

وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

انہوں نے ایک نظر فائزہ کے چہرے پر ڈالی تھی اور پھر ہٹالی تھی۔

وہ خود اس کرب سے گزر رہے تھے جس سے فائزہ۔

''ان سے مل کر کھانا سب کے ساتھ کھانا بیٹا۔'' امی جان نے پیار سے فائزہ کو کہا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے امی جان۔جب بھوک لگی تو کھا لوں گی مگر ابھی نہیں۔''

''یوں کب تک بھوکی رہو گی؟''

بھابی نے دھیرے سے ڈانٹا۔

''آپ جانتی ہیں میں نے کھانا ایک وقت کا بھی نہیں چھوڑا۔پھر بھی آپ کا شکوہ؟''

''جانتی ہوں کتنا کھایا ہے، چکھا ہی ہے صرف۔''

وہ خاموش رہی اور ابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''میں کھانے پر تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔سیدھی ادھر آ جانا۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی اور آگے بڑھ گئی۔

بغیر کسی کام کے اس نے آج تک ان کے کمرے میں آنے کی جرأت کی تھی اور نہ ضرورت پڑی تھی۔

مگر آج اسے ضرورت تھی ان کے پاس جانے کی۔

اس نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہوگئی۔

"السلام علیکم ابا جان۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ اُٹھ بیٹھے۔

ابا اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران تھے۔ انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ خاموشی سے ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"ٹھیک ہوں بیٹا۔ تم کیسی ہو؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

اس نے محسوس کیا ابا کا لہجہ بہت کھوکھلا تھا اور شاید ندامت سے بھرپور۔

اسے بہت دکھ ہوا۔ ان کے جھکے سر کو ہی تو نہیں دیکھنا چاہتی تھی اسی لیے تو اس نے ان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

"خیریت بیٹا؟"

انہوں نے اس کے آنے کا سبب پوچھا جبکہ وہ جانتے تھے وہ کیوں آئی ہے لیکن پوچھنا اپنا فرض سمجھا، وہ اس حادثے پر بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔

"ابا جان میں آپ سے ایک بات کرنے آئی ہوں۔"

"ہاں کہو بیٹا۔" انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ابا جان جو بھی ہوا اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے اور نہ ہی آپ شرمندہ ہوں، یہ تو مقدر کی بات ہے، اپنی طرف سے اچھا ہی کیا تھا آپ نے، آگے میرا نصیب۔ آپ خود کو سزا نہ دیجئے ابا جان۔"

فائزہ نے ہمت کر کے ان کو کہہ دیا جبکہ اس کی زبان الفاظ کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ آج کس طرح اور کس واقعے کی وجہ سے ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

ان کی ہٹ دھرمی نے کس طرح اس کی زندگی اس حادثے سے دُور کر دی تھی۔

"ہاں بیٹا۔ بس انجانے میں تمہیں ایک جہنم میں جھونک رہا تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو کیا

کوئی باپ اپنی اولاد کے دکھوں سے بے خبر رہ سکتا ہے۔"

آنسو آپ ہی آپ فائزہ کی آنکھوں سے گر رہے تھے لیکن اس نے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

"بیٹا میں....."

اس سے پہلے کہ وہ اپنے کسی گناہ کے لیے نادم ہوتے اس نے ان کی بات اچک لی۔

"ابا جان آپ کچھ بھی مت کہیں پلیز۔ میں آپ کا جھکا ہوا سر نہیں دیکھ سکتی۔"

"خوش رہو بیٹا جیتی رہو۔"

وہ تو ان کی بہت اچھی بیٹی تھی کبھی بچپن میں بھی ضد نہیں کی تھی۔ کوئی مطالبہ نہیں کرتی تھی، کوئی ایسی حرکت نہیں کرتی تھی جس سے ابا کو کوئی دکھ پہنچا ہو، کسی فضول کام سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی بچپن سے ہی وہ اتنی توجہ اور محبت کے باوجود ذرا بھی نہیں بگڑی تھی۔

اس وقت اس کے چہرے پر عجیب قسم کی بے چارگی کا تاثر تھا جو اس وقت اس کے چہرے پر طاری تھا۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ مزید ان کو کیا کہے۔

کاش اسے ایسا ماحول ملا ہوتا کہ ابا سے فرینکلی بات کر سکتی۔ شاید آج اس کا انداز مختلف ہوتا۔ ان سے بات کرنے کے لیے اسے لفظوں کا انتخاب نہ کرنا پڑتا۔

اور دل کا کیا ہے۔ دل تو ایک معصوم بچہ ہے۔ ذرا دیر کو بگڑتا ہے، ایڑیاں رگڑتا ہے اور پھر بہل جاتا ہے۔

اور دنیا کے منہ کون بند کر سکا ہے۔

فائزہ ان سے باتیں کرتی رہی۔ وہ غور سے سنتے رہے۔ ایک لفظ نہیں بولے، کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ اتنی کہ صرف ان کی سانسوں کی آواز ابھر کر ڈوب رہی تھی۔

بڑی دیر کے بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ان آنکھوں میں سرخی اور بڑھ گئی تھی اور چہرے پر سوچوں کی گہرائی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

"فکر مت کرو بیٹا، اللہ سب بہتر کرے گا۔ انشاء اللہ وقت پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اپنا خیال رکھو۔"

"میری فکر نہ کیجئے ابا جان۔ بس آپ اپنا خیال رکھیں، مجھے اپنی نہیں آپ کی فکر ہے۔"

وہ خاموش رہے۔ ان کے چہرے پر گہری پرچھائیاں تھیں، فائزہ سمجھ نہیں پائی وہ دُکھ،

پچھتاوے یا آئندہ زندگی کے لیے پریشان بھی۔اب فائزہ کو کتنی مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔

''اللہ جب کوئی کام کرنے پر آتا ہے تو لمحوں میں ہو جاتا ہے اور جو کچھ ہوا ہے شاید اچھے کے لیے ہی ہوا ہے کیونکہ ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔'' اس کے بعد وہ پھر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر بعد گویا ہوئے تو اتنا کہا۔

''چائے بھجوا دو ایک کپ!'' اس کا مطلب تھا وہ اسے کمرے سے جانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ وہ ان کا مطلب سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک نظر ان پر ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد سکندر راؤ لامتناہی سوچوں میں گھر گئے۔ان کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ ان کے ساتھ دھوکہ کیا جا سکتا، وہ واقعہ ان کے ذہن پر چھا کر رہ گیا تھا جو کچھ ان کی بیٹی کے ساتھ ہوا تھا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔لیکن وہ ابھی بھی خود سے یہ اقرار کرنے کو تیار نہیں تھے کہ اس میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی بھی شامل ہے، ورنہ جیسے سب منع کر رہے تھے تو شاید یہ حادثہ نہ ہوتا۔

☆......☆......☆

گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی جب آصفہ نے نئے مہمان کی آمد کی خبر دی۔نسرین تو جیسے دیوانی ہوئی جا رہی تھی پوتے پوتی کی خبر سن کر۔ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔وہ آصفہ کا ہر طرح سے خیال رکھ رہی تھی۔فائزہ اور دیا کو بھی خاص ہدایات جاری کر دی تھیں کہ آصفہ کا خاص خیال رکھیں۔اس معاملے میں وہ کوتاہی نہیں کر رہی تھیں اور نہ ہی ان دونوں کو اجازت تھی۔نسرین اور دونوں بیٹیوں نے گویا آصفہ کے قدموں تلے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔اقبال بھی اپنی طرف سے آصفہ کی دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں آنے دے رہے تھے۔آفس کے بعد سارا وقت اس کے ساتھ ہی گزارتے اور ہر ممکن کوشش یہی ہوتی کہ پہلے سے کہیں زیادہ اس کو خوش رکھیں۔

''دیا دلہن کے کمرے میں ضرورت کی تمام چیزیں تو رکھ دی ہیں ناں؟''

نسرین نے کوئی تیسری بار دیا سے پوچھا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

''امی جان کیوں پریشان ہو رہی ہیں سب کچھ آپ کی ہدایات کے مطابق ہو رہا ہے، آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی۔

''آپ میرے ساتھ چلیں، ہر چیز خود دیکھ لیں آپ کی تسلی ہو جائے گی۔''

''بیٹا پہلا بچہ ہے ناں ایسے میں خاص خیال اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، اگر ہم اس کا خیال نہیں رکھیں گے تو کون رکھے گا۔ہم کوئی روایتی ساس نندیں تو ہیں نہیں اور نہ ہی آصفہ نے کبھی

ایسا سلوک روا رکھا بلکہ اقبال کی شادی کے خیال سے میں کتنی خوفزدہ تھی کہ آنے والی جانے کیسی ہو۔میری دو بیٹیاں گھر میں ہیں اور پھر اوپر سے تمہارے ابا کا مزاج، لیکن آصفہ نے آ کر میرے سارے اندیشے وسوسے دُور کر دیئے اور جس طرح خوش اسلوبی سے اس گھر کو سنبھالا ہے میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔''

''امی جان بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، ہمیں بھی ان سے کوئی شکایت نہیں۔'' وہ ہنس دی۔

''اتنی تعریفیں آج تک ہماری بھی نہیں کی ہوں گی امی جان۔'' فائزہ نے مذاق سے انہیں کہا۔''اگر ہمیں بھابی سے کوئی شکایت نہیں ہے تو بھابی کو بھی ہم سے کوئی شکوہ نہیں ہے کیونکہ ہم بھی ان کے ساتھ عزت اور پیار سے ہی پیش آئے ہیں ہمیشہ اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔اس لیے کہا جاتا ہے تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ایک ہاتھ سے نہیں۔

''ہاں تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔اللہ خیر سے وہ دن لائے، سب کو ہی بے چینی سے انتظار ہے اس مہمان کا کہ گھڑیاں گنتی کر کے گزار رہے ہیں۔''

دیا ان کا ہاتھ پکڑ کر بھابی کے بیڈروم میں لے آئی اور امی جان کو سب چیزیں دکھائیں جو آصفہ بھابی کے استعمال کی تھیں۔ترتیب سے رکھ دی تھیں۔

☆......☆......☆

آخر وہ دن بھی آ ہی گیا۔انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور گھر میں ہلچل مچ گئی۔نسرین بیگم تو سارے گھر میں بولائی بولائی پھر رہی تھیں۔آج آصفہ کو ہاسپٹل جانا تھا اور وہ جانے سے پہلے آصفہ کے کھانے کی چیزیں تیار کروانا چاہ رہی تھیں۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آسمان سے تارے توڑ کر آصفہ کی گود میں ڈال دیں۔

''امی جان، یخنی کی تیاری میں پانچ منٹ لگیں گے، بھابی کے آنے پر سب چیزیں فریش ہی بنا لیں گے ابھی ہاسپٹل چلنے کی تیاری کرتے ہیں۔''

ان کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی اور وہ تیار ہونے چل دیں۔

فائزہ گھر پر ہی رک گئی تھی۔پیچھے گھر کی دیکھ بھال بھی تو کرنا تھی اور ذرا سی کوتاہی سے ابا جان کا پارہ آسمان کو چھونے لگتا تھا۔اس خیال سے وہ ہر کام وقت سے پہلے کر لیتی تھیں، اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

وہ تیار ہو کر چلی گئیں۔اقبال بھیا نے کہا تھا ہم ہسپتال سے روانہ ہونے سے پہلے فون

کر دیں گے مگر ابھی تک ان کا فون نہیں آیا تھا اس کا مطلب تھا کچھ وقت مزید لگے گا۔ فائزہ ننھے مہمان کو دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔

فائزہ سب کاموں سے تقریباً فارغ ہوگئی تھی۔ یخنی تقریباً تیار تھی۔ شوربہ بھی امی جان کی ہدایت کے مطابق تیار تھا۔ بس وہ ان کے انتظار میں تھی جب آئیں گی تو گرم گرم پھلکیاں ڈال لیں گی۔

''پتا نہیں ابا جان کے کیا جذبات ہوں گے دادا بننے پر؟'' فائزہ نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''لیکن ہمیں کیونکر معلوم ہوسکتا ہے انہیں تو اپنے جذبات و تاثرات پر ملکہ حاصل ہے۔ اب دیکھئے کیا صورتحال بنتی ہے گھر میں، چھوٹے کی آمد کے بعد۔'' وہ سوچتے ہوئے نماز کے لیے اٹھ گئی۔ اذان کا وقت ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ گھڑیاں آ ہی پہنچی جن کے انتظار میں آصفہ گھڑیاں گن گن کے گزار رہی تھی۔ ڈاکٹر راحیلہ قادری کے میٹرنٹی ہوم میں آصفہ نے ایک صحت مند و توانا سرخ و سفید بیٹے کو جنم دیا تو اقبال لیبر روم کے باہر کھڑے امید و بیم کی کیفیت سے دوچار تھے۔ نرس نے انہیں نوید سنائی، ان کے ساتھ نسرین اور دیا کھڑی تھیں اور یہ سب کے سب انتظار کے صبر آزما لمحوں سے دوچار تھے۔ یہ خبر پاتے ہی سب کے چہرے مسرتوں کے نور سے پر ہوگئے۔

''مبارک ہو بھیا۔''

دیا تو دیوانی سی ہونے لگی۔ نسرین بیگم نے اقبال کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹا مبارک ہو۔''

''آپ کو بھی مبارک امی جان۔''

نسرین نے مسکراتے ہوئے اقبال کی طرف دیکھا۔

''خدا بچے کے ساتھ ماں اور باپ دونوں کو خوش و خرم اور سلامت رکھے۔'' وہ دعائیں دینے لگیں، اقبال کسی اور دنیا میں پہنچ چکے تھے۔ کچھ دیر بعد زچہ اور بچہ دونوں کو اسپیشل روم میں لے جایا جا چکا تھا۔

یہ خبر سب کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث تھی۔ مصطفیٰ، فائزہ سب بہت خوش تھے۔ مریم کو بھی فوری خبر کر دی گئی تو اس کی خوشی کی بھی انتہا نہ رہی۔ فائزہ کے گھر والے بھی ربّ کائنات کا جتنا شکر ادا کرتے کم تھا۔ غرض ہر گھر کا ہر فرد اپنی جگہ خوش تھا۔ چاہے وہ اقبال کے گھرانے کا ہو یا

فائزہ کے۔ سب کے لیے ہی ننھا مہمان خوشیوں کے پیام لایا تھا۔

شام کو وہ لوگ گھر لوٹ آئے۔ نسرین بیگم بچے کو سکندر کے کمرے میں لے گئیں۔

''پوتا مبارک ہو آپ کو!'' ان کا لہجہ خوشی سے کھنک رہا تھا۔

ان کی نظریں بے بی کاٹ میں پڑے نوزائیدہ بچے کے قریب رک گئیں جوان کے بیٹے کی اولاد تھا۔ کہتے ہیں اولاد بہت پیاری ہوتی ہے۔ انہیں بند آنکھوں والے معصوم سے فرشتے پر پیار آ گیا۔ وہ بے اختیار ہو کر اور بھی قریب آئے۔ جانے کہاں سے محبت امڈی چلی آ رہی تھی۔ جی چاہنے لگا کہ اسے اٹھا کر سینے میں چھپالیں، جی بھر کر گلابی گالوں پر پیار کریں۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے نرم رُخسار کو چھوا۔ پھر ان کی نظریں جیسے اس کے معصوم چہرے پر ٹک گئیں۔ وہ بھی شاید دادا کی آنکھوں میں پیار دیکھ کر آسودہ سی مسکراہٹ سے مسکرایا۔

نسرین بیگم جو لبوں پر مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہی تھیں اس پل ان کے چہرے پر سکون ہی سکون پھیلا ہوا تھا۔ دل کو یقین ہو چلا تھا آنے والے وقت میں شاید اس ننھے وجود کی وجہ سے بہت سی تبدیلیاں آئیں گی مگر یہ ان کی بھول تھی۔

ننھے اذان کی آمد نے گھر کے منظرنامے کو بالکل تبدیل کر دیا، وہ گھر جہاں کبھی خاموشی کا بسیرا تھا اب آوازوں کی آماجگاہ بن گیا۔ ہر کوئی اذان کے ساتھ اپنی بولی بولتا ہوا نظر آتا۔ سب کی خوشیاں اور غم گویا اس ننھے وجود سے منسلک ہو گئے تھے پھر سال بھر بعد رادیہ کی آمد نے رونقوں میں مزید اضافہ کر دیا۔

☆......☆......☆

گھر میں بہار مکمل ڈیرے جمائے ہوئے تھی۔ سوائے سکندر راؤ کے سب ہی موجود تھے، لاؤنج میں زندگی کی ساری خوشیاں جیسے سکندر راؤ کے گھر میں بہار کی طرح اتر آئی تھیں۔ رادیہ کی آمد پر اقبال سکندر کی فیملی مکمل ہوگئی تھی۔ اتنی خوشیاں نسرین سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھیں۔ اذان سب کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا تو رادیہ ان کی آنکھوں کا تارا اور دونوں بچے ان کی روح حیات، آصفہ کے ہاسپٹل سے آنے کے بعد نسرین نے آصفہ کو ایک قدم چلنے کی بھی اجازت نہ دی۔

بچوں کی دیکھ بھال وہ خود کرتیں۔ فائزہ اور دیا لاکھ منع کرتیں کہ وہ خود دیکھ لیں گی مگر انہیں تسلی ہی نہیں ہوتی تھی جب تک خود کام نہ کر لیتیں۔ اور تو اور سکندر راؤ آفس سے آنے کے بعد ان معصوم فرشتوں کو نہ دیکھ لیتے تو ان کو چین نہ آتا، جن کے لیے محبت کے سوتے دل میں خود بخود

پھوٹ نکلے تھے۔

☆......☆......☆

آصفہ کی خوشگوار زندگی باقی بہنوں کے لیے ایک معیار بن کر رہ گئی تھی۔ آصفہ نے سب کے اندازِ رہن سہن کو ہی بدل دیا تھا۔ پیسے کے معاملے میں اسے اقبال کی طرف سے بھی کبھی تنگی نہیں ملی تھی۔ سکندر راؤ بھی بے حساب رقم بچوں کے لیے دیا کرتے۔ آگے سے آگے ہر چیز آصفہ کے لیے "سکندر راؤ ہاؤس" منتظر ہوتی۔ گھر کا ہر فرد جان نثار کرنے کے لیے تیار نظر آتا۔ بچوں کی کشش انہیں بے چین رکھتی۔ اذان جو ڈھائی سال کا تھا جسے اب رشتوں کی پہچان بخوبی تھی۔ سکندر راؤ کی آفس سے واپسی پر ان سے چپکا رہ جاتا۔ جبکہ ڈیڑھ سالہ رادیہ ابھی اس سے اس قدر آشنا نہ تھی۔

آصفہ اپنے آپ میں بے حد مطمئن تھیں۔ ان کے پاس دو خوب صورت بچے تھے، ایک پیارا سا گھر تھا، دولت کی ریل پیل تھی، ہزاروں میں ممتاز شوہر تھا اور سب سے بڑی بات کہ چاہنے والی سسرال تھی وہ فکر کرتی تو کس بات کی بلکہ خدا نے تو انہیں چھپر پھاڑ کر دیا تھا۔ ان کی دو بہنیں یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھیں، دونوں بھائی جاب پر اور خالدہ بیگم اب دونوں بیٹوں کے اچھے مستقبل کے خواب دیکھتے ہوئے ان کے رشتوں کے لیے تلاش میں تھیں۔ ان کی نظر مصطفیٰ پر بھی تھی لیکن مناسب وقت کے انتظار میں تھیں موقع دیکھ کر اپنی بات نسرین کے کانوں میں ڈال دیں۔ اپنے اس خیال کا ابھی انہوں نے آصفہ سے بھی ذکر نہیں کیا تھا۔

ایسے ہی لمحوں میں جب نسرین بیگم نے ایک اہم نکتہ اٹھایا تو وہ لاپروائی سے سنتی رہی۔

"تمہیں یاد ہوگا آصفہ......شادی کے ابتدائی ایام میں میں نے تم سے ایک بات کہی تھی۔" آصفہ کی یادداشت بہت اچھی تھی، فوراً یاد آ گیا۔

"بیٹا اقبال کے ارد گرد خاندانی مسائل ہیں، سکندر کا رویہ تمہارے سامنے ہے۔ دیا کے لیے اب تک سکندر صاحب کو کوئی لڑکا موزوں نہیں لگا جبکہ میں سمجھتی ہوں کہ لڑکیوں کی شادیاں اس عمر میں ہو جانی چاہئیں، یہ پریشانیاں اقبال کی بھی ہیں لیکن وہ انہیں ظاہر نہیں کرتا کہ میں پریشان ہوں گی اور پھر میں یہ دیکھ رہی ہوں وہ بہت پریشان رہنے لگا ہے بہنوں کیلیے۔ لیکن کر کچھ نہیں سکتا، صبح کا گیا شام کو لوٹتا ہے۔"

"امی جان ان کی دفتری مصروفیات ہی کچھ ایسی ہیں۔"

"کیا تم نے بھی اس سے پوچھا۔"

"میں جانتی ہوں امی جان۔"

"تم نہیں جانتی بہو۔ میں اپنے بیٹے کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹیں دیکھ رہی تم اس کی شریک سفر ہو، اس کا دکھ بانٹو۔"

"نہیں امی جان میں قدم قدم ان کے ساتھ ہوں۔ ان کا خیال رکھتی ہوں، انہیں ہر ممکن سکون دینے کا سوچتی ہوں۔"

"بیٹا ایک بات کہوں۔ عورت کی بھرپور رفاقت مرد کو بالکل بدل کر رکھ دیتی ہے۔ عورت کے وجود میں بڑی کشش ہوتی ہے، بیٹا تم اس سے شیئر کرو۔"

"جی امی جان ضرور۔" اس نے کہا۔

"ہم نے سوچا تھا تمہارا وجود اس گھر کی ڈگر کو بدل دے گا۔ بہو اور پوتی پوتے گھر میں بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ پھر تمہاری حیثیت بے حد مستحکم ہے، تم اس گھر کے وارثوں کی ماں ہو۔ تمہاری نندیں صرف ہمارا ہی نہیں تمہارا معاملہ بھی ہیں۔ تم سکندر صاحب سے بات کرو، وہ ان معاملات پر سوچیں۔ جانے کس دنیا میں رہتے ہیں کہ بیٹیوں کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس موضوع پر ان سے بات کروں تو سنی ان سنی کر دیتے ہیں کہ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ تمہاری بات تسلی و غور سے سن بھی لیں گے اور شاید کوئی مثبت نتیجہ نکل آئے۔"

"جی امی جان کیوں نہیں۔ میری نندیں بہنوں جیسی ہیں۔ مجھے بھی ان کی اتنی ہی فکر ہے جتنی آپ کو اور اس سلسلے میں اقبال سے مشورہ کرتی رہتی ہوں۔ وہ بھی اس معاملے میں بہت پریشان ہیں، ان کا کہنا ہے رشتوں کی کمی نہیں ہے ابا جان مانیں تب ہے نا۔ پتا نہیں ان کے دل میں کیا ہے کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے۔ ان کی مرضی کے خلاف ہم کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ بچیوں کی بڑھتی عمروں سے وہ بھی خوفزدہ ہیں کہ وقت کے ساتھ حالات کے تقاضے بدلتے جا رہے ہیں مگر ابا جان وہ ہیں پرانے خیالات اور فرسودہ رسم و رواج کے مالک۔ آج کے دور کا ذرا اثر نہیں ہوا ان پر۔ اقبال بھی اسی پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ابا جان کو کس طرح راضی کیا جائے۔"

"ہاں بیٹا، بہت مشکل اور دشوار ترین مرحلہ ہے۔ اللہ ہی ہدایت دے ان کو۔" ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ ماں تھیں وہ، دن رات فائزہ دیا کی وجہ سے گھلتی رہتی تھیں۔ آصفہ ان کو حوصلہ دیتی ہوئی رادیہ کے رونے کی آواز سن کر اس کے پاس چلی گئیں اور وہ سوچوں میں گم بیٹھی رہ گئیں۔

☆......☆......☆

وہ تھکی ہاری ابھی آ کے لیٹی ہی تھی کہ دیا نے ایک دم ہی اس کے اندر تجسس پیدا کر دیا تھا۔

''اپیا کچھ خبر ہے آپ کو؟''

''نہیں تو......'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''جاننا چاہیں گی؟''

''اگر بتانے والی خبر ہے تو بتا دو۔'' بغیر کوئی تجسس اور اشتیاق ظاہر کئے سوالیہ نظروں سے دیا کو دیکھنے لگی۔

''ابا نے اپنے کسی دوست سے آپ کا رشتہ پکا کر دیا ہے۔ جو دبئی سے آیا ہوا ہے''

''کیا......؟'' وہ یکدم ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ساری تھکان ہوا ہو گئی۔

''ہاں۔ انہوں نے آپ کا رشتہ مانگا تھا۔ قسمت کا لکھا ٹال نہیں سکے ابا۔''

''تمہیں یقین ہے جو تم نے سنا ہے وہ سچ ہے۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں، اپنے کانوں سے سنا ہے۔''

''میں تمہیں جھوٹا نہیں کہہ رہی، مگر کس سے سنا؟''

''وہ ابا کے آفس آئے تھے آج، وہیں بات کی انہوں نے، گھر آ کر ابا نے ان کو فون کیا کہ جس روز چاہیں منگنی کی ہلکی پھلکی رسم کر جائیں۔''

''تم کہاں تھیں اس وقت؟''

''ابا کو چائے دینے گئی تو وہ فون پر باتیں کر رہے تھے کہ فائزہ آج سے تمہاری بہو ہوئی۔ جس روز چاہو آ کر انگوٹھی پہنا جاؤ اور میں نے یہ سب باتیں دروازے کے باہر چھپ کر سنی تھیں۔''

''کتنی بُری بات ہے۔'' اس نے ملامت کی۔

''بُری بات تو ہے لیکن کیا کروں، بات ہی اتنی خوشی کی تھی۔''

''یہ بتاؤ کون سے دوست، شفیق مراد صاحب جو اکثر یہاں آتے ہیں۔''

''نہیں ابو کوئی اور نام لے رہے تھے۔'' دیا نے کچھ دیر سوچا پھر نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''نام یاد نہیں آ رہا۔''

''خیر نام کو چھوڑو، یہ بتاؤ اور کیا باتیں ہوئیں؟''

''پتا نہیں۔ اتنا ہی سنا تھا۔'' دیا نے کہا تو اس کے اندر جو اچانک تجسس جاگا تھا مایوسی میں بدل گیا۔ وہ دوبارہ لیٹتے ہوئے بولی۔

''چلو جاؤ، بھابی روٹیاں بنا رہی ہیں۔ تم کچھ ہاتھ بٹا دو ان کا۔''

اسی وقت امی اسے پکارنے لگیں تو دیا اُٹھ کر چلی گئی۔ کچھ دیر دیا کی بات کو سوچا، پھر منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

رات بھر وہ باقی لمحے سو نہ سکی۔ وہ حادثہ اس کے ذہن میں پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔ ہر چیز اس کے ذہن میں گردش کرتی رہی، صبح سب لوگ جاگ چکے تھے لیکن وہ ہنوز بستر میں پڑی رہی۔ بھابی نے اسے زبردستی ناشتے کے لیے اٹھایا، وہ ان کے کہنے پر اٹھ گئی اور زبردستی چائے کے ساتھ ایک سلائس لیا۔

''فائزہ تم یہ جان کر حیران ہو جاؤ گی کہ ابا جان نے تمہاری بات اپنے دوست کے بیٹے سے طے کر دی ہے، بس ایک دو روز میں چھوٹی سی تقریب میں انگوٹھی پہنا جائیں گی۔''

اس نے خاموشی سے بھابی کی بات سنی اور خالی خالی نظروں سے بھابی کو تکنے لگی۔

''یقین کرو جو کچھ تم سن رہی ہو وہ سچ ہے۔''

وہ اس کو پیار کرنے لگیں اور دھیرے سے اس کی پیشانی چوم لی۔

''تمہارے ذہن میں جو ایک خالی خاکہ ہے اس خاکے میں خوب رنگ بھرنے کا وقت آ گیا ہے، اپنے تصور کو، ان قوس وقزح کے رنگوں کو اپنی کے مطابق بھرلو۔''

گم صم فائزہ بیٹھی جانے کیا سوچتی رہی۔

''بھول جاؤ سب کچھ فائزہ، ذہن سے کھرچ دو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بھابی بس......؟''

''فائزہ بیٹیاں پرائے گھر ہی جانے کے لیے ہوتی ہیں۔ مریم گئی، تم جا رہی ہو پھر دیا بھی چلی جائے گی۔''

اس نے سر جھکا لیا۔

''دل سے سب وسوسے، خدشے نکال دو۔ ہم سب کو تم بہت پیاری ہو۔''

آصفہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ہمایوں بہت ہنس مکھ، بے حد شفیق انسان ہے، محبت سے پیش آنے والا، کچھ دیر کے

لیے ملے تھے اس نے تو دل ہی موہ لیا ہمارا۔ بہت مان کے ساتھ اپنا رہا ہے وہ تمہیں، خدا کی قسم وہ بہت عزیز رکھے گا تمہیں۔ اپنی جان سے زیادہ پیار کرے گا، تم خواہ مخواہ اس کے لیے پریشان نہ ہو، بہت اچھا لڑکا ہے۔''

اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

پھر وہ اپنی خودساختہ اور اس حادثے کی خواہشات سے مکمل طور پر نکل آئی۔ نجانے کیوں دل ایک ہی ہلکا پھلکا ہو گیا۔

اس نے سب کی رضا میں اپنی رضا بھی شامل کر دی اور کوئی نکتہ اٹھائے بنا جیسے گھر والوں نے کہا کرتی چلی گئی۔

''آصفہ! فائزہ سے بات ہوئی تمہاری؟'' نسرین بیگم نے فائزہ کے بارے میں اس سے پوچھا۔

''کچھ نہیں امی۔''

''کیا مطلب؟'' وہ دھک سے رہ گئیں اس نے انکار تو نہیں کر دیا۔

''کچھ نہیں کہا اس نے، وہ ابا جان کے فیصلے پر راضی ہے، اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''سچ کہہ رہی ہو بہو؟''

''جی امی جان۔ آپ کو اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں؟''

''یہ بات نہیں بیٹا حالات و واقعات بعض اوقات ایسے ہو جاتے ہیں کہ ہم مجبور ہو جاتے ہیں۔ وہ خوش ہے ہمارے فیصلے سے؟''

''ہاں کیوں نہیں امی جان، آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ وہ خوش ہے، بس اس کے نصیب اور خوشیوں کے لیے دُعا کرنی چاہیے۔''

''ہاں بیٹا دعا کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں، یہ دعا اور فائزہ کا صبر ہی ہے کہ اتنا اچھا رشتہ اس حادثے کے بعد مل گیا ورنہ کہاں امید تھی۔''

''جو ہوا بہتر ہی ہوا، پرانی باتیں یاد نہ کریں اور نہ ہی فائزہ کے سامنے ایسی کوئی بات کرنا۔''

''سمجھ رہی ہوں اور بات بھی ٹھیک ہے۔''

پھر چھوٹی سی تقریب میں فائزہ کو انگوٹھی پہنا دی گئی۔ فائزہ کے جذبات واحساسات

عجیب سے ہو رہے تھے۔ اس نے والدین کی خاطر قربانی دی تھی۔ ورنہ اس کا تو دل بجھ گیا تھا۔

لان میں بچھے صوفوں اور کرسیوں پر سب براجمان تھے۔ مریم، دیا پھر رہی تھیں، سب کی نظریں ان کے چہرے پر لگی تھیں، بیٹی پھر بیٹھی تھی، جانے کس سبب اتنی خفا تھی۔ ایک مشرقی لڑکی کے ناتے شرم وحیا میں جکڑی اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بندھن میں بندھ جانے کے لیے تیار تھی۔

سب ہی اس خوشی کے موقع پر فائزہ کے لیے دعا دے رہے تھے۔

بھابی اور دیا جب سے ہمایوں کے گھر سے ہو کر آئی تھیں تب سے ہمایوں کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہی تھیں۔

''اپنا الجھا ہوا ذہن صاف کر لو فائزہ، میں تم سے کوئی مذاق نہیں کر رہی۔ ہمایوں بہت اچھا لڑکا ہے بے حد اچھا۔ ایسے رشتے خوش نصیب لوگوں کو ملتے ہیں، اللہ نے تمہیں اتنا اچھا جیون ساتھی دیا ہے جو تمہارے بکھرے خوابوں کو سمیٹ لے گا، وہ تمہیں شدتوں کے ساتھ چاہنے لگا ہے، کم سے کم تم اس کے بارے میں خیالات تو اچھے رکھو۔''

''میں کب بُرے خیالات رکھتی ہوں؟''

''تمہاری سوچوں اور خاموشی سے ظاہر ہوتا ہے۔''

''غلط اندازہ ہوا ہے آپ کو۔''

''خوش نصیب لوگوں کو من چاہی زندگی ملتی ہے اور تمہیں ایسا ساتھی ملا ہے جس کی خواہش لوگ کرتے ہیں اور اس کی زندگی میں تمہارے سوا کوئی نہیں۔''

''جی۔'' اس نے مختصر کہا۔

''اچھی امیدوں کا دامن اپنے ہاتھ میں رہنے دو اور اپنی زندگی کی ڈور ہمایوں کے ہاتھ میں دے دو۔''

وہ خوفزدہ تھی جانے اگلے پل کیا ہو۔ اس کا خیال تھا انسان درحقیقت وہ نہیں ہوتے جو پہلے پہل نظر آتے ہیں یا لگتے ہیں۔ اس نے شہزاد کو بھی ایک اچھا انسان سمجھا تھا لیکن اس کا رزلٹ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اب ہمایوں......؟

خدشات تو ذہن میں ہوتے ہی ہیں لیکن جب ایک حادثہ ہو چکا ہو تو بے یقینی دل میں بیٹھ جاتی ہے اور پھر یقین آتے آتے وقت لگتا ہے اور ایک اچھا انسان ہی برے حالات کے اثر کو زائل کر سکتا ہے، اور وہ اچھا انسان ہمایوں اس کے ساتھ میں لکھ دیا گیا لیکن ابھی وہ بے یقینی کی کیفیت میں ڈول رہی تھی۔

☆......☆......☆

ابھی مہندی کی رسم شروع نہیں ہوئی تھی۔ فائزہ کے سسرال والے آنے والے تھے۔

البتہ فائزہ آج بھی بہت خاموش تھی، وہ ایک لفظ نہیں بولی کہ اپنی ہی ذات سے مجاہدہ کرنا اس کا مقدر ٹھہرا تھا۔

باہر فائزہ کے سسرال والے آ گئے تھے۔

ہلچل سی مچ گئی تھی۔

موسیقی کا شور بڑھ گیا تھا۔

ہنگامے عروج پر آ گئے تھے۔

چراغوں کی لو ایک دم بڑھ گئی تھی۔

اندر کے اندھیروں نے باہر کے اجالوں کو اور روشن کر دیا تھا۔ بہت زور و شور بھنگڑوں کے ساتھ اس کی مہندی کی رسم ادا کی گئی کیونکہ اس کے سسرال والے بہت ماڈرن اور دولت مند تھے۔ انہوں نے اپنی دولت کی خوب نمائش کی تھی۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں دنگ رہ گئی تھیں۔ انگلیاں دانتوں میں دبی رہ گئیں، ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔ اتنا بڑا حادثہ پیش آنے کے باوجود اتنی اچھی جگہ شادی کیسے ہو رہی ہے، لوگوں کے دلوں میں حسد جاگ اٹھا۔

لیکن بات تو مقدر کی ہوتی ہے، اس سے آج تک کون لڑ سکا ہے پھر اس نے کسی کی جھلک تک نہ دیکھی۔ اگر کسی نے ملنا بھی چاہا تو بھابی نے اس کے سر درد کا بہانہ عذر بنا کر پیش کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے بھابی کو کہا تھا کوئی اسے پریشان نہ کرے وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔

رات دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی۔

ہنگامے سرد پڑتے جا رہے تھے، ایک ایک کر کے مہمان رخصت ہو گئے تھے۔

اور چراغاں کا سماں اسی طرح تھا۔

خاموش اور جلتے بجھتے بلب

روشنی اپنے اندر بہت اسرار چھپائے ہوئے تھی۔

لوگ تھک کر سو گئے تھے۔

مگر فائزہ جاگ رہی تھی۔

پتہ نہیں کیوں؟

اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

بلب بجھانے کے باوجود باہر کی روشنیوں نے اس کا کمرہ منور کر رکھا تھا اور دیوار پر پڑتے ہوئے سایوں کو دیکھ کر وہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

فائزہ کے انگ انگ میں مسرتوں کی بجلیاں رقص کرتی نظر آ رہی تھیں، اس کے خوابوں جو تعبیر اسے ملی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کی پنک، بلیو اور سی گرین کے رنگوں کے امتزاج لہنگے میں بیحد دلکش اور من موہنی نظر آ رہی تھی۔ ہمایوں بھائی پاس ہی صوفے پر بیٹھے تھے۔

''آیئے آیئے محترمہ سالی صاحبہ۔''

دیا کے استقبال کے لیے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تشریف رکھئے دلہا بھائی جی ہمیں ایسے استقبال کی ضرورت نہیں۔''

''آپ کی بہن صاحبہ کئی بار آپ لوگوں کا پوچھ چکی ہیں۔''

''ایپا نے یاد کیا اور چلے آئے۔''

دیا نے پیار سے فائزہ کو دیکھتے ہوئے کہا، وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اس نے دل ہی دل میں ڈھیروں بلائیں لے ڈالیں۔

''آؤ دیا آؤ، بڑی سنگدل ہو۔ یہ وقت آنے کا ہے بھلا میں صبح سے۔''

''جھوٹ نہیں، جھوٹ نہیں، کسی کا انتظار و نتظار نہیں آپ کی بہن کو بلکہ یہ تو شکوہ کناں ہیں کہ لوگ ہماری خلوت میں دخل اندازی کر رہے ہیں چاہے سماج سے بچاؤ کا سٹیفکیٹ ہاتھ میں ہو، تب بھی ظالم سماج اپنا کام دکھانے سے باز نہیں رہتا۔''

فائزہ سرخ ہو گئی۔ پیار بھری خفگی سے ہمایوں کو گھورا، اتنے میں ان کے سسرال والوں اور لڑکیوں کا ریلا کمرے میں آ گیا اور ہمایوں باہر چلا گیا۔

فائزہ کے دل سے سارے خوف اندیشے نکل گئے تھے۔ ہمایوں اس کی سوچوں سے بھی اچھا نکلا۔ وہ جتنا اپنے رب کا شکر ادا کرتی کم تھا۔

یہ اس کے صبر کا پھل تھا۔ ہمایوں کی صورت میں جو اسے ملا تھا۔ فائزہ کے جانے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے، وہ دبئی سدھار گئی وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔

☆......☆......☆

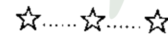


زندگی کتنی بے مصرف ہوگئی تھی۔ اس کا اندازہ دیا کو آج ہو رہا تھا۔ فائزہ اپیا کے جانے پر گھر بالکل خالی ہوگیا۔ وہ اتنے بڑے گھر میں سب کے ہوتے ہوئے تنہا ہو کر رہ گئی۔ رات کو بستر پر لیٹتی تو اپیا کی بہت یاد آتی۔ تو آنکھوں سے اشک بہنے لگتے، بہت سارے دن تو وہ یوں ہی مس کر کے روتی رہی لیکن پھر اس نے خود کو سیٹ کر لیا۔

ایسے میں اس نے ملازمت کے بارے میں سوچا اور اس پر وہ بہت اچھی طرح سوچنے کے بعد اس نے اپنی دوست سے بات کی جو ایک مقامی کالج میں پرنسپل تھی۔ اس نے اپنی C.V جمع کرا دی اور چند دنوں بعد ہی اسے اپائنٹ منٹ لیٹر مل گیا کیونکہ یہ سیٹ کافی عرصے سے خالی تھی۔ جب دیا نے اپنی دوست سے بات کی تو اس نے فوری طور پر اسے سلیکٹ کر لیا کیونکہ اس کا تعلیمی کیریئر بہت اچھا تھا۔

اپلائی تو وہ کر چکی تھی لیکن ابا جان کی اجازت کے بغیر وہ ملازمت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے انجوائے منٹ کے لیے اپلائی کیا تھا اور اسے امید بھی نہیں تھی کہ اسے آفر آ جائے گی اور اسے کن مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔

ابا جان کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور سختی سے منع کر دیا کہ وہ ملازمت نہیں کر سکتی۔ اس نے ہر ممکن چاہا کہ جوائن کرے لیکن اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا اور یہاں تک کہ اس کا مقدمہ آصفہ بھابی نے لڑا اور بہت کوششوں کے بعد آخر کامیاب ہو گئیں اور وہ بھی بہت سی شرائط کے ساتھ جن کی دیا پابند کر دی گئی۔



وہ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے پروگرام دیکھ رہے تھے کہ سکندر اکبر راؤ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ اقبال نے اٹھ کر ٹی وی بند کر دیا کیونکہ ابا کو بہت ناگوار گزرتا تھا گھر میں شور شرابا

ہنگامہ ہو، ان کے آتے ہی خاموشی چھا جاتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا گھر میں کوئی موجود ہی نہیں۔ سکندر راؤ نے ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا تو دیا اٹھ کر باہر جانے لگی تو ابا نے اسے آواز دے کر روکا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ابا کو اس کی جاب کا پتا چل گیا ہے۔ لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ ان کو کس نے بتایا۔

"تو تم جاب کرنا چاہتی ہو؟" انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی......" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی یہ پوچھنے کی ہمت نہ کر سکی کہ آپ کو کس نے خبر دی۔

"اس کا مطلب ہے تمہارے اخراجات یا تمہاری ضرورتیں پوری کرنے میں ناکام رہا ہوں۔" ان کی تیز آواز پر اس کی والدہ بھی کچن سے ٹی وی لاؤنج میں آ گئیں۔ وہ مکمل طور پر ہاؤس وائف تھیں، وہ ڈر کر ان کے پیچھے ہوگئی۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا جو غصے میں بھرے بیٹھے تھے، جو گھر کے باہر خوش مزاج اور نرم خو تھے لیکن گھر کے اندر ایک ظالم شوہر، سخت مزاج باپ اور گھر کا روایتی سربراہ۔

"پوچھو اپنی بیٹی سے یہ لیکچرار بننے جا رہی ہے۔"

"نہیں ابا وہ......" اس نے دانتوں سے ہونٹوں کو کاٹا اور الفاظ ترتیب دینے لگی۔

"مجھے کالج سے اچھی آفر ہوئی تو میں نے قبول کر لی۔" اس نے خود کو مضبوط ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اسی طرح ہوتا ہے، پہلے جاب، پھر فرار کے راستے اور پھر مکمل آزادی۔"

"کیا آپ کو اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں؟" دیا نے آخر کہہ ہی دیا۔

اس سے پہلے کہ ابا کچھ بولتے اقبال درمیان میں آ گئے۔

"ابا یہ دیا کی ضرورت تو نہیں ہے ہاں شوق ضرور ہے، فارغ رہتی ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہے۔"

اقبال کی مداخلت نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"تم چپ رہو میاں۔" سکندر راؤ نے دہاڑ کر کہا۔

"تمہارا باپ دن رات محنت کرتا ہے، تفریح نہیں کرتا پھرتا۔ یہ گھر، یہ گاڑی یہ شان و شوکت میری دن رات کی محنت کا نتیجہ ہے۔ میں نے تمہیں پال پوس کر اس لیے بڑا کیا ہے کہ تم میرے سامنے اپنی مرضی چلانے لگو۔"

''ابا ہر کام آپ ہی کی مرضی سے ہوتا ہے۔'' بیٹے نے باپ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''میں سب سمجھتا اور بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں، یہ سب تمہاری شہ پر ہو رہا ہے اب تم جوان ہو گئے ہو نا۔''

''نہیں ابا یہ بات نہیں ہے، آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''کیا سمجھانا چاہتے ہو تم مجھے، تمہارا باپ ہوں میں، تم میرے باپ نہیں ہو۔'' سمجھے۔

''تمہارا یہ ٹھاٹ باٹھ، یہ دولت کی فراوانی سب میرے دم سے ہے مجھے یہ سب بیٹھے بٹھائے نہیں مل گیا تھا، تمہارے باپ کی طرح میرے باپ نے مجھے یہ سب سہولتیں نہیں دی تھیں۔ خون پسینا ایک کیا ہے میں نے ان سب کیلئے۔''

''ان سب باتوں کا یہاں کیا مطلب۔'' شوہر کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

''مطلب یہ بیگم کہ یہ اپنے آپ کو میری جگہ نہ سمجھے۔ دیا کو ملازمت کی اجازت تمہارے بیٹے نے دی تھی یہ کون ہوتا ہے بھلا اجازت دینے والا اور سن لو برخوردار تم بھی۔'' انہوں نے بیٹے کو اشارہ کیا۔

''آج کے بعد میں تم سے کسی کو دیا کی ملازمت کی حمایت کرتے نہ دیکھوں۔ لڑکیاں گھر میں رہتی ہی اچھی لگتی ہیں، تم کیا جانو لڑکی کا گھر سے باہر قدم رکھتے ہی آزادی کا پہلا قدم ہوتا ہے جو وہ اپنا سفر شروع کرتی ہے، دنیا باہر کی طرف ہے اور اندر کیا ہے، ابھی یہ سمجھنے میں تمہیں بہت وقت درکار ہے۔''

وہ اپنا بریف کیس اٹھا کر کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

لاؤنج میں چار لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی گہری خاموشی طاری تھی گویا تینوں ذی نفس موی مجسمے ہوں، جیسے کسی نے جادو کے زور سے جو جہاں تھا اسے وہیں ساکت کر دیا ہے۔ آخر خاموشی کی چادر کو ماں کی آواز نے توڑا۔

''سن لیا تم لوگوں نے، میں نے پہلے ہی منع کیا تھا کہ تمہارا باپ کبھی تمہیں ملازمت کی اجازت نہیں دے گا۔ سکندر براڈ مائنڈڈ نہیں، اندر سے دقیانوسی راجپوت ہیں۔ جو صرف راجپوتی کے زعم میں رہتے ہیں، ارے ان کے خاندان میں تو لڑکیوں کو تعلیم بھی نہیں دلواتے لیکن یہاں تمہارے ابا نے بڑی بہادری دکھائی کہ بنا روک ٹوک کے تم لوگوں کو اچھی تعلیم دلوائی۔ یہاں وقت

اور حالات کے تقاضوں نے ان کی سوچوں پر گہرا اثر ڈالا کہ آج معاشرے میں تمہارا اپنا ایک مقام ہے۔''

''سن لیا نا آپ نے بھی کہ دنیا باہر سے کچھ ہے اور اندر سے کچھ۔ سمجھ میں نہیں آتی وہ کس کا بدلہ ہم سے لے رہے ہیں، پیسہ دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا، اگر ہمیں شعور دیا ہے تو ہمیں اپنے فیصلے کرنے کا حق بھی دیں، نکل آئیں اس پرانے زمانے کی راجپوتی سے، آج کے راجپوت کو دیکھیں جو صرف اپنا فائدہ دیکھتا ہے، ان کی بچیاں جہاز تک اڑا رہی ہیں، ایک ہمارے ابا ہیں جو دیا کو جاب کی اجازت نہیں دے رہے۔ ابا کو صرف رُلانا آتا ہے صرف رُلانا، گھر میں آتے ہی ایک سخت مزاج کے استاد کی طرح ہاتھ میں ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

مصطفیٰ غصے سے کہتا ہوا اپنی جیکٹ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

مصطفیٰ اپنی جگہ ٹھیک تھا۔ اس نے ایک لفظ بھی تو غلط نہیں کہا تھا۔ لیکن ابا کو کون سمجھاتا۔ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ ان کے نزدیک سب بے وقوف اور بے سمجھ تھے۔ یہی ان کی غلط فہمی تھی۔

اب نسرین بیگم کی حاضری تھی وہ سر جھکائے شوہر کے سامنے بیٹھی تھیں کہ اب کیا حکم دیں گے اور نیا ہنگامہ شروع، وہ دل ہی دل میں کسی نئے جھگڑے سے نجات ملنے کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں لیکن ان سب کی دعائیں رد ہو گئیں، کمرے میں ایک دم ان کی غصیلی اور مضبوط آواز گونجی، ایک لمحہ کے لیے وہ ڈر سی گئیں۔

''آپ جانتی ہیں نسرین بیگم، ہمارے خاندان میں آج تک کسی لڑکی نے نوکری نہیں کی اور دیا چلی ہے نوکری کرنے اور وہ بھی میری اجازت کے بغیر۔ یہ سب آپ کی شہ پر ہو رہا ہے کہ اسے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ ملازمت کے لیے تیار ہو گئی۔ مجھے اس قابل بھی نہیں جانا اجازت لینا ہی پسند کر لیا جاتا۔''

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں، شاید آپ کو یاد نہیں دیا نے ذکر کیا تھا جب کالج سے اسے آفر ہوئی تھی، پرنسپل دیا کی دوست ہے اسی نے دیا کو کال کی تھی۔ آفر اتنی اچھی ہے کہ اس نے ہامی بھر لی۔''

''میرے سامنے بھی اسی بات کا ذکر کیا جاتا ہے جو ضروری ہوتی ہے اس کے علاوہ کیا ہو رہا ہے مجھے خبر تک نہیں ہوتی۔''

''آپ غلط فہمیوں کا شکار ہو رہے ہیں جبکہ گھر میں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی آپ کی مرضی کے بغیر۔''

''اس کا مطلب ہے میں جھوٹا ہوں۔'' وہ دھاڑے تھے، غصے کی شدت سے سبز رگ ان کے ماتھے پر ابھر آئی۔

''آپ مسلسل اس وقت سے مجھے جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ کہنا کیا چاہتی ہیں آپ میں جھوٹا ہوں۔''

''میں آپ کو جھوٹا نہیں کہہ رہی اور نہ ہی میری یہ مجال کہ آپ کی کسی بات سے انحراف کرسکوں۔'' وہ منمنائی تھیں، ان کے سامنے ہمیشہ وہ بھیگی بلی بن جاتی تھیں بہت ہمت کر کے بات کرتی تھی۔

''ہوسکتا ہے آپ نے نہ سنا ہو۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''اوہ اب میں بہرہ بھی ہو گیا ہوں۔ آپ نسرین بیگم میری اولاد کو میرے خلاف کر رہی ہیں ان کو باغی کر رہی ہیں، بہت نقصان اٹھاؤ گی...... آج میرے خلاف کرو گی تو کل تمہارے خلاف ہو جائیں گے۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ کی اولاد بہت فرمانبردار ہے، آپ کی مرضی و رضا کے بغیر کبھی کوئی کام نہیں کرے گی۔''

''اس کا پہلا ثبوت تو دیا کی ملازمت ہے، جانتی ہیں بیگم میں آفس کے لیے نکلا تو پوسٹ مین آ گیا اور مجھے ڈاک دی جو میں ساتھ ہی لے گیا۔ فارغ ہو کر دیکھا تو دیا کا اپائنٹ منٹ لیٹر تھا۔ تب سے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی مگر کام میں بری طرح مصروف تھا۔''

''اگر آپ نہیں چاہیں گے تو ملازمت نہیں کرے گی، لیکن فارغ رہنے سے تو بہتر وہ کہیں مصروف ہو جائے، خالی ذہن و دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔''

''گھر کے کاموں میں دل لگائے، گھر کے تھوڑے کام ہوتے ہیں۔''

''گھر کے کام ہی کتنے ہوتے ہیں، میں اور آصفہ دیکھ بھال کر لیتے ہیں۔ دیا تو پڑھائی لکھائی میں لگی رہتی ہے، میری درخواست ہے آپ اسے اجازت دے دیں۔'' نسرین بیگم نے ان کو سمجھانا چاہا لیکن وہ تو جیسے پھٹ پڑے۔

''ہمارے خاندان کے رسم و رواج بھول گئی ہیں کیا آپ؟ آج تک ایسا ہوا ہے کیا؟ آپ چاہتی ہیں دیا کو ملازمت کی اجازت دے دوں؟''

''اگر خاندان ہی کی بات ہے تو کیا کچھ نہیں ہو رہا۔ اگر کبھی کاروبار سے فرصت ملے تو ایک ایک چکر لگا لیجیے، سب معلوم ہو جائے گا۔ اقبال بھائی کے بیٹے نے غیر فیملی سے شادی کر لی، آپا کلثوم کے بیٹے کا چکر ایک اداکارہ لڑکی کے ساتھ چل رہا ہے۔ محسن بھائی کے بیٹے نے قریشی خاندان میں شادی کر لی اور اب تو جس کو جہاں مناسب رشتہ ملتا ہے وہیں کر لیتے ہیں کسی کی پرواہ نہیں کرتے اور علی بھائی کے بیٹے کی شادی پٹھان فیملی میں ہوئی ہے اور انہوں نے اپنی بیٹی بھی پٹھان فیملی میں دی ہے۔ تو کیا وہ لوگ ہمارے خاندان کے نہیں، جب ہم ان کو کچھ نہیں کہتے، باتیں نہیں بناتے تو ہم ہی رہ گئے ہیں خاندان کے لوگ ہم پر انگلیاں اٹھائیں، ہمیں طنز و مزاح کا نشانہ بنائیں۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب کیا ہے؟''

''مطلب کچھ نہیں''

''مگر میں اپنے گھر میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا۔'' انہوں نے ٹھوس مگر غصے بھرے مضبوط لہجے میں کہا۔

نسرین بیگم نے ان کو جو باتیں بھی بتائیں ان کا سکندر راؤ پر ذرا اثر نہیں ہوا تھا، ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ وہ اپنے ارادوں اور فیصلوں میں اور سخت ہو گئے تھے۔ پہلے بھی ہر فیصلہ ان کی مرضی سے ہوتا تھا اور اب بھی سب فیصلوں کی ڈور ان کے ہاتھ میں تھی۔

''ہمیشہ ایک ہی نظر کی عینک نہیں رہتی نمبر بدلتے رہتے ہیں۔ وقت اور حالات کا تقاضا یہی ہے کہ خود کو وقت کے ساتھ ڈھال لیا جائے اور اسی کے مطابق نظر کی عینک لگائی جائے۔''

حد درجہ سنجیدگی کے ساتھ کہتے ہوئے انہوں نے سر جھکا لیا۔ ان کا لہجہ ٹھہرا ہوا اور نرم تھا اور چہرہ کسی بھی تاثرات سے عاری تھا۔

''جو لڑکیاں گھر میں رہتی ہیں گویا وہ شیطان کے قبضے میں ہوتی ہیں۔''

اب کی بار وہ خاموش رہیں کیا کہتیں وہ، خاموشی میں ہی عافیت تھی۔

''آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟''

''اتنے اچھے اچھے پرپوزل آ رہے ہیں تو پھر دیا کی شادی کر دیں۔''

وہ بولیں تو گویا ان کے قریب بم بلاسٹ ہو گیا ہو۔

''شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر کیا جاتا ہے، ہر ایرے غیرے کو ہاتھ نہیں پکڑا سکتے۔ جب دیا کے معیار پر کوئی رشتہ اترا تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



میں ہاں کر دوں گا۔ دونوں کا بھی تو کیا ہے نا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر کہیں نہ کہیں کوئی کمی بیشی تو رہے گی، اس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اس کو اپنے گھر کا کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"کچھ اندازہ ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں کہ میں اپنی بیٹی کو کسی ایسے کو تھما دوں جو کھاتا کماتا نہ ہو اور کوئی بھی نقص ہو نظر انداز کر دوں؟ سکندر راؤ کبھی کسی ایسے شخص کو اپنی بیٹی کا ہاتھ تھما دے کہ پھر وہ ساری زندگی سر پکڑ کے روتی رہے اور مجھے کوستی رہے۔ نہیں نسرین بیگم نہیں۔ میں یہاں کسی کی ایک نہیں چلنے دوں گا، اپنی مرضی سے دیا کی زندگی کا فیصلہ کروں گا جہاں میرا دل مطمئن ہوگا۔"

"آپ نہیں سمجھیں گے سکندر کبھی نہیں۔ یہی عمر ہوتی ہے لڑکیوں کی شادی کی عمر نکلنے کے بعد اچھے رشتے نہیں ملتے، میں اس وقت سے ڈرتی ہوں جب لوگ ہماری دہلیز پر آنا چھوڑ دیں گے، عورت کو ایک ایسی چھت چاہیے جو اس کا مضبوط سہارا ہو۔ مرد عورت کو تحفظ دیتا ہے وہ اس کا سائبان ہوتا ہے، دنیا کی نظروں سے بچا کر اپنی عزت بنا کر اس کی حفاظت کرتا ہے، عورت ہمیشہ سے تحفظ اور مرد کے نام کی متلاشی ہوتی ہے اور یہی اس کی زندگی، اس کی جنت، اس کا گھر ہوتا ہے۔"

نسرین بیگم سوچ کر رہ گئیں مگر کہہ نہ پائیں۔ ان کی نظریں کسی غیر مرئی شے پر جمی تھیں، وہ بغور سکندر کی باتیں سن رہی تھیں لیکن بولنے کا یارا نہ تھا۔ وہ کتنی دیر تک اسی کیفیت میں بیٹھی رہیں۔ بمشکل خود کو بولنے کے قابل بناتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"گھر میں بیٹی کو بٹھائے رکھیں گے تو لوگ باتیں سنائیں گے، کس کس کا منہ بند کر سکیں گے ہم۔ خاندان میں چھوٹی چھوٹی عمروں میں لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے تو ہم بھی خاندان کی رسم و رواج کے پابند ہیں، اگر ملازمت کرتے وقت خاندان کے لوگوں کی پرواہ کرتے ہیں تو بیٹی کو گھر بٹھائے رکھنے میں بھی ہمیں ان اقدار کا خیال رکھنا چاہیے جو راجپوت ہونے کے ناطے ہمارے پیروں کی زنجیر بنی ہوئی ہیں اور ہم ان بیڑیوں کو توڑنے کی ہمت نہیں کر پاتے۔ اپنا اچھا بھلا سب لوگوں کے خوف سے کرنے سے ڈرتے ہیں، جب ہم کسی مشکل اور دشواریوں سے گزر رہے ہوتے ہیں تب تو کوئی ہماری مدد کو نہیں آتا ہاں مگر جب ہم خوشحال اور اچھی زندگی گزاریں تو ہر ایک کو تکلیف ہوتی ہے اور بڑھ چڑھ کر باتیں بنائی جاتی ہیں۔ اگر ہم اتنا ہی ان کی باتوں کا خیال کرتے ہیں تو ہر معاملے میں ہمیں ان کی باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔"

وہ بولنے پر آئیں تو بولتی گئیں۔ وہ یہ بھی بھول گئیں کہ کس کے سامنے بول رہی ہیں۔ وہ حق کے لیے بولی تھیں اور دیا کا حق دلانا چاہتی تھیں۔

"بہت اچھی تقریر کی نسرین بیگم آپ نے، ویلڈن۔ مگر یہ بھول گئیں یہ تقریر لفظوں کی مار کسی سیمینار میں نہیں کر رہیں بلکہ اپنے شوہر کے سامنے کر رہی ہیں۔ تو نسرین بیگم کان کھول کر سن لیجیے۔ لوگوں کا کیا ہے، انہیں تو بولنے کے لیے کچھ نہ کچھ چاہیے، یہی ہوتا ہے آپ کا کیا خیال ہے اگر ہم نے دیا کی شادی نہیں کی تو لوگ ہمیں گھر سے نکال دیں گے، بیگم میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا اور آپ بھی لوگوں کی پرواہ کرنا چھوڑ دیجیے۔"

"بہت معذرت کے ساتھ یہی تو میں کہنا چاہتی ہوں کہ لوگوں کا کام بولنا ہوتا ہے، اچھا ہو یا برا ہر صورت میں طنز و مزاح ان کی عادت بن چکی ہے، ہمیں صرف اپنا فائدہ نقصان دیکھنا چاہیے اور وہ ہی کام کرنا چاہیے جو ہمارے لیے بہتر و مناسب ہو۔ اگر دیا ملازمت کرنا چاہتی ہے تو اس میں برائی کیا ہے، خواتین کالج سے آفر آئی ہے، باعزت اور ہر لحاظ سے اچھی ملازمت ہے، میرا نہیں خیال کہ دیا کو اس آفر سے محروم کر دیا جائے، آپ خود سمجھ دار ہیں، اچھی طرح سوچ سمجھ لیجیے۔"

"ارے خلقت شہر تو کہنے کو فسانے مانگتی ہی ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم جلد بازی میں غلط فیصلہ کر کے خود کو تماشا بنا لیں، یہ تو بالکل یوں ہے سر ڈھکا تو پیر کھول دیئے۔"

انہوں نے مدلل لہجے میں کہا تو وہ خاموش ہو گئیں مصلحت کا تقاضا یہی تھا کیونکہ گلیشیر کچھ پگھلتی نظر آئی تھی، انہیں ڈھیلا پڑتے دیکھ کر انہوں نے ایک ضرب اور لگائی۔

"اس میں کوئی برائی نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں گے تو دیا جوائننگ لے کر گی ورنہ آپ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرے گی، اپنی اولاد پر اتنا بھروسہ و یقین تو ہونا چاہیے آپ کو۔"

"ہوں ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور آپ لوگوں کو بھی اس وقت کا صبر سے انتظار کرنا چاہیے۔"

ان کے کہنے کا مطلب تھا اب آپ جا سکتی ہیں۔ نسرین بیگم نے بھی بحث سمیٹتے ہوئے اٹھنے میں ہی عافیت جانی اور وہ کھانا لگانے کا کہہ کر کمرے سے نکل آئیں، ان کے نکلتے ہی وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئے اور سوچوں میں گم ہو گئے۔ آصفہ ان کو کھانے کا کہنے آئی تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور چائے کی ایک پیالی کی فرمائش کر دی۔ اس وقت انہیں چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، دن بھر کی تھکن، دیا کا اپائنٹ منٹ لیٹر، اقبال

اور مصطفیٰ کی باتیں اوراب نسرین بیگم کی لمبی چوڑی گفتگو۔ وہ واقعی ہی ڈسٹرب ہو گئے تھے، آصفہ چائے لے کر آئی تو اس نے بھی دیا کی ملازمت کی حمایت کی تو سکندر راؤ آصفہ کا کہا ٹال نہ سکے اور انہوں نے جس دل سے بھی سہی مگر دیا کو نوکری کی اجازت دے دی مگر اس بات کے ساتھ کہ وہ خاندان کی عزت کا خیال رکھے۔

''مبارک ہو دیا ابا جان مان گئے۔'' انہوں نے دیا کو افسردہ بیٹھے دیکھ کر خوشخبری سنائی تو سوکھے درختوں پر جیسے بہار آ گئی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے مسکرا کر کہا تو دیا ناراض وقت کے مان جانے پر مسکراتے ہوئے خوشی سے بھابی سے لپٹ گئی۔

آصفہ دیا سے عمر میں کچھ بڑی تھی مگر دوستی دونوں میں بہت گہری تھی۔ آپس میں محبت اور ہم آہنگی نے عمروں کے اس واجبی سے فرق کو بیچ میں آنے نہیں دیا تھا۔ سو اسے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ آصفہ اس سے بڑی ہیں، بس وہ اس کی دوست تھیں، دیا کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا اور وہ ننھے اذان کو اٹھا کر جھومنے لگی اور چٹاچٹ اس کو اتنا پیار کیا کہ وہ گھبرا کر رونے لگا۔ وہ تھی کہ پاگلوں کی طرح اسے چومے ہی جا رہی تھی۔

''ارے دیا پاگل ہو گئی ہو۔ بس کرو۔ دیکھو وہ پریشان ہو کر رونے لگا ہے کہ میری باولی پھوپھو کو کیا ہو گیا ہے کہ چومے ہی جا رہی ہے۔''

آصفہ نے اذان کو اس کی گرفت سے لیتے ہوئے پیار سے ڈانٹا تو اس نے خوشی سے بھرپور قہقہہ لگایا، خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''بھابی اسے مجھے گود دے دیں۔ میرا بیٹا میرے ساتھ ہو گا تو مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہو گی۔''

''خدا نہ کرے دیا، ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔ اذان تمہارا ہی بیٹا ہے، اللہ کرے تمہاری شادی ہو اللہ تمہیں ڈھیروں بچے دے، تم دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔''

''تو کیا ابا نے ہاں کر دی ہے؟''

''کس کے لئے؟'' آصفہ چونکیں۔

''میری شادی کے لیے جو آپ اتنی دعائیں دے رہی ہیں۔''

''نہیں ابھی تو کچھ نہیں کہا ہے انہوں نے، ہاں کرنے میں کون سی دیر لگتی ہے۔ کوئی لمحہ شرف قبولیت کا ہو سکتا ہے، اس سے اچھی امید رکھنی چاہیے۔ ویسے تمہیں بہت جلدی ہے؟''

''نہ مجھے جلدی ہے اور نہ ہی اس کی رحمتوں سے مایوس ہوں، ابھی فی الحال شادی

کرنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے میرا۔''

''ہاں شاید میں ہی ٹھیک سے سمجھ نہیں سکی تمہارا کہنے کا مطلب کیا تھا۔'' انہوں نے مجھے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو ایک بار پھر سے کھلکھلا دی۔

''یوں ہی ہنستی مسکراتی رہو سدا دیا اور ہمیشہ میری یہ بات یاد رکھنا، آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔''

''آمین۔'' اس نے ہاتھ منہ پر پھیرتے ہوئے کہا۔

''دیکھا میں نہ کہتی تھی کتنی جلدی ہے تمہیں شادی کی۔'' انہوں نے چھیڑا۔

''ابھی تو کوئی جلدی نہیں ہے ہاں آنے والے وقت کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا۔'' اس نے بھی ترکش میں سے مستقبل کا تیر چھوڑا۔

اس سے پہلے کہ آصفہ مزید کچھ کہتیں نسرین بیگم کی آواز پر کچن میں چلی گئیں اور اذان دیا کی گود میں پھر سے آ گیا اور وہ اس سے کھیلنے لگی۔

☆......☆......☆

''کیسے ہیں سکندر صاحب؟''

وہ گاڑی سے اترے ہی تھے کہ کسی نے انہیں پیچھے سے پکارا۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ سکندر راؤ کے دوست سرفراز راؤ تھے۔

''جی اللہ کا بڑا احسان ہے، آپ سناؤ کیسے ہو؟''

وہ خوش دلی سے ہنستے ہوئے سرفراز کے ساتھ آفس میں داخل ہو گئے۔

''ارے ہم تو بالکل ٹھیک ٹھاک خیریت سے ہیں، تم اپنا سناؤ۔''

سرفراز صاحب نے ان کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

''بس یار جیسے بھی ہیں تمہارے سامنے ہیں، زندگی کا قرض ادا کر رہے ہیں۔''

''ہاں یار روح جسم کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے مگر زندگی کا قرض پورا نہیں ہوتا۔''

''یہی زندگی ہے، خیر تم سناؤ، دبئی کا ٹور کیسا رہا۔''

''بہت کامیاب۔'' ان کی ہنسی بہت معنی خیز تھی۔

''ویسے یار تمہارا بیٹا تم سے کہیں زیادہ ذہین اور باصلاحیت ہے تم اسے اپنے ساتھ کاروبار میں کیوں نہیں لگاتے؟''

''کاروبار میں اچھی طرح سنبھال رہا ہوں۔ کوئی خاص پرابلم بھی نہیں، اقبال کی اپنی

اچھی نوکری ہے وہ وہاں سیٹ بھی ہے اور خوش بھی۔ تو میں کیوں اس کے معاملے میں ٹانگ اڑاؤں، اس نے یہ نوکری مجھ سے پوچھ کر میری مرضی سے کی ہے۔''

''جب میں نہیں رہوں گا تو یہ کاروبار دونوں بیٹوں کو ہی سنبھالنا ہے۔ ابھی تو میں ہی کافی ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے اور یہ سچ ہی تھا کہ واقعی ہی انہوں نے کاروبار کو بہت اچھی طرح سنبھالا ہوا تھا اور کامیاب طریقے سے چلارہے تھے۔

''اور میں بھی اپنے بیٹے کو بزنس کی دیکھ بھال کے لیے سمجھاتا ہوں مگر وہ مانتا ہی نہیں کہتا ہے بابا مجھے اپنی مرضی سے کام کرنے دیں میں کسی کے ماتحت کام نہیں کرسکتا، بس آج کل کی اولاد اپنی مرضی کی مالک ہے وہی کرتی ہے جو دل میں سما جاتا ہے، اب زور زبردستی کا دور تو ر نہیں۔ وہ وقت گزر گیا، جب والدین اپنے بچوں پر حکم چلایا کرتے تھے اور ان کی اولاد بھی فرمانبردار ہوتی تھی۔''

''ہاں ایسا ہی ہو رہا ہے لیکن اللہ کی ذات کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ میرے بچے فرمانبردار ہیں۔ گھر میں میرا ہی حکم چلتا ہے میری مرضی کے بغیر چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں ہوتا۔'' انہوں نے بڑے فخر اور گردن اکڑا کر کہا تھا، اس کے وہ حقدار بھی تھے کیونکہ وہ ظالم و جابر قسم کے باپ تھے، اپنی ہی منواتے تھے۔

''بڑے خوش نصیب ہو یار۔'' انہوں نے حسرت سے کہا۔

''گھر چلانے اور بچوں کو اپنی مٹھی میں رکھنے کے لیے خود کو سخت کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے خود کو اس قابل بناؤ پھر بچے بات مانتے ہیں، بہت محنت کرنا پڑتی ہے تب کہیں جا کر ا مرضی سے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔''

''تم اپنی جگہ ٹھیک ہو یار لیکن میں ان فرسودہ رواجوں کے خلاف ہوں، انسان کو بر مائنڈڈ ہونا چاہیے جیسے بچوں کی رضا، وہ خوش اسی میں والدین کو خوش ہونا چاہیے، چار دن کی زند ہے ان کو اپنی رضا و خوشی سے گزارنے کا پورا حق ہونا چاہیے میں نے اپنے گھر کا ماحول بہت خو گوار رکھا ہوا ہے۔ دوستانہ ماحول ہے، ہر ایک کو دوسرے اپنے دل کی بات کہنے کی آزادی ہے ہمارے صلاح مشورے سے کام کرتے ہیں۔ سکندر یار اپنی عزت رکھنا قائم رکھنا چاہتے ہو تو بچے غلط نہیں ہیں تو ان کے فیصلوں سے انحراف نہیں کرنا چاہیے۔ وقت اور حالات کا تقاضا یہ ہے خود کو وقت کے دھارے کے مطابق چھوڑ دو۔ اسی میں سب کی بہتری ہے۔''

انہوں نے سکندر کو سمجھاتے ہوئے کہا لیکن وہ سکندر راؤ ہی کیا جو کسی کی بات کا اثر

انہیں حکمرانی کرنے کی عادت تھی اور ڈنڈے کے زور پر اپنی ہی منواتے تھے۔ ان کی طبیعت ہی ایسی تھی۔

''خیر چھوڑو یہ بتاؤ، مصطفیٰ کیا کر رہا ہے آج کل؟''

''ابھی پڑھ رہا ہے۔''

''اور بچیاں؟''

''دو کی شادی کردی ہے ایک رہتی ہے، آج کل ایک مقامی کالج میں لیکچرار ہے۔''

''ویری گڈ، ماشاءاللہ۔ بہت اچھی خبر سنائی سکندر۔ شکر ہے تم بھی اپنے خول سے باہر نکلے اور خود کو زمانے کے ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔ ملازمت کرنا برائی نہیں ہے، اس بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے، نئے زمانے کے حالات و واقعات سے آگاہ ہوتے ہیں اور خود کو اس کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔''

وہ خاموش رہے۔ اس معاملے میں سرفراز سے بحث نہیں کرنا چاہتے تھے، ان دونوں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا، بس کاروباری دنیا میں دوستی رکھنا پڑتی تھی ورنہ وہ ایسے لوگوں کو کم ہی منہ لگاتے تھے۔

''یار میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے کیوں نا ہم اس دوستی کو رشتے داری میں بدل دیں، سب کچھ تم جانتے ہو، کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے تم سے۔ میرا بیٹا ماشاءاللہ ایم بی اے کر رہا ہے۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے فارن جائے گا تو کیوں نا ہم رشتہ دار بن جائیں۔''

''سرفراز سب ٹھیک ہے اور تمہارا خیال بھی بُرا نہیں۔ لیکن بہت معذرت کے ساتھ کہ میرے گھر کا ماحول تمہارے گھر سے میچ نہیں کھاتا اور نہ ہی میرے بچے آزاد ماحول کے عادی ہیں، وہ ایک حد میں رہتے ہوئے ہر کام کرتے ہیں جب دو متضاد ماحول آپس میں ٹکراتے ہیں تو نتیجہ اچھا نہیں نکلتا اور ایسے میں دوستی بھی ختم ہوجاتی ہے۔''

''تو تم انکار کررہے ہو۔''

''ہاں، کل کی برائی سے آج کی برائی اچھی ہے۔ کل جو مسئلے مسائل ہوں گے میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، اسی لیے انکار کیا ہے۔''

''یہاں تم غلط ہو سکندر، ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی اچھے خوشحال گھرانے میں جائے جہاں وہ ساری عمر عیش کرے، مگر تمہاری منطق الگ ہی ہے اور میں اس سے اتفاق نہیں کرتا، ہوسکے تو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا۔ صرف اپنی انا کی خاطر اپنی بیٹی کا مستقبل اپنے

ہاتھوں سے برباد کر رہے ہو، لوگ تو ایسے رشتے تلاش کرتے پھرتے ہیں اور تم تو خوش نصیب ہو کہ خوش قسمتی تمہارے در پر چل کر آئی ہے اور تم اسے دھکے دیتے ہوئے خوش نصیبی کے دروازے بند کر رہے ہو۔"

"تم کچھ بھی سمجھو مگر میں بار بار فیصلے نہیں کیا کرتا، ایک بار ہی حتمی فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر ایک بار انکار کیا ہے تو آخری دم تک انکار ہی ہوگا، شاید تم جانتے نہیں ہو مجھے۔"

تمسخر بھری مسکراہٹ ان کے لبوں پر تھی، آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔

"مگر تم اپنے بچوں کے ساتھ ظلم کر رہے ہو، میں نہیں جانتا کہ کس بات کا بدلہ تم اپنی اولاد سے لے رہے ہو جبکہ والدین تو ہر پل اپنی اولاد کے لیے بہترین سوچتے ہیں۔"

سکندر راؤ کے تن بدن میں جیسے آگ ہی لگ گئی تھی۔ وہ بولے تو ان کے الفاظ میں بھی چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔

"میں کسی کو اپنے گھر میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتا، میں بھی اپنی اولاد کی بہتری چاہتا ہوں اور اسی لیے تمہارے بیٹے کے پرپوزل کے لیے انکار کر رہا ہوں، مجھے اپنی بیٹی کا مستقبل بنانا ہے بگاڑنا نہیں، آئندہ اس موضوع پر مجھ سے بات نہ کرنا، ہم کاروباری دوست ہیں اور کاروبار کی حد تک ہی ٹھیک ہے۔ اس سے آگے میں پسند نہیں کرتا، نہ کسی کے معاملات میں انٹر فیئر کرتا ہوں اور نہ ہی کسی کو اس بات کی اجازت دیتا ہوں۔"

انہوں نے بات ختم کر کے فائل کھول لی اس کا مطلب تھا کہ اب تم جا سکتے ہو بلکہ دفعہ ہو جاؤ۔

سرفراز ان کا مطلب سمجھ گئے تھے، بنا کچھ کہے اٹھے اور ایک نظر ان پر ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھ گئے اور باہر نکلنے سے پہلے بولے۔

"تم اچھے باپ نہیں ہو سکندر۔ میں نے تمہاری باتوں سے تمہارے گھر اور ماحول کا اندازہ لگا لیا ہے، ہو سکے تو اپنا رویہ بدلو اور جیو اور جینے دو کے اصول پر عمل کرو۔"

اس سے پہلے کہ وہ اسے دھکے دے کر آفس سے نکالنے پر مجبور ہو جاتے وہ چلے گئے تو سکندر راؤ نے سکون کا سانس لیا۔

"آ گئے مجھے نصیحتیں کرنے اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے۔ ذلیل کمینے لوگ۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے اور پھر سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆......☆......☆

ملازمت کے باوجود بھی وہ بچوں کے ساتھ کھیلتی اودھم مچاتی رہتی۔ پھر نہ جانے کب اور کیسے دیا راؤ کی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی۔

جگنو کے آنے سے اس کی زندگی میں کہکشاں اتر آئی۔ ایک فخر سا دل کو چھو گیا تھا کہ

"جگنو راؤ میرا ہے صرف میرا، جب چاہوں گی اسے پالوں گی۔"

جگنو نے اس کی آنکھوں میں حسین خواب سجا دیئے تھے۔ اب اس کی آنکھیں ان خوابوں کی تعبیر چاہتی تھیں لیکن وہ بھول ہی گئی خواب، خواب ہی رہتے ہیں جس کو پانے کے لیے وہ پرعزم تھی اس کا ساتھ دیا کی قسمت میں نہیں تھا۔

جگنو سے اس کی پہلی ملاقات کرن کی سالگرہ میں ہوئی تھی، کرن دیا کی کولیگ تھی اور وہ کرن کا کزن تھا، وہ بڑی ہی پرکشش پرسنالٹی کا مالک تھا۔

گندمی رنگت، موٹی موٹی بڑی بڑی آنکھیں، اونچا قد، خوبصورت خدوخال دوسری دفعہ وہ کرن کو کالج لینے آیا، تب ملاقات ہوئی۔ تیسری مرتبہ کرن کی بہن کی شادی میں۔

شفون کے نیوی بلیو کامرانی سوٹ اور فیروزی دوپٹے میں وہ اسے اتنی پیاری لگی کہ وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی نظروں کی تپش سے گھبرا کر اسے دیکھا تو وہ شرمندہ ہونے کے بجائے مسکراتا رہا اور وہ وہاں سے اٹھ کر آ گئی۔ اس پل جگنو کو احساس ہوا کہ وہ پیاری سی لڑکی سے پیار کرنے لگا ہے۔

پیاری لڑکی اس کے دل میں اتر گئی ہے، اسے بہت پیاری لگنے لگی ہے۔

وہ نادان تو نہ تھی کہ اتنا بھی نہ سمجھ پاتی کہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں کیوں مسکرانے لگتی ہیں، وہ انجان بنی رہی اور بنی رہتی اگر ایک دن جگنو راؤ اپنے جذبوں کو اس پر عیاں نہ کر دیتا، اس نے پہلوتہی کی کوشش بھی کی مگر زیادہ دیر اپنے آپ کو روک نہیں پائی، دل کیسے لاچار ہو گیا تھا، وہ خود کو روکتے روکتے دل کو انکار کرتے کرتے تھک گئی تو اس نے جگنو کا ہاتھ تھام لیا اور پھر دن رات زندگی کا سنہری لمس بن گئے۔ وہ پیار کی ست رنگی پھوار میں ایسی بھیگی کہ آنکھوں کا عکس اس کی روح کا ترجمان بن گیا۔ ہر سو خوشیاں دکھائی دینے لگیں اور دیا راؤ جیسے ہواؤں کے سنگ اڑنے لگی۔

وہ آئی اور آ کر چلی بھی گئی لیکن اس کے آنے کا احساس دیا کے جانے کے بعد ہوا کہ وہ آئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد اسے ایک دم اپنی تنہائی کا احساس ہوا، کمرے کی تنہائی اس کو کاٹ کھانے کو دوڑی، یا خدایا آج دیا کے جانے کے بعد کیسا احساس ہو رہا ہے، تنہائی کا شدت سے احساس ہوا۔

دوسری صبح وہ یوں ہی کسلمندی سے لیٹا رہا۔ کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا لیکن جی کا سونا پن نہ گیا۔ یہاں تک کہ اسے یقین سا ہو گیا کہ دیا ہی وہ لڑکی ہے جو اس کی ذات کے گرد بنے ہوئے تنہائی کے احساس کو توڑ سکتی ہے، کیسی معصومیت تھی اس کے سراپے میں، کیسا الھڑ پنا تھا، اس کی باتوں میں کیسا اپنا پن تھا۔ کچنار کی کلی جیسی لڑکی، کتنی جلدی صرف چند لمحوں میں اسے اپنا اسیر کر گئی تھی۔ وہ یکطرفہ محبت کا قائل نہ تھا مگر آج اسے ہونا پڑا۔ وہ لڑکی جو سچ مچ جنت کے ریشم جیسی ہی ہے، کتنی جلدی چند ساعتوں میں گھائل کر گئی تھی۔ وہ تڑپ رہا تھا، زندگی میں پہلی بار کسی کے لیے ایسے بے قرار ہوئے تھے، خدایا یہ سب کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا۔

وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھاما بیٹھا تھا۔

یوں تو گزر رہا ہے ہر پل خوشی کے ساتھ
پھر بھی کوئی کمی سی ہے کیوں زندگی کے ساتھ
رشتے وفائیں دوستی سب تو پاس ہے
کیا بات ہے پتہ نہیں دل کیوں اداس ہے
ہر لمحہ حسین میرا دلکشی کے ساتھ
پھر بھی کوئی کمی سی ہے کیوں زندگی کے ساتھ
چاہت بھی ہے سکون بھی ہے اور دلبری بھی ہے
آنکھوں میں خواب ہیں لبوں پر ہنسی بھی ہے
دل کو نہیں ہے شکوہ و شکایت کسی کے ساتھ
پھر بھی کوئی کمی سی ہے کیوں زندگی کے ساتھ

جگنو راؤ نے اپنے تمام تر جذبوں کی سچائی کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

زندگی میں یوں تو حسن کی کئی دل فریبیاں نظر سے گزری تھیں مگر وہ شوخ و شریر سی دیا اسے اتنی بھا گئی تھی کہ اس کے بغیر جینے کا تصور بھی مشکل لگنے لگا تھا اسے۔

☆......☆......☆

دیا کا ایم فل کا رزلٹ نکل آیا۔ اس نے فرسٹ پوزیشن لی تھی، سب لوگ ہی بہت خوش تھے۔ ماں، بھائی اور بھابی۔ سوائے سکندر اکبر راؤ کے، جن کی خوشی اور غمی کی کیفیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا لیکن باقی گھر والے اس کی خوشی میں شریک تھے اور سیلیبریٹ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔

''مان گئے دیا تم واقعی ہی جینئس ہو۔'' اقبال سکندر نے بہن کو گلے سے لگا کر کہا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تو جانے کیوں سدا ہی چہکنے والی، ہنسنے، ہنسانے والی شرارتی سی دیا رو پڑی۔

دو بار تو اس نے نمبر ڈائل کر کے کال ڈسکنیکٹ کر دی، مگر تیسری بار وہ ایسا نہ کر سکا، بیل مسلسل جا رہی تھی۔ آخر بیل بند ہو گئی، کال ریسیو نہیں کی گئی۔ نمبر ری ڈائل ہونے لگا، اس بار تیسری بیل پہ کال ریسیو کر لی گئی۔

''ہیلو......''

جواب میں دوسری طرف سے بھی ہیلو کہا گیا۔

''دیا راؤ سے بات کرنی ہے، جس نے ایم فل میں فرسٹ پوزیشن لی ہے۔''

''جی میں دیا راؤ ہی بول رہی ہوں اور میں نے ہی ایم فل میں فرسٹ پوزیشن لی ہے۔''

''بہت بہت مبارک ہو دیا۔''

''آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟'' اس نے جان بوجھ کر کہا۔

''جگنو......''

''مگر میں تو کسی......؟''

''ہاں تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو، دن میں جگنو کب نکلتے ہیں۔''

جگنو نے اس کا جملہ اچکتے ہوئے کہا۔

تو دیا کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ ''میں کہہ رہی ہوں کہ کسی جگنو کو نہیں جانتی میں۔''

''اوہ اچھا...... میں کرن کا کزن، سوسائٹی سے بول رہا ہوں۔''

''اوہ آپ کرن کے کزن جگنو، سوری پہچانا نہیں۔''

''کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے ایسا۔'' اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''آج میں بہت خوش ہوں بہت ہی خوش۔''

وہ خوشی سے چہکی۔

''میں بھی آپ کی اس خوشی کو شیئر کر رہا ہوں دیا۔''

''اب شکریہ ادا کروں۔'' وہ شریر سے انداز میں ہنسی۔

''نہیں۔ آج ہر خطا معاف ہے۔'' وہ بھی ہنس دیا، وہ چپ رہی۔

''ہیلو دیا۔'' اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، غیر اختیاری طور پر اس کے منہ سے کیا نکل گیا

ہے، ابھی تو کوئی خاص مراسم نہیں تھے تو خطایا معافی کیسی۔

''جی سن رہی ہوں۔''

''دیا، میں کل بھی اسی وقت کال کروں گا۔''

''وہ کس لیے؟''

وہ جواباً خاموش ہی رہا۔ بھلا کیا کہتا۔ ادھر وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''سوری جگنو صاحب، بالکل جیسے کسی مہمان سے نہیں پوچھا جاتا نا کہ ہمارے گھر کیوں آئے ہو، اسی طرح شاید فون کا بھی نہیں پوچھنا چاہیے۔'' اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے ہونٹوں کو دانتوں تلے داب لیا۔

''اوہ گڈ۔'' وہ ہنسا۔ دیا نے کتنی خوب صورتی سے جواز تراش لیا تھا۔

آپ واقعی ہی بہت انٹیلی جینٹ ہو دیا۔'' اس نے دل میں کہا اور خدا حافظ کہہ کر کال ڈراپ کر دی۔

دوسری شام جگنو نے حسب وعدہ فون کیا۔

''کیا ہو رہا ہے دیا؟''

''پارٹی زبردست قسم کی۔''

''کس سلسلے میں؟''

''میری شاندار کامیابی کے سلسلے میں۔''

''مجھے انوائیٹ نہیں کریں گی؟''

''نہیں''

''کیوں؟''

''پتہ نہیں۔''

اس کی سچ مچ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اسے کس حیثیت میں انوائیٹ کرے۔ اسی لیے بہت دیر تک قلم لبوں میں دبا کے سوچنے کے باوجود اس نے ایک کارڈ پر کچھ نہیں لکھا تھا اور وہ خالی کارڈ ابھی تک اس کے کمرے میں پڑا تھا۔

''اچھا پھر خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' وہ باہر آ کر رنگوں اور خوشبوؤں کی اس محفل میں گم ہو گئی۔

مگر اس کا دھیان اسی کی طرف لگا رہا من میں رونقیں یکدم ہی بہت بڑھ گئی تھیں۔

وہ خوشیوں کے بنڈلوں میں جھول رہی تھی۔ وہ بات بے بات ہنسے جا رہی تھی۔

زندگی نے ایک دم ہی نئے انداز میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔

اس کی زندگی کی ترجیحات بدل گئی تھیں۔

گویا اس کو ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔

ہر سو قوس و قزح کے رنگ بکھرے تھے۔

نیلے پیلے، اودھے، سرمئی، سیاہ اور سبز۔

آنکھوں کی چمک ہیرے کے مانند چمک رہی تھی۔

اور دل کی سادہ تختی پر ایک نام لکھا جانے لگا تھا اور وہ نام تھا ''جگنو''

اس تختی کو وہ کبھی دھونا نہیں چاہتی تھی۔

مقدر کی بارشیں اس پر برسنے لگیں۔

خوشیوں کی برسات

محبت کے رنگ

اور ملن کی آرزو۔

مجھے اک نظم لکھنی ہے
کسی بھی خوب صورت شام میں ملنے چلے آؤ
مجھے اک نظم لکھنی ہے
سنہری دھوپ جیسا یہ تیرا رنگ روپ اجلا سا
دھلے بارش سے دیکھو تو حسیں پیارے نظارے ہیں
فلک کے استعارے ہیں
یہ تیری آنکھ جیسے ہیں
مجھے اک نظم لکھنی ہے
تیری زلفیں ہیں گہری جھومتی پھرتی گھٹاؤں سی
نشیلی آنکھیں تیری شرابوں کی سی ملتی ہے
تمہاری نرم پلکوں پر جو روشن سے ستارے ہیں
مجھے ان کو بھی چھونا ہے

ترے ان بند ہونٹوں میں چھپی جو مسکراہٹ ہے
یہی تو شاعری ہے بس

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر دیا کے آنے کا منتظر تھا، اس کا دل اداسی کے گہرے سمندر میں ڈوب سا گیا تھا۔ شاید وہ خفا ہو گئی ہے۔ اگر ہو بھی گئی ہے تو مجھے کیا۔ اس نے دل سے دیا کا خیال جھٹکنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ رات تک اس ''مجھے کیا'' نے اسے اپنے حصار میں پوری طرح جکڑ لیا، وہ ناراض ہو گئی ہے۔ ''اندر جانے کون اس کا حمایتی بن بیٹھا تھا۔'' مجھے اس سے کیا، اس نے پھر اندر کی آواز کو جھٹلانا چاہا۔

مجھے اک نظم لکھنی ہے
تری آنکھیں بہت کچھ بولتی ہیں
تری باتیں شہد سا گھولتی ہیں
یہ پھولوں پر گری شبنم ترے گالوں کے جیسی ہے
چمکتی چاندنی جیسی تری روشن جبیں پر بھی
مجھے اک نظم لکھنی ہے
گھنی شاخوں کے پتوں میں چھپا وہ چاند پیارا سا
ترے چہرے کے جیسا ہے
ترے اس چاند چہرے پر
مجھے اک نظم لکھنی ہے
کسی بھی خوب صورت شام میں ملنے چلے آؤ

اور پھر وہ اندر کی جنگ سے ہار گیا تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ اس کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا، آخر کار اس نے دیا کے نمبر پر کال لگا دی۔

''ہیلو۔ کون صاحب؟'' اس نے انجان بن کر پوچھا۔

''جگنو بول رہا ہوں دیا راؤ'' دیا کی آواز سنتے ہی دل میں خوشی کا دھارا سا بہہ نکلا۔

''کیسے ہیں آپ جگنو صاحب؟''

''فی الحال تو زندہ ہیں۔''

''بڑے مایوس لگ رہے ہیں کوئی خاص بات؟''

''ہاں ایک خاص بات ہے، ہو سکے تو آ جاؤ۔''

''میں کل صبح کوشش کروں گی۔''

اس نے وقت کے کمزور لمحے میں کمزور سا وعدہ کر لیا اور دوسری صبح وہ کالج گئی تو اس نے کرن سے پوچھا۔

''کرن جگنو ٹھیک تو ہیں؟''

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''رات جگنو کا فون آیا تھا اور وہ.....'' دیا ایکدم خاموش سی ہو گئی۔ کیا کہتی، وہ ہونٹوں کو چبانے لگی۔

''اچھا لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں، جگنو تین روز سے بخار میں مبتلا ہیں۔''

''اوہ۔'' اسے ایک عجیب سے دکھ نے اپنے حصار میں لے لیا۔

کرن نے غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھا اور مسکراہٹ لبوں میں دبا لی۔

''دیا راؤ تم تو گئیں اپنے کام سے۔'' وہ سوچ کر رہ گئی مگر کہا نہیں۔

''کن سوچوں میں گم ہو؟'' کرن نے اسے انگلیاں مروڑتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

''کسی میں نہیں۔''

''او کے۔'' کرن نے بھی کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بہت دیر تک کوئی بھی بات اپنے پیٹ میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ جلد ہی اس کا ضبط جواب دے جاتا اور اسے صبر سے اس وقت کا انتظار کرنا تھا۔

چھٹی کے بعد اس نے کرن سے کہا۔

''کرن میں بھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔''

''خوش آمدید، چلو۔'' اس نے تعجب سے دیا کے چہرے پر بکھرے رنگوں کو دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دی۔

جگنو کی بیماری کا سن کر اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ دیا نے بھابی کو فون کر کے کہہ دیا تھا کہ وہ کرن کے گھر جا رہی ہے، واپسی میں دیر ہو جائے گی وہ پریشان نہ ہوں

اور گھر میں بتا دیں، کرن اسے جگنو کے کمرے کے باہر چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

وہ دستک دے کر اندر چلی آئی۔

وہ کمبل میں لپٹا ہوا لیٹا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آ کر رک گئی۔

''کیا ہوا جگنو صاحب؟''

''دیا'' وہ چونکا۔ آنکھیں کھولیں، اسے اپنے قریب کھڑا دیکھا تو بے یقینی سے اٹھ بیٹھا۔

''کیسی طبیعت ہے؟''

''دیکھ لو'' جگنو نے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا، تو دیا نے جھجکتے ہوئے ہاتھ اس کی کلائی پہ رکھ دیا۔

جگنو کے لمس سے دیا کے وجود میں ایک برقی رو سی سرایت کر گئی تھی۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

''بخار تو اب ہلکا لگ رہا ہے۔''

وہ کیسی معصومیت سے اس کی کلائی پر انگلیاں رکھے ہوئے تھی۔ ٹھنڈی اور نازک سفید انگلیاں، اس کے دل میں ایک دم سے خواہش ابھری اگر اس کے نام کی انگوٹھی دیا کی انگلی میں ہو تو اس کی انگلیاں اور بھی خوبصورت لگیں گی، تب جگنو نے اس سے سب کچھ کہہ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ اپنی بے چینیوں اور بے قراریوں کا حال کہتے رہے، وہ حیرانی سے لب کھولے سنتی رہی۔ یہی کیفیت، یہی حالت اس کی اپنی بھی تو تھیں۔ جگنو کا حال سن کے یوں لگ رہا تھا جیسے آئینہ دیکھ لیا ہو، اس کی اپنی سوچوں، اپنے جذبوں کی ایک ایک تصویر کا عکس بڑا واضح نظر آنے لگا تھا۔

''جگنو'' وہ سر جھکا کے جانے کس جذبے کے تحت رو پڑی۔

جگنو مسکرا دیا۔

''ہاں دیا۔ جب دل اپنی من مانی کرنے پر آتا ہے تو ایسی ہی بے بسی طاری ہو جاتی ہے اور آنسو بہہ نکلتے ہیں۔''

وہ آسودہ ہوتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جذبے رائیگاں نہیں تھے۔ وہ بھی اسی جذبے کی تپش میں پھنک رہی تھی، اپنی تمام تر معصومیت اور الہڑپنے سمیت اظہار اور اقرار کے خوب صورت مرحلوں سے گزری تو اسے یوں لگا جیسے وہ سرتا پا بدل گئی ہو، وہ ساری شوخیاں اور

شرارتیں کہیں دور چلی گئیں، وہ لاپروائی، وہ بے فکری کہیں کھو گئی۔

''خدایا مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔'' اس نے بڑی بے بسی سے سر تھاما۔

''کیا کر دیا ہے تم نے جگنو، میں، میں نہیں رہی تم ہو گئی ہوں۔''

''ہاں تم، کچھ بھی تو میرے بس میں نہیں رہا۔ نہ میری سوچیں نہ میرا یہ پاگل دل، یہ انقلاب کب اور کیونکر آ گیا الٰہی۔''

''وہ سہم سہم کر سوچتی رہتی۔ جگنو راؤ'' وہ جگنو راؤ کی پکار پر اس کے پاس جانا فرض سمجھنے لگی۔ ایسا فرض جسے پورا کرتے کرتے اسے جان سے بھی گزر جانے کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

گھر میں بھی وہ اب اکثر چپ ہی رہتی۔

''مغرور ہو گئی ہو دیا؟'' بھابی اسے چھیڑتیں۔

''مغرور نہیں سیریس ہوتی جا رہی ہوں بھابی۔''

وہ بظاہر ہنس کے کہتی لیکن دل جیسے کوئی مٹھی میں جکڑ لیتا۔ یہ اتنے سارے لوگ کتنا چاہتے ہیں مجھے اور میں ان سے چھپ کے کسی غیر شخص کے پیار میں کسی اجنبی کی محبت میں فنا ہوئی جا رہی ہوں۔ دماغ کئی بار ڈانٹتا لیکن وہ بے بس سی ہو جاتی۔ دل دلیلوں کے ڈھیر لگا دیتا۔ محبت کوئی جرم نہیں ہے، گناہ نہیں ہے، کسی کو چاہنا بری بات تو نہیں...... لیکن...... اور اس لیکن کے آگے دل کی ساری دلیلیں ماند پڑ جاتیں۔

وہ گم صم رہنے لگی تھی۔ مریم آئی تو اس نے بھی محسوس کر لیا تھا۔

''کیا بات ہے دیا۔ بڑی سیریس رہنے لگی ہو۔''

''کچھ بھی نہیں مریم۔ بس ایسے ہی۔'' وہ کیسے بتاتی کہ اسے روگ لگ گیا ہے۔ جگنو راؤ کے عشق کا روگ، جس میں واپسی کا کوئی راستہ بچا ہی نہیں تھا۔ محبت میں فنا ہو جانے کا۔ محبت کو امر کر دینے کا جذبہ شدید تھا اور بس۔

اور یہی سوال وہ جگنو سے بھی کر بیٹھی تھی اور اس نے حقیقتیں بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تب سے وہ لاشعوری طور پر گم صم سی ہو گئی تھی۔ جگنو نے بچھڑ جانے کا جدا ہونے کا دھڑکا سا لگا دیا تھا۔

''نہیں جگنو۔ مجھ میں اتنا حوصلہ، اتنا ظرف نہیں ہے۔ میں بچھڑ کے زندہ نہ رہ پاؤں گی اور پھر اب تو تمہارے بغیر جینا بھی محال نظر آتا ہے تم نے مجھے کیسی اذیتوں سے ہمکنار کر دیا ہے میں تم بن نہ مر سکتی ہوں، نہ جی سکتی ہوں۔''

ایک دن اس نے جگنو سے کہا تو بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

''جگنو میں جدا نہیں ہو پاؤں گی۔ مجھے بس اپنا بنا لیں اب۔''

انداز میں کیسی معصومیت، کیسی بے قراری تھی۔ جگنو آہستہ سے ہنس دیا۔

''تھک گئی ہو دیا۔''

''ہاں جگنو یہ چوری چوری کا ملنا، یہ محبت کا روگ، اب مجھ سے چھپایا نہیں جاتا۔''

''میری لغت میں بچھڑنے کا کوئی لفظ نہیں پایا جاتا۔ میں ہر حال میں تمہیں اپنا بناؤں گا، خواہ دنیا ادھر ادھر ہو جائے۔''

کیسا یقین، کیسا عزم تھا ان کی آواز میں۔ اس کی ڈھارس سی بندھ گئی۔ اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

پھر وہ آنے والے وقت کی ڈھیروں باتیں کرتے رہے۔ خواب بنتے رہے اور ان کی تعبیر کے لیے حوصلے مجتمع کرتے رہے۔

پھر اس نے جگنو سے پوچھا۔

''اب میں جاؤں۔''

تو وہ ہنس دیا، کیونکہ یہ اس کی ادا تھی۔ وہ جانے سے پہلے اس سے اجازت لیتی اور پھر جاتی۔

''ہاں جاؤ مگر جلدی آنے کے لئے؟''

وہ پلکیں جھپک کر اسے دیکھنے لگی۔

''اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مطلب اب کب آؤ گی!؟''

''جب دل نے چاہا۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''دل کب چاہے گا۔''

''جب دل کی خواہش ہو گی؟''

''اور یہ خواہش دل میں کب پیدا ہو گی؟''

''جب آپ کی یاد آئے گی۔''

اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

''اور یاد کب آئے گی؟''

جگنو کو بھی اسے تنگ کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔

''جب آپ یاد کریں گے۔''

''اگر میں نہ یاد کروں تو......؟''

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، ناممکن۔''

کیسا یقین تھا اس کے لہجے میں کہ جگنو چونک گیا۔ اس کی آواز میں ذرا سی بھی لرزش نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا وہ خود سے زیادہ جگنو پر اعتبار کرتی تھی اور اعتماد جگنو کا ہی دیا ہوا تھا کہ اس نے اتنے پختہ یقین سے کہہ دیا۔

''تمہیں اتنا یقین ہے مجھ پر دیا؟''

''ہاں خود سے بھی زیادہ۔ اتنا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''اگر یہ یقین ٹوٹ گیا تو......؟''

جگنو نے اسے چھیڑا۔

''کبھی نہیں ٹوٹے گا۔''

''میں بھی انسان ہوں۔ فرشتہ مت سمجھو مجھے۔'' وہ بضد تھا۔

''اگر ٹوٹ گیا تو......؟''

''تو دیا مر جائے گی۔''

لمحے کے ہزاروں حصے میں اس نے بنا سوچے کہہ دیا۔

''دیا۔''

وہ دھیرے سے چیخا۔

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا دیا۔ ایسا کیوں کہا تم نے کہ دیا مر جائے گی۔'' وہ رو دینے کو تھا۔

''جیسے دیا نہیں مر سکتی تو جگنو بھی دیا کو نہیں بھول سکتا۔ اگر جگنو بھول گیا تو۔''

''بس دیا۔'' اس نے دیا کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا، تو دونوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

خیال تیرا ہے سانس جیسا
جو یہ نہ آئے تو مر نہ جاؤں

''کرن کوئی ایسا طریقہ بتاؤ جس سے محبت امر ہو جائے دوام پا جائے۔''

''ہوں۔'' سوچ کر بتاتی ہوں نہ میں نے محبت کی ہے نہ ہی کچھ معلوم ہے، سوچنے دو ذرا۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں دبائے ہوئے سوچوں میں کھو گئی۔

''بتاؤ نا۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' وہ پرشوق نظریں اس کے وجیہہ سراپے پر جما کر بولا۔تب ہی د
نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول دیں۔ اسے سامنے دیکھ کر دیا کے اندر گھنٹیاں بجنے لگیں
دھڑکنیں منتشر ہوگئیں۔پلکیں جذبات کی شدت سے بوجھل ہوگئیں۔

ہوائیں جیسے رقص کرنے لگی تھیں۔

''محبت کو امر کرنا ہو تو اس شخص سے بچھڑ جاؤ جسے چاہت کی آخری حدوں تک چاہا ہو''
جگنو نے خالی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ کیسے......؟''

''وہ ایسے دیا کہ جس شخص کو آپ چاہتی ہو، اسے پالینے کی تمنا کبھی نہ کرو۔ جدائی او
فراق کی یہی وہ تنگ گھاٹی ہے جہاں سے گزر کر محبت کو ہمیشگی حاصل ہوجاتی ہے۔''

''مجھے آپ کے اس فلسفے سے اتفاق نہیں۔''

''اچھا'' وہ آہستہ سے ہنسا۔''اچھا تو پھر اپنا نظریہ بیان کرو۔''

''میرے نزدیک جسے چاہا جائے۔اسے پالینا ہی محبت کی تکمیل ہے، جس بندے
جدائی کا تصور بھی محال ہو بھلا اسے انسان کیسے ہنستے کھیلتے ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہہ سکتا ہے۔''

''جانتی ہو دیا! اس سے بچھڑ جانے کا اپنا ہی ایک حسن ہوتا ہے۔اپنا ہی ایک رنگ، ایک
مزا ہوتا ہے۔ جدائی کی یہ میٹھی میٹھی کسک زیست کے آخری لمحے تک ہمارے ساتھ رہتی
نارسائی کا کرب ہمیں اکثر ہی کچوکے لگاتا ہے۔یوں وہ شخص کبھی نہیں بھولتا۔چاندنی راتوں
بھی یاد آتا ہے، خزاں رسیدہ پتوں پر پاؤں رکھتے ہوئے بھی اسی کے ہجر کے نوحے سنائی د
ہیں۔ بہاروں کے موسم میں، پھولوں کے بیچ چلتے ہوئے بھی اسی شخص کی مخصوص خوشبوئیں
تعاقب کرتی ہیں۔ ہمارا پیچھا کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ کسی بھی لمحے ہم سے جدا نہیں ہوتا۔ ہم و
ساتھ رہتا ہے سائے کی طرح۔''

لیکن جگنو آپ جدائیوں کی بات چھیڑتے ہی کیوں ہو۔ ایسی دل فگار باتیں
کرتے ہو۔اس طرح کیوں سوچتے ہو؟''

وہ الجھ سی گئی۔

''پاگل لڑکی تم نے میرا نظریہ پوچھا تھا سو میں نے بتا دیا۔خدانخواستہ اپنے لیے
نہیں کہا۔تم اتنی سیریس کیوں ہوگئی ہو؟''

''آپ نے ڈرا سا دیا ہے۔''

''دیا نے اس کے مضبوط ہاتھوں پر اپنا نازک سا سفید ہاتھ رکھ دیا جیسے اس کے وہاں موجود وجود کا تعین کر لینا چاہتی ہو۔وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ کے ہنس دیا۔

''لگتا ہے، بہت اثر لیا ہے تم نے میری بات کا۔''

''ہاں جگنو آپ کی ان باتوں سے ڈر سی گئی ہوں۔''

تب جگنو نے دیکھا اُس کی آنکھوں کی سطح بھیگ گئی تھی۔

''دیکھو دیا محبت کے راستے میں بڑے مشکل مرحلے، بڑے کٹھن موڑ بھی آیا کرتے ہیں۔ضروری تو نہیں نا کہ ہم جسے چاہتے ہیں تقدیر بھی مہربان ہو کے اسے ہی ہمارا بنا دے۔اس لیے بعض اوقات اس انداز میں بھی سوچ لیا جانا چاہیے۔اپنے آپ کو آنے والے کل کے لیے تیار رکھنا چاہیے۔''

''آپ پتہ نہیں کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں۔ وہ بے بس سی ہو کے ان کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے رو دی۔''

آنسوؤں کے یہ موتی یوں نہیں رولتے دیا۔ یہ خزانے بڑے بیش بہا ہوتے ہیں ان کی حفاظت کرنی چاہیے، کل کے لیے کچھ بچا کر رکھنا چاہیے۔'' لیکن دیا نے اس شخص کی ایک نہ مانی جو اسے حقیقتوں سے روشناس کرانے پر تلا ہوا تھا۔ وہ روتی رہی۔ جگنو چپ چاپ اس کے آنسو اپنے پوروں میں جذب کرتے رہے۔

''رونا نہیں دیا پلیز۔'' اس نے یک دم حکم دینے والے لہجے میں کہا تو اس نے فرمانبردار بچوں کی مانند جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔

''مسکراؤ اب۔''

''سراسر زیادتی ہے جگنو۔اب رو رو کر کے میں کیسے ہنسوں؟''

وہ اپنی چھوٹی سی سرخ ناک رگڑتی ہوئی اسے بہت اچھی، بہت اپنی لگی۔ وہ بے ساختہ ہنس دیا۔وہ بھی مسکرا دی۔

''بس اب جاؤں؟''

''ہاں۔'' جگنو کو اس کی یہ عادت ہمیشہ سے بہت پسند تھی کہ وہ جانے سے قبل اس سے باقاعدہ اجازت لیا کرتی تھی۔ جگنو نے کبھی بھی اسے زیادہ دیر رکنے کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ اس کی مجبوری سمجھتا تھا۔

''ارے محترمہ دیا صاحبہ ابھی نہیں جاسکو گی۔ گرما گرم چائے پی کر جاؤ گی۔'' کرن نے

ٹرے سنٹر میں رکھی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

وہ کب ان کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی تھی انہیں خبر ہی نہ ہو سکی تھی۔

''تم تو ہمارے پاس بیٹھی تھی نا پھر......''

''جب تم دونوں مصروف تھے تو میں کیا...... میں بڑی کیوں بنتی اور رونے سے تمہاری ساری توانائی ضائع ہوگئی ہے تو کچھ بحال کرنے کی کوشش کی جائے۔''

''بہت شکریہ کرن صاحبہ۔ واقعی شدت سے چائے کی طلب ہو رہی تھی، بہن ہو تو ایسی بن کہے سمجھ گئی اس وقت چائے کی شدید طلب ہے۔''

''افسوس کیا کروں آپ دونوں کیلئے، ایک طرف بھائی ہے تو دوسری طرف دوست۔ دوہری مشکل میں گرفتار ہوں اور دونوں کا ہی ساتھ دینے کے لیے مجبور اور دونوں ہی کی طرف سے دکھی بھی۔''

''فی الحال تو یہ ہے کہ ہماری ملاقات کا یوں ہی انتظام کرتی رہو یہی بہت ہے۔ دو پیاسوں کو دید کی پیاس بجھا لینے میں مدد کر دیا کرو۔''

''جو حکم میرے آقا۔'' اس نے سر ان کے سامنے خم کرتے ہوئے کہا تو دونوں اس کی ادا پر ہنس دیئے۔

''اب میرے لیے کیا حکم ہے کھڑی رہوں یا چلی جاؤں؟''

''بیٹھ جاؤ۔'' دیا نے کہا۔

''نہیں، تم خود سمجھدار ہو۔'' جگنو نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔

''میرا چلے جانا ہی مناسب ہے۔'' وہ ہنستی ہوئی چل دی۔ اس نے واقعی ہی سمجھداری کا ثبوت دیا تھا۔

''آپ نے اسے خفا کر دیا۔''

''نہیں وہ خفا نہیں ہوتی۔''

''اچھا اب اجازت جگنو۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''خدا حافظ جگنو۔''

''خدا حافظ۔ مائی سویٹ ہارٹ۔'' وہ لان کی سیڑھیوں پر کھڑا دیکھتا رہا، اس کی پشت پر لمبے بالوں کی چوٹی لہرا رہی تھی۔ چوٹی کے آدھے بل کھلے ہوئے تھے۔

کمر سے نیچے بل کھاتے ریشمی بالوں کو دیکھ کر جگنو کا دل شدت سے چاہا وہ انہیں اپنی

مٹھی میں لے کر ان کی نرماہٹ محسوس کرے۔

لیکن بعض خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جو کبھی پوری نہیں ہوتیں۔

☆......☆......☆

جگنو انتہائی سادہ مزاج نوجوان تھا۔ آج کل کے رنگین مزاج فیشن ایبل اور زمانہ ساز نوجوان کی طرح نہیں تھا اور نہ وہ ایسی لڑکیوں کو پسند کرتا تھا۔ اسے دیا راؤ جیسی لڑکیاں پسند تھیں جن کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے جو حیا اور سچائی کی مظہر ہوتی ہیں جن کی بے ریا مسکراہٹ روح کو شگفتہ کر دیتی ہے، دیا میں یہ ساری صفات موجود تھیں۔ جھکی جھکی پلکوں، مدھم مدھم مسکراہٹ والی کم آمیز اور خوبصورت، دیا اسے بہت اچھی لگتی تھی جس نے اس کی اتنی چاہت ہونے کے باوجود کبھی آنکھ ملا کر بات نہیں کی تھی۔ اس کی بہت کم سہیلیاں تھیں۔ پکنک اور سیر و تفریح کے لیے بھی وہ جگنو کے مشورے سے کہیں جاتی، اگر وہ منع کر دیتا تو وہ کسی گیدرنگ میں شریک نہیں ہوتی حالانکہ وہ اسے کبھی کہیں آنے جانے سے روکتا نہیں تھا بلکہ اسے کہتا تھا کہ ضرور تقریبات میں جانا چاہیے، وہ بڑے پیار سے کہتی۔

''جگنو اگر آپ میرے ساتھ چلیں گے تو چلوں گی ورنہ نہیں۔''

''کیا تم چل سکو گی میرے ساتھ......؟''

''ہاں دل کرتا ہے ہر جگہ، ہر محفل، ہر تقریب میں آپ کے ساتھ شرکت کروں مگر مجبوری ہے آپ کے ساتھ کہیں بھی نہیں جا سکتی۔ مجبوروں کی بیڑیاں میرے پیروں میں پڑی ہیں، نہ یہ زنجیریں کٹیں گی اور نہ ہی پیر آزاد ہوں گے۔'' اس نے گہری سانس کھینچتے ہوئے کہا۔

''کیا میری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی جگنو کہ ہم کہیں ساتھ جا سکیں۔''

''دیا مایوس نہیں ہوتے، بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''پتا نہیں کب ٹھیک ہوگا۔''

''میرے ساتھ جانا چاہتی ہو؟''

''ہاں، اب تو دل کرتا ہے صرف آپ کے ساتھ ہی جاؤں بس۔''

یہ بات جگنو کو پور پور سرشار کر دیتی۔

اور کبھی وہ اس سے ضد کرتا۔

''دیا......'' وہ شدت سے اسے پکارتا۔

''ہوں۔'' وہ اس کے لہجے میں کھوئی کھوئی سی بولتی۔

''ایک بار صرف ایک بار کہہ دو۔''

''کیا کہہ دوں.....؟'' وہ سمجھتے ہوئے بھی جان بوجھ کر نا سمجھی سے اسے دیکھتی۔

''کہ تم میری ہو۔''

وہ شریر سے لہجے میں کہتی۔

''ارے خواہ مخواہ میں کیوں کہہ دوں کہ آپ کی ہوں، معلوم نہیں کس کے نصیب کا ستارہ ہوں، کس کی زندگی کے آسمان پر چاند بن کر چمکوں گی۔''

''آئندہ ایسی بات مذاق میں بھی نہ کہنا دیا۔ میں تمہارے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گا۔ اگر تم نے مجھ سے منہ موڑا تو زہر کھالوں گا۔''

دیا کو ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوتا تو کہتی۔

''سوری جگنو یہ مطلب نہیں تھا میرا، جسٹ مذاق کیا تھا۔''

وہ ندامت سے کہتی۔

''تم میرے نصیب کا ستارہ ہو اور میری زندگی کے آسمان پر چاند بن کے طلوع ہو گی۔''

وہ بڑے فخر سے اس کا ہاتھ تھام لیتی۔ ''ہرگز نہیں جگنو یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں کہ میں کسی اور کی ہو جاؤں گی۔ ہر چند کہ میری شادی کا آخری فیصلہ میرے والدین کا ہوگا مگر میں انہیں آپ کا ریفرنس دوں گی۔ ہم مزاج شناس ہیں ایک دوسرے کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں۔''

''ہاں میں تمہیں بہت چاہتا ہوں اور یہ سچ ہے ہم مزاج شناس ہیں۔ شریک سفر کے لیے میرا نظریہ یہی رہا ہے کہ ایک اچھی مشرقی بیوی کے لیے خوب صورت اور سرو قد ہونا ضروری نہیں ہے۔ شادی تمام زندگی کا سودا ہوتی ہے جو بہت سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے جس میں پسند ناپسند کا بڑا دخل ہوتا ہے اور اس معاملے میں ہم دونوں بڑے خوش نصیب ہیں کہ نہ صرف ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں بلکہ بہت شدت کے ساتھ چاہتے بھی ہیں۔''

وہ اس وقت کرن کے گھر کے لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''دیا ہمارے لیے کرن کا گھر ہی گوشہ عافیت ہے، اگر یہ بھی نہ ہوتا تو ہم کہاں ملتے۔''

وہ سرگوشی میں بولا۔

''وہ غفور و رحیم ہے، مسبب الاسباب ہے، کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی دیتا ملنے کا۔''

''ہاں اس پر یقین رکھنا چاہیے ہمیں۔''

''ہم بہت جلد ایک ہو نگے۔'' جگنو نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''انشاءاللہ۔'' دیا نے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں مسکرا دیئے۔

''آپ کا کلور کوٹ جانے کا تو کوئی ارادہ نہیں ہے؟''

''فی الحال تو کوئی ارادہ نہیں، اوکاڑہ آنے کے لیے دل بڑا بے چین رہتا ہے اس لیے دو دن بعد ہی اتنا طویل سفر طے کر کے آ گیا اور جانے کا ارادہ بھی ہوا تو..... کسی نے روکا تو رک جاؤں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے کن انکھیوں سے دیا کی طرف دیکھا۔ دیا مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی، جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اس نے بھی بات ٹال کر پوچھا۔

''اچھا یہ بتائیں آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے جاب یا بزنس۔''

''بزنس کر رہا ہوں۔ پاپا نے الگ آفس بنا کر دیا ہے۔''

''سچ۔''

''ہاں۔''

''دیا..... تم نے میری بات بہت خوب صورتی سے ٹال دی ہے۔''

''کون سی بات؟'' اس نے انجان بن کر پوچھا۔

اس نے ٹھنڈی گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''کوئی نہیں۔''

''جگنو۔''

''ہوں۔''

''آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو روکوں گی نہیں؟ اور کبھی ایسا وقت آ جائے تو کیا آپ رک جائیں گے؟''

''ہاں تم ایک بار روک کر تو دیکھو، موت سے دامن چھڑا کر آ جاؤں گا، اپنی دیا کیلئے۔''

''جگنو.....'' اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''آئندہ ایسا مت بولنا پلیز۔''

''سوری دیا نہیں بولوں گا آئندہ ایسا کچھ بھی جو میری دیا کو تکلیف پہنچائے۔''

"تھینکس جگنو۔" اس نے جگنو کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"ویلکم دیا۔" اس نے دیا کے ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔

"آج کل کن سوچوں میں رہتے ہو؟"

"آج کل ایک گڑیا کے تصور میں کھویا رہتا ہوں۔ اس کے تصور رنگ وخوشبو چراتا ہوں، اس کی باتوں سے غنچے کھلاتا ہوں اور موسموں سے خواب چراتا ہوں۔" وہ ہنسا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے جگنو۔" اس کی آنکھوں میں ہلکا ہلکا خوف ہلکورے لے رہا تھا۔

اس نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔

"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے، مگر یہ بات الگ ہے کہ تم میری باتوں کو دیوانے کی بڑ سمجھ بیٹھی ہو۔"

"تو پھر سچ کیا ہے، بتا دیجئے۔ مجھے پریشان کیوں کر رہے ہیں؟" وہ روٹھی روٹھی سی بولی۔

"اچھا آؤ تم سچ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لو خواہ مخواہ الفاظ ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مڑا اور اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

دیا کی حیرانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اندر کا ماحول انتہائی خواب ناک تھا۔ ہلکی ہلکی سی نیلی روشنی میں خوابوں کا سحر بکھرا ہوا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایزل پر کینوس چڑھا ہوا تھا مگر اس پر کپڑا پڑا ہوا تھا، دیا پرسوچ انداز میں اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

آج وہ پہلی بار دیا کو اپنے خوابوں، خیالوں سے متعارف کرانے لایا تھا۔ آج تک وہ اس کے فن سے واقف ہی نہیں تھی، نہ ہی کبھی کرن نے ذکر کیا تھا۔

"جگنو یہ بتائیں اس ایزل پر کس کی تصویر لگا رکھی ہے، کیا مجھے نہیں دکھائیں گے؟" دیا نے مسکرا کر اس کی توجہ ایزل کی طرف مبذول کر دی۔

"یہ کوئی عام تصویر نہیں ہے، زندگی کی خوشیوں سے معمور اور جذبوں کے حسن سے بھرپور میرے خوابوں کی شہزادی کی تصویر ہے۔" جگنو راؤ نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تو میں ضرور دیکھوں گی۔ مجھے تو آج ہی معلوم ہوا کہ آپ تصویریں بھی بناتے

ہیں، پھر ان کی نمائش کا انتظام کیوں نہیں کرتے۔ یہ محض خواب ہی تو نہیں ہیں ان سے تو بہت سی حقیقتیں وابستہ ہوتی ہیں۔"

"نہیں دیا۔ نمائش مجھے کسی چیز کی بھی پسند نہیں ہے، جو چیز خود آنکھوں کو اچھی لگتی ہو اسے کیا دعوت نظارہ دینا۔ میری چھوٹی سی یہ دنیا اس تصویر اور تصویر والی پر مشتمل ہے، میں مصور نہیں ہوں، بس یہ الگ تصویر بنائی ہے۔ بس کبھی کا شوق اس تصویر پر پورا کر لیا ہے اور تم دیا تم نے کبھی میرے جذبوں کی نفی نہیں کی۔ مجھے سمجھا ہے، تلاش کیا ہے اور یہی میری تمام زندگی کا اساس ہے۔"

دیا کی آنکھوں میں جیسے پوری کہکشاں اتر آئی تھی۔ جگنو راؤ کی ستائش بھری باتوں نے اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ لرز رہی تھی۔

"اچھا آپ نے باتوں میں مجھے بہلا دیا۔ ذرا اس پردہ نشین کے چہرے سے نقاب تو اٹھائیں، میں بھی تو آپ کے خوابوں کی اس شہزادی کو دیکھوں۔" وہ اس کے بالکل قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

"رونمائی میں کیا دو گی؟" وہ مسکرایا۔

"یہ تو اس پری پیکر کے حسن پر منحصر ہے کہ کتنا متاثر کرتی ہے۔"

وہ مسکرائی۔

"ایک بات بتاؤ؟"

"جی کہیے......"

"ناراض تو نہیں ہو گی تصویر دیکھ کر۔"

"کیوں ناراض ہوں گی، یہ تو ایک حسین شاہکار ہے جس نے آپ کے خیالوں کو دوام بخشا ہے۔"

"اور تصویر والی سے بھی نہیں؟"

"نہیں، پہیلیاں نہیں بھجوائیں حقیقت سے پردہ اٹھا دیں۔"

"اچھا ذرا آنکھیں بند کرو۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"اب آنکھیں کھول دو۔"

اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔ سامنے ہی وہ خود مسکرا رہی تھی اور دیا کو یوں لگا جیسے

وہ قد آدم آئینے کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی ہو۔ تصویر دیا کا پورٹریٹ تھا۔ اسے یاد آیا اس دن وہ اسی طرح کا نیوی بلیو سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ ایک ہاتھ پر اس کے دوپٹے کا آنچل پڑا تھا، دوسرا آنچل سر سے ڈھلک کر کندھے پر آ گیا تھا۔ بال کھلے ہوئے پشت پر پڑے ہوئے تھے، اس کے ہونٹوں پر شرمگیں تبسم تھا اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، کچھ دیر سناٹا سا طاری رہا پھر اس نے جگنو کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''آپ نے تو کمال کر دیا، کیا میں اس قابل تھی جسے کینوس کی زینت بنایا جاتا؟''

''تم تو میرے شہر دل کی حکمران ہو دیا، دل کے ایوانوں میں تمہارے حسن کے چرچے ہیں۔ یہ کینوس تو بہت چھوٹی سی چیز ہے۔''

وہ بری طرح شرما گئی۔

''اچھا میں چلوں۔'' اس نے مڑتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ رونمائی دیئے بغیر۔'' جگنو راؤ نے اس کے سامنے مسکرا کر ہاتھ پھیلا دیئے اور دیا نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر مسکرا کر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

☆......☆......☆

وہ اوکاڑہ صرف چار ماہ کے لیے آیا تھا، وہاں اس کی سب سے بڑی پھوپھو جانی رہتی تھیں جنہوں نے اپنے گھر کی فروخت کے لیے اسے کچھ عرصے کے لیے اپنے پاس بلایا ہوا تھا۔ بیٹا تو ان کا کوئی تھا نہیں، شوہر بستر سے ہی لگ کر رہ گئے تھے۔ دو بیٹیوں کا بوجھ ابھی کندھوں پر تھا، اس لیے وہ چاہتی تھیں اس گھر کو بیچ کر کوئی چھوٹا سا گھر لے لیں تاکہ بچ جانے والا پیسہ بچیوں کی شادی پر کام آ سکے، جوں ہی وہ لوگ دوسرے گھر میں شفٹ ہوئے اور مکان بکنے کے بعد رقم کی ڈلیوری عمل میں آئی، جگنو کی ممی نے فون پر جلد واپس آنے کا حکم سنا دیا۔ ویسے بھی جگنو راؤ ان کا لاڈلا اور اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کی امیدوں اور آرزوؤں کا محور اور ویسے بھی اب زبیر حسن راؤ بزنس کی ذمے داریاں اس کے کندھوں پر مکمل طور پر ڈالنا چاہتے تھے اور جگنو راؤ تو بھلا ہی بیٹھا تھا کہ اسے کلور کوٹ بھی واپس جانا ہے۔

دیا کو پتا چلا تو وہ بے حد اداس ہو گئی۔ ابھی تو زندگی میں کسی کا رنگ جھلکنے لگا تھا اور جگنو واپس جانے کو کہہ رہا تھا۔ وہ اداس تھی اور جگنو اسے ہنسانے کے لیے جتن کر رہا تھا۔

''بھئی تم تو اتنی افسردہ ہو گئی ہو جیسے میں کلور کوٹ جانے کے بجائے ملک عدم سدھار رہا ہوں۔''

جگنو نے اسے چھیڑا تو اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''ایک تو جا رہے ہو اس پر فضول باتیں کر رہے ہو۔''

وہ رونے کی تمام تر تیاریاں پوری کرنے کو تھی کہ جگنو نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''دیکھو چندا میں ایک ماہ کے بعد چکر لگاؤں گا۔ اصل میں پاپا کے سر پر بہت کام ہے، مجبوری ہے کہ مجھے جانا پڑے گا ورنہ تم سے دور کون کافر جانا چاہ رہا ہے، مجھے تو خود سمجھ میں نہیں آ رہی تمہارے بغیر اتنا وقت کیسے گزاروں گا؟''

مگر دیا کی اداسی جگنو کی باتوں سے ختم نہ ہو پائی۔ وہ آنسو بہاتی رہی اور وہ اس کو دلاسے دیتا رہا۔ پھر وہ اسے روتا بلکتا چھوڑ کر جلد آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ وہ جگنو کی واپسی کے دن گن گن کر گزارنے لگی۔

کرن اکثر اس کی امی جان سے ملنے آتی رہتی تھی۔ کرن اس کی کولیگ تھی اور راجپوت فیملی سے تھی۔ دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔ دونوں مقامی کالج میں پڑھاتی تھیں، یہیں ان کی دوستی ہوئی تھی، آج بھی وہ اس کے گھر آئی ہوئی تھی کہ کرن نے اس کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔

''آنٹی آپ دیا کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں؟ اب تو یہ جاب بھی کرنے لگی ہے۔''

اس نے آنکھ دبا کر دیا کو دیکھا تو دیا کے ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''بس بیٹا کیا بتاؤں دیا کے ابا ہر رشتے کو رد کر دیتے ہیں ان کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے دیا کے نصیب بھی کھول دے، شادی کی یہی عمر ہوتی ہے، لیکن دیا کے ابا کو کون سمجھائے، گھر میں بے کار بیٹھی تھی کہ اس نے سروس کر لی۔ اچھا ہے اس طرح اس کا دل بہلا رہتا ہے، وہ تو شکر ہے اس نے نوکری کر لی، بیٹا لوگ باتیں بناتے ہیں کہ بیٹی کی شادی نہیں کرتے لیکن وہ لوگوں کی پرواہ کب کرتے ہیں۔''

''ارے امی جی لوگ تو ہم سے جلتے ہیں، میں نے تو شوقیہ نوکری کی ہے، وقت بھی اچھا گزر جاتا ہے اور گزارا بھی اچھا ہو جاتا ہے۔'' دیا امی جی کے گلے سے لگ کر انہیں پیار کرتے ہوئے بولی۔

''اور کرن صاحبہ میں تھوڑی سی تفریح چاہتی ہوں، باہر کی دنیا اور اس کی پھیلی ہوئی رنگینیوں، دلچسپیوں سے محظوظ ہونا چاہتی ہوں، مجھے خوش رہنے دو۔'' دیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور جگنو کا کیا ہوگا؟ رہ سکو گی اس کے بنا؟''

بھابی چائے کی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں، انہوں نے کرن کی بات سن لی تھی، ان کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے دیا، یہ جگنو کون ہے؟ قصہ کیا ہے؟"

انہوں نے جھجکتے ہوئے دیا کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ بتاتی کرن بول اٹھی۔

"میں بتاتی ہوں بھابی دیا اور جگنو......"

"کرن پلیز......" اس نے کرن کو ٹوک دیا، کرن ایک دم ہی خاموش ہوگئی۔

"دیا میری جان سوری۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گی جب تک تم خود نہیں بتاؤ گی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم نے ابھی کسی سے ذکر نہیں کیا۔"

تھوڑے وقفے کے بعد کرن بولنے کے قابل ہوئی تھی۔ اس کا لہجہ شرمندگی لیے ہوئے تھا۔ اس نے دیا سے نظریں چرالیں۔

"کرن ایسی بات نہیں جانو ریلیکس پلیز۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے کرن کی خجالت کم کرنے کی کوشش کی اور کسی حد تک کرن نارمل بھی ہوگئی۔ پرتکلف ماحول میں چائے پی گئی۔ امی جی مصطفیٰ کا فون سننے لگی تھیں، اس سارے معاملے سے وہ بے خبر تھیں۔

مغرب کی نماز کے بعد دیا راکنگ چیئر پر بیٹھی آہستہ آہستہ جھولتی ہوئی کافی کی چسکیاں لے رہی تھی، اس کے چہرے پر کسی حسین سوچ نے گلاب کھلا دیئے تھے۔ بھابی اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھتی رہیں اچانک دیا کی نگاہیں اٹھیں تو وہ گڑبڑا گئی۔

"اوہ بھابی آپ۔"

وہ جلدی سے کپ رکھ کر بولی تو وہ پھر اسے گھورتی رہیں۔

"کیا بات ہے بھابی اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں، پلیز بتائیں تو سہی۔"

دیا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر سامنے والی کرسی پر بیٹھا دیا۔

"اچھا آپ ناراض ہیں؟" وہ مسکرائی۔

"کیا میری ناراضی غلط ہے بولو؟"

"بالکل نہیں بھابی ایک فیصد بھی غلط نہیں۔ میں خود آپ کو بتانا چاہتی تھی۔ دراصل وہ......وہ جگنو راؤ سے میں آپ کو کسی دن ملوانا چاہتی تھی۔ وہ بہت اچھا انسان اور پیاری شخصیت کا

مالک، بڑی خوب صورت باتیں کرتا ہے، اس کی کمپنی میں ذرا بھی وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔"

وہ بولتے بولتے کچھ کھو سی گئی۔

"لیکن دیا ابا کو کون منائے گا وہ تو کبھی تمہاری شادی جگنو سے نہیں کریں گے۔ انہوں نے تو مصطفیٰ کی پسند بھی ری جیکٹ کردی ہے۔"

بھابی نے حقیقت کا خنجر اس کے سینے میں اتار دیا۔

"خود سمجھدار ہو بے وقوف اور نادان تو نہیں ہو۔ پھر تم نے دیا کو جگنو کو کیوں اپنے دل کی دہلیز تک آنے دیا۔"

"یہ سب سوچ سمجھ کر تو نہیں ہوتیں۔ دل پر کب کسی کا اختیار ہوتا ہے، مجھے نہیں معلوم جگنو کب اور کیسے میرے دل کا مہمان بن گیا، میں نے اسے اپنے دل سے جھٹکنے کی بہت کوشش کی لیکن اپنی اس کوشش میں ناکام رہی، میں ہار گئی بھابی، اس کے جذبوں کی شدت کے آگے، میں نے خود سے جنگ لڑتے ہوئے جگنو کے سامنے ہتھیار پھینک دیئے۔"

"وہ......وہ بہت اچھا ہے۔ بھابی بہت اچھا، میں اس کے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں رہ سکوں گی۔ آپ ایک بار اس سے مل کر تو دیکھیں۔"

"مگر دیا ابا کب مانتے ہیں کسی کی بات۔" ان کی آنکھوں میں موتی سے چمکنے لگے۔

دیا ایک دم اٹھی اور نیچے بیٹھ کر ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو پڑی اور ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔

"میری مدد کریں بھابی ورنہ میرا دل بند ہوجائے گا۔"

دیا کے آنسوؤں سے ان کا گھٹنا بھیگ گیا تھا، سخت تذبذب میں تھیں یہ کیا ہوگیا۔

"کیا سوچنے لگیں بھابی؟"

وہ کچھ خوف زدہ سی ہوکر بولی۔

بھابی نے چونک کر اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور خود بھی کھڑی ہوکر بولیں۔

"ٹھیک ہے اپنے آنسو پونچھو۔ تم اسے کسی دن مجھ سے ملواؤ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

انہوں نے اسے اور خود کو جھوٹی تسلی دی تھی جبکہ ان دونوں کا ایک ہوجانا ناممکن تھا۔

"سچ بھابی۔"

وہ مسرت سے بے قابو ہو کر ان کی طرف بڑھی، مگر وہ اتنی دیر میں دروازے پر پہنچ چکی تھیں۔ دیا آنسو بھری پلکوں سے ان کو جاتا دیکھتی رہی۔

دیا خود بھی جانتی تھی کہ ابا کبھی نہیں مانیں گے مگر جگنو کی محبت نے اس کے دل سے سب خوف نکال دیئے تھے۔ وہ اس کی محبت میں رقص کرنے لگی تھی۔ اسے کچھ بھی تو ناممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ابا کے بارے میں سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی، تب ہی تو وہ سب کچھ بھول کر جگنو کی محبت کے رنگوں میں نہا گئی تھی۔ یاد رہا تو میں اپنا اور جگنو کا ملن۔

''دیا ایک بات پوچھوں؟'' کرن اور دیا کلاس سے باہر طویل کوریڈور سے گزر رہی تھیں۔

''پوچھو۔''

''اس دن جگنو نے کیا کہا تھا کہ تم ناراض ہو گئی تھیں۔''

''میں، نہیں تو۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' کرن نے رُک کر اسے غصے سے گھورا۔

''نہیں بابا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اصل میں ابھی جگنو سے زیادہ واقفیت نہیں ہے تو اس لیے مجھے اس کے مزاج کا زیادہ اندازہ نہیں ہے کہ کیسا ہے۔ اس لیے مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ مجھے اس طرح بے تکلفی سے مخاطب کر کے.....''

وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اسے احساس ہوا وہ کیا کہنے جا رہی ہے۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی نام سے مخاطب کرنا اور تمہیں جگنو کے مزاج کا اندازہ نہیں ہے۔'' وہ استہزائیہ ہنسی۔ ''اور نام سے مخاطب کرنا تو کوئی برائی نہیں اس سے تو محبت بڑھتی ہے۔''

اس نے کرن کے غصے سے گھورنے پر بات کا رخ پلٹ دیا۔

''شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے کبھی کسی غیر شخص نے اس طرح مخاطب نہیں کیا۔''

''یہ تو ناراضگی کا کوئی جواز نہیں ہے اور جگنو غیر وہ بھی تمہارے لئے ..... ایزی تک..... چالاکی کی یہ گولیاں کسی اور کو کھلانا، کم از کم کرن تمہارے چکر میں آنے والی نہیں۔ بات تو کچھ اور ہے تم بتانا، نا چاہو تو تمہاری مرضی ہے۔ مجھے کریدنے کی ضرورت بھی نہیں بات تو پھر بھی کھل جائے گی میری جان۔''

اس نے دیا کے گال پر چٹکی کاٹتے ہوئے پیار سے کہا۔ دیا کی اس ادا پر کرن کا دل چاہ رہا تھا فدا ہو جائے، وہ واقعی ہی اس کی بھابی بننے کے قابل ہی تھی۔

''دیا ایک بات کہوں اجازت ہے؟'' اس نے ذو معنی لہجے میں کہا۔

''ہاں کہو، اجازت کیسی۔'' وہ مسکرائی۔

''تم خاص نہیں بہت ہی خاص ہو۔ یوں ہی تو جگنو تمہارا دیوانہ نہیں ہے۔'' کرن کے ہونٹوں پر پیار بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔ کرن اپنی دھن میں بولے چلی گئی۔

''پتا ہے دیا۔ جگنو میرا ماموں زاد بہت اچھا میرا بہت پیارا بھائی اور میری فیورٹ پرسنالٹی ہے، ہمیشہ سے وہ میرا بہت اچھا بھائی اور دوست ہے، ہر دم ہنسنے ہنسانے خوشیاں بانٹنے والا، اور تم ہر وقت جگنو کی آنکھوں کے عکس میں چھپائے ہو اور یہ یاد رکھنا وہ تمہیں زندگی بھر ہنسائے گا اور خوش رکھے گا، اتنی خوشیاں دے گا کہ تمہارا دامن بھی تنگ پڑ جائے گا۔''

''تم یہ سب کیا کہہ رہی ہو کرن؟'' اس کے لہجے نے کرن کو حیرت زدہ کر دیا۔ ''وہ ہی ڈیئر جو تم بتانا نہیں چاہ رہی۔'' اس نے دیا کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے ایسی کوئی غلط بات کہہ دی؟''

اس نے دیا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' دیا نے تیزی سے خود کو سنبھال لیا۔

''پتا نہیں تم نے کیوں سب اپنی مرضی سے فرض کر لیا ہے، اور بہت کچھ تم نے خود سوچ لیا ہے اور میں بھی عام لوگوں کی طرح ایک عام سی لڑکی ہوں تمہاری طرح۔''

اس نے کرن کی تسلی کرنا چاہی مگر وہ اتنی جلدی مطمئن ہونے والی کہاں تھی۔

''عام تو خیر نہیں ہو تم خاص الخاص ہو کسی کیلئے.....''

اسی اثناء میں دوسری کولیگ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گئیں اور بات آئی گئی ہو گئی اور وہ سب کینٹین کی طرف چل پڑیں۔

کتنی خواہش تھی کرن کی کہ دیا اس کی بھابی ہے، جگنو کے ساتھ اس کا جوڑ بہت اچھا تھا، اس کی خواہش تھی کہ جگنو اور دیا ایک ہو جائیں۔ اپنی اس کوشش میں وہ لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ اپنی اس خواہش کا اظہار اس نے جگنو سے بھی کیا تھا، وہ مسکرا کے رہ گیا۔

''ہاں گڑیا دعا اور کوشش کرو۔ میری بھی یہی خواہش ہے، دیا کے بغیر میری زندگی بھی نامکمل اور ادھوری ہے۔ میری زندگی میں چاند کی روشنی بن کر چمکی ہے اور میں اس روشنی کو اپنی زندگی بنا لینا چاہتا ہوں کہ وہ تمام عمر کے لیے اپنی روشنی سے منور رکھے۔''

''ہاں آپ کی خواہش ضرور پوری ہوگی۔''

ان تینوں بہنوں کو جگنو سے بے حد محبت تھی۔ وہ انہیں اپنے سگے بھائیوں کی طرح عزیز تھا، وہ بھی ان تینوں کو بھائیوں جیسا ہی پیار دیتا تھا۔ کیا ہوا جو اس نے پھوپھو کی کوکھ سے جنم نہیں لیا تھا مگر تھی وہ اس کی ماں ہی جیسی، ویسے بھی ان سب کی محبت تو اس کے لہو میں دوڑتی تھی ان سب سے بہت اٹیچڈ تھا وہ۔

خوشی تو کرن کو بھی تھی کہ اس کی دوست اس کی بھابی بنے گی اور جگنو نے بھی خود کو بہلا لیا تھا کہ اگر شادی کرے گا تو صرف دیا سے ورنہ کوئی دوسری لڑکی اس کی زندگی میں نہیں آ سکتی، چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔ وہ اپنے قول و فعل اور ارادوں میں اتنا ہی مضبوط تھا کہ دیا جیسی ہیرا لڑکی جس کی رگوں میں خون نہیں محبت دوڑتی تھی، وہ اس کی زندگی میں شامل ہو جائے تو وہ خوش قسمت سمجھے گا خود کو، دیا کی خاطر اس نے بہت سے رشتوں کو ٹھکرا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی خالہ اور ماموں زاد کو بھی۔

وہ دیا کی چاہت میں پور پور ڈوب گیا تھا۔ دیا ان لوگوں میں سے تھی جن کا ظاہر باطن ایک ہوتا ہے، ان کی چاہت کا رنگ اتنا گہرا پکا ہوتا ہے کبھی اترتا ہے نہ بدلتا ہے۔

اس کے ذہن میں دیا کی باتیں بازگشت کرنے لگیں اور پھر وہ اس کی پیار بھری باتوں میں کھو گیا۔

☆......☆......☆

آج اس کی سالگرہ تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ جگنو اسے مبارک باد دے۔ کتنی ہی بار اس کا دل ہمکا کہ وہ اسے کہہ دے کہ ''مجھے مبارک باد دو۔ آج میری سالگرہ ہے۔'' لیکن وہ خاموش رہی۔ اسی وقت اس کے سیل پر بیل ہوئی تو وہ چونک گئی، جگنو کا فون تھا۔ دیا کو حیرت انگیز خوشی ہوئی۔

''دیا سالگرہ کی بہت بہت مبارک ہو۔'' اس نے کہا۔

''شکریہ، آپ کو کس نے کہا کہ آج میری سالگرہ ہے؟''

ریسیور میں اس کے ہنسنے کی آواز آئی۔ ''یہ میرا راز ہے، یہ نہیں بتاؤں گا۔'' وہ مدھم لہجے میں بولا۔ ''خیر یہ بتاؤ، آج شام تو تم مصروف ہوگی؟''

''کیوں؟'' دیا نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''میں شام کو تمہاری سالگرہ سیلیبریٹ کرنے کا سوچ رہا تھا بشرطیکہ تم شام کو مصروف نہ ہو اگر کچھ وقت نکال سکو تو......''

''نہیں، کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ کوئی اہتمام کریں۔ آپ نے وش کر دیا۔ یہی کافی ہے۔'' اس نے بہت محبت سے ٹالتے ہوئے کہا۔

''میں کرن کے ساتھ آ جاؤں؟ اگر تم چاہو گی تو کہیں باہر بھی جا سکتے ہیں۔''

''کہیں باہر تو ممکن نہیں ہے میرے لئے، ہاں کرن کی طرف آ سکتی ہوں۔ میں ممی سے اجازت لے کر بتاتی ہوں آپ کو، پھر کرن کی طرف آ جاؤں گی۔''

''او۔ کے میں انتظار کر رہا ہوں۔'' جگنو نے ہنس کر میٹھے لہجے میں کہا۔

دیا بھی ہنسی اور جواب دیئے بغیر ہی ریسیور رکھ دیا۔

پھر وہ ممی سے اجازت لے کر بڑے بھیا کے ساتھ کرن کے گھر آ گئی کیونکہ وہ تو کوئی اہتمام کرتی نہیں تھی اپنی سالگرہ پہ۔ بس سب لوگ مبارک اور بہت ہی دعاؤں سے نواز دیتے تھے۔ یہ سالگرہ ہوتی تھی اس کی، یہ اس کی پہلی سالگرہ تھی جو جگنو سیلیبریٹ کرنا چاہتا تھا اسے بھی خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اس سے بھی زیادہ چاہتا ہے دیا کو۔

کوئی آپ کو خود سے بڑھ کر چاہے تو آپ کو خوشی کے ساتھ ساتھ فخر بھی محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے اتنا چاہتا ہے، وہ انسان خود بخود مغرور ہو جاتا ہے۔

جب وہ کرن کے گھر پہنچی تو جگنو اسے دیکھ کر خوش ہو گیا اور خوش گوار لہجے میں بولا۔

''تم آ گئیں دیا......؟''

''جی۔'' اس نے سر جھکا کر کہا۔

جگنو کتنی دیر حیران کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہوں میں دیا کے لیے ستائش ہی ستائش تھی، جگنو کی آنکھوں میں مچلتا سوال دیکھ کر اس نے کہا۔

''یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ اچھی لگ رہی ہوں؟'' وہ خود اپنی تعریف کرتے ہوئے بولی اور پھر عادت کے مطابق قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''ہاں بہت اچھی لگ رہی ہو، نظر لگ جانے کی حد تک۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''سالگرہ بہت بہت مبارک ہو دیا۔'' کرن دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی، جب وہ آئی تو کرن رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی، کچھ اور چیزیں تیار کر لی

تمہیں سالگرہ پر اہتمام کیلئے۔

''اب تک یہیں کھڑی ہو، آؤ نا اندر چلو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہوئے بولی۔ ''ویسے تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو، میری نظر نہ لگ جائے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''نہیں تمہاری نظر نہیں لگ سکتی، اگر لگے گی تو......'' دیا نے زبان دانتوں دلے داب لی۔

''جگنو کی بھی نہیں لگے گی کیونکہ پیار کی نظر نہیں لگتی۔'' جگنو نے بھی دیا کے لہجے میں جواب دیا۔ جگنو کے لبوں کی تراش میں بڑی پیاری مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

''نظر تو پیار ہی کی لگتی ہے۔'' کرن نے صاف لفظوں میں جگنو کو کہا۔

''تو ٹھیک ہے کرن جی۔ پیار کی نظر لگ جائے لیکن پیار کو نظر نہ لگے۔'' جگنو نے بہت گہری بات کی تھی۔

''خدا نہ کرے۔'' دیا نے یکدم کہا اور کرن نے فوری طور پر موضوع گفتگو بدلا اور اس کو لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی رہی اور پھر کچن میں آ گئی۔ اسے شام کے لیے تیاری بھی کرنی تھی۔ دیا بھی تھوڑی دیر بعد اس کے پاس کچن میں آ گئی، لیکن کرن نے کسی چیز کو اسے ہاتھ نہیں لگانے دیا اور اس نے کچن میں ہی بیٹھ کر چائے پی۔

''تم یہاں کیوں آ گئی ہو۔ جاؤ، جا کر جگنو سے بات کرو، وہ کب سے تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے اور آج کے دن کے لیے نہ معلوم کیا کیا باتیں سوچ رکھی ہوں گی جو تم سے کہنا چاہتے ہیں، بعد میں تم دونوں کو وقت نہیں ملے گا کہ بیٹھ کر تسلی سے کوئی بات کر سکو، پھر گھر سے تمہیں کوئی لینے آ جائے گا۔''

''بس تم......'' دیا نے کہا۔

''مجھے چھوڑو اور اچھے بچے کی طرح یہاں سے جاؤ۔ پہلی مرتبہ تھوڑا تم ان سے مل رہی ہو جو یوں شرما رہی ہو۔ جاؤ نا پلیز۔'' کرن کے اصرار پر وہ کچن سے برآمدے میں آ گئی جہاں جگنو پہلے ہی اس کا منتظر بیٹھا تھا۔

''میں تو سوچ رہا تھا کچن میں آ کر تمہاری مدد کروں۔''

''کیوں......؟''

''تم آتے ہی کچن میں مصروف ہو گئی تھی، مجھے محسوس ہوا شاید تم کرن کا ہاتھ بٹانے گئی ہو۔ اور کوئی مقصد نہیں تھا تمہارا آنے کا۔'' اس نے ناراض لہجے میں کہا۔

''خفا ہو گئے ہیں آپ؟'' اس نے پیار بھری نگاہوں سے جگنو کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ اس کی نگاہوں میں، چہرے پر ناراضگی کے آثار تھے۔

''خفا ہو گئے ہیں؟''

وہ کچھ نہیں بولا۔

''سوری۔'' اس نے فوراً معذرت کر لی۔ جگنو کو اس کی یہی عادت تو اچھی لگتی تھی کہ وہ بحث کے بجائے فوراً اپنی غلطی مان کر سوری کر لیتی تھی۔

اس کے سوری کرتے ہی وہ مسکرا دیا۔ ''یہ بات نہیں تھی دیا بس دل چاہ رہا تھا کہ آج تمہیں اپنے سامنے بٹھا کر دیکھتا رہوں اور تم......؟''

دیا نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

''کبھی کبھی دل چاہتا ہے نا کہ اپنے محبوب کو سامنے بٹھا کر تکتے رہیں اور زندگی یوں ہی تمام ہو جائے۔''

''جگنو پلیز ایسی باتیں نہیں کرتے۔'' اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''اِٹس او کے دیا۔'' اس کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

''اتنا اہتمام کیوں کیا آپ نے؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا، یہ سب کرن نے ہی کیا ہے۔ دل چاہتا ہے نا اپنے محبوب کے لیے جان تک قربان کر دی جائے۔ یہ تو کچھ نہیں۔''

''کرن نے وہ ہی کیا ہے نا جو آپ نے کہا......؟''

''کوئی اور بات کرو۔'' جگنو نے موضوع گفتگو بدلا۔

''ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ تم آ جاؤ گی۔''

''کیوں......؟'' دیا نے تعجب سے سر اٹھا کر جگنو کو دیکھا۔

''پتا نہیں کیوں۔'' اس نے گول مول جواب دیا۔

''لیکن میں نے آپ کی منفی سوچوں کو مثبت انداز میں بدل دیا۔ آپ کی شاید کو یقین میں بدل دیا۔''

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''آپ کی اتنی چھوٹی سی خواہش کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھی، جو میرے بس میں ہو کبھی انکار نہیں کروں گی۔''

''کبھی بڑی خواہش کے رد کیے جانے کا امکان ہے......؟''

''یہ نہیں کہا میں نے۔''اس نے پلکیں جھپکیں۔

''تو پھر کیا کہا ہے تم نے؟''

''کچھ نہیں۔''وہ بھی مسکرا دی۔

''یہ پڑھو۔''اس نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

''تکلف کیا آپ نے۔''

''تکلف تو تم کر رہی ہو!''

پیکٹ کھلا اور ہاتھ سے بنے پینٹ کیے ہوئے خوبصورت کاغذ کے کچھ اوراق سامنے بکھر گئے۔ ہر ورق پر خوب صورت حروف میں ایک نظم لکھی ہوئی تھی۔ ''نظمیں...... آپ نے لکھیں۔''دیا نے حیرت سے اسے دیکھا، جگنو جھینپ کر مسکرایا۔

نظر جب اس سے ملتی ہے
میں خود کو بھول جاتا ہوں
بس اک دھڑکن دھڑکتی ہے
میں دل کو بھول جاتا ہوں
اسے ملنے سے پہلے میں بہت
سجتا سنورتا تھا
مگر جب وہ سنورتی ہے
میں خود کو بھول جاتا ہوں
میں اکثر کتابوں پر اسی کا نام لکھتا ہوں
مگر کچھ وہ جو لکھتی ہے
میں لکھنا بھول جاتا ہوں
میں اکثر ہی یہ کہتا ہوں
میں تم سے پیار کرتا ہوں
مگر جب وہ یہ کہتی ہے
میں دنیا بھول جاتا ہوں

☆......☆......☆

چائے رکھ کر کرن باہر چلی گئی۔ ڈرائنگ روم میں وہ دونوں رہ گئے۔

''کئی دن سے آپ میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی ہیں جگنو۔''

''کیسی تبدیلیاں؟''

''آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور آپ نے وہ تصویر یہاں سے کیوں ہٹالی؟''

''وہ میرا حق تھی۔''

''اور آپ کو شاید نہیں میں نے کہا تھا وہ تصویر مجھے چاہیے، اپنے کمرے میں رکھنے کیلئے۔''

''لیکن میرے پاس تو وہ ہی ایک تصویر تھی جو میں...... اس تصویر میں نے اپنی دیا کا ایک ایک نقش چرایا ہے اپنی آنکھوں سے۔''اس کے لہجے میں محبت اور پیار ہی پیار تھا۔

''آپ اسے اپنے پاس رکھ کر خلاف ورزی کریں گے۔''

''کوئی خلاف ورزی نہیں، خلاف ورزی تو وہ ہے جو تم کر رہی ہو۔ تم سے کوئی تصویر نہیں مانگی اب اپنے سے تمہارا ایک ایک نقش تراشا ہے میری دیا میرے پاس ہے تو میں کیوں واپس کروں دیا۔''

''اور کسی نے دیکھ لی تو......؟''

''کرن جانتی ہے اور کون دیکھے گا۔''

''کوئی بھی۔''

''میں اسے حفاظت سے رکھوں گا، بس ممی پاپا کو دکھاؤں گا، اپنی بہو کو دیکھ لو۔ وہ شرما گئی اور سر جھک کر مسکرا دی۔

''آپ کی مرضی۔''

''ویسے دیا ہماری زندگی بھی عجیب دوراہے سے گزر رہی ہے۔ کب ختم ہوں گی ہماری یہ دُوریاں، ملن کی گھڑیاں کب آئیں گی۔''

''میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں جگنو۔ آپ کے لبوں پر اگر قفل ہیں تو لب میرے بھی سلے ہیں۔''

''میں تو قفل توڑ دوں اگر تم اجازت دو تو۔''

''ابھی انتظار کرلیں، کچھ وقت گزرنے دیں میں بھابی سے بات کرلوں گی۔''

''اچھا۔ عجیب آئین ہے دیا۔ میں نے تو آج تک ایسا دیکھا نہ سنا۔ اپنی خوشیوں کو

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

حاصل کرنے کے لیے بھی مسائل کا دریا عبور کرنا ہوگا۔''

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ دیا کے لیے ہی نہیں اس کے لیے بھی طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔

''اچھا وہ تصویر مجھے چپ چاپ دے دیں۔'' وہ پھر اس موضوع پر آ گئی تھی۔

''لینا ہو تو پھر میری جان لے لو۔'' وہ مسکرایا۔ شریر انداز تھا۔

''جگنو مجھے خبر نہیں رفاقتوں کا یہ سلسلہ کیسے جڑا، لیکن اب میرے دل میں آپ کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

''تم بہت گہری ہو دیا، میں جانتا ہوں تمہیں سب خبر ہے۔''

''تو مجھ پر الزام لگا رہے ہیں؟''

''حقیقت بیان کر رہا ہوں۔''

''کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں تم بھی آ سکتے ہو اور پھر دل کی گہرائیوں میں اتنا اتر جاؤ گے کہ......''

''ڈوب جاؤں گا۔''

''نہیں۔''

''اڑ جاؤں گا۔''

''وہ کیسے......؟'' اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''جگنو ہوں نا اس لئے۔''

''نہیں ڈوبو گے نا اُڑو گے ہاں مگر جگنو کی روشنی......''

''بلب ہو جائے گا، روشنی بجھ جائے گی۔'' اس نے دیا کا جملہ اچکتے ہوئے کہا۔

''جگنو کی لائٹ جاتی ہے نا بلب فیوز ہوتا ہے بلکہ اس کی روشنی تو بہت ٹھنڈی ہوتی ہے۔'' جگنو کی روشنی قدرت کا حیرت انگیز معجزہ ہے کیونکہ ہر قسم کی روشنی گرم ہوتی ہے جبکہ جگنو کی روشنی ٹھنڈی ہوتی ہے انسان اتنی ترقی کے باوجود ایسی ٹھنڈی روشنی پیدا نہیں کر سکتا......''

وہ چپ ہوئی تو جگنو خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی روشنی چمک رہی تھی جس نے اس کے چہرے کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔

چند لمحوں بعد اس کے لب گلاب کی پتیوں کی طرح وا ہوئے۔

''تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

جگنو اس کی بات پر دل کھول کر ہنسا۔

''بہت خوب دیا، بہت خوب۔''

تو دیا بھی مسکرا دی۔

''دیا زندگی کی بازی جیت لیں گے، بس تم میرا ساتھ دینا دیا۔ پھر زندگی کیسے گلزار بنتی ہے یہ میرا ساتھ بتائے گا۔ پھر ہماری زندگی میں سکون ہی سکون ہوگا ایک خوب صورت پرسکون گھر ہوگا اور پھر پھول ہمارے آنگن میں کھلیں گے تو ہماری زندگی مکمل ہو جائے گی اور زندگی اس کے سوا کسے کہتے ہیں۔''

جگنو کی آنکھوں میں مستقبل کے حسین خواب اتر آئے تھے اور ان خوابوں کے محل میں دیا کو بھی گھسیٹ لایا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے خوابوں کے سفر پر چل پڑی تھی نہیں معلوم اس خواب کی تعبیر بھی ملی کہ نہیں۔ وہ منزل تک پہنچ بھی پائے یا درمیان سے واپسی کا سفر کرنا پڑتا۔ یہ تو آنے والے وقت پر منحصر تھا، کس کل اونٹ بیٹھتا ہے ابھی تو جذبوں میں شدت تھی، ولولے اور حوصلے جواں تھے، ابھی تو محبت پھولوں سے سجا سفر تھا ان کیلئے، کانٹوں اور اذیتوں سے بہت دور تھے۔

زندگی جبر مسلسل کی طرح کٹے گی اس کا تو وہم وگماں بھی نہیں تھا انہیں۔ بس یہی تھا کچھ وقت لگے گا پھر سب کچھ ان کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔ ہر انسان جب سفر پر روانہ ہوتا ہے تو منزل پر پہنچنے کی لگن شدید ہوتی ہے اس وقت یہ یاد نہیں رہتا اسے کہ راستے میں کن کٹھنائیوں سے گزرنا پڑے گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتاتا ہے۔

زندگی بے رحم استاد ہے، جو امتحان پہلے لیتی ہے اور سبق بعد میں سکھاتی ہے۔

''ویسے نام کیا رکھو گی؟'' وہ اس کے قریب جھکتے ہوئے بولا۔

''پھولوں کا۔''

''پھول کو کسی نام سے بھی پکار لو پھول ہی رہتے ہیں۔'' اس نے شریر سے لہجے میں کہا۔

''اور دیا کی بچی میں اپنے وجود......''

دیا کو احساس ہو گیا کہ وہ کچھ نہ کچھ غلط ہی بولے گا، اس سے پہلے ہی بول پڑی۔

''ناموں کا فیصلہ تو آپ ہی کریں گے۔''

''نہیں اس فیصلے کا مکمل اختیار تمہارے ہاتھ میں ہوگا۔''

''بیٹے کا نام ریان اور نک نیم جگنو۔''

''اور بیٹی کا نام......؟''

''ہوں......'' وہ آنکھیں بند کر کے بولی۔

''تحریم۔''

''واؤ......اور پیار سے۔''

''چینی کی گڑیا، چندا، پنکی ڈول اور......''

''اتنی ساری گڑیاں......''

''جگنو......'' اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے پیار بھرے غصے سے پکارا مگر جگنو کی آنکھوں میں پیار کا سمندر دیکھ کر نظریں جھکا گئی اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رخ پھیر گئی۔

''او......دیا۔'' جگنو نے دھیرے سے کہا اور کھل کر ہنس دیا۔

کرن کھانا لگا کر آئی تو اندر کی سچویشن دیکھ کر واپس ہوئی اور باہر سے بولی۔

''دیا اگر شرمانے کا پروگرام ختم ہو گیا ہو تو کھانے کے لیے آجاؤ، کھانا لگ گیا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم کی طرف چل دی اور دیا پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا اور پھر وہ کھانا کھائے بغیر ہی آ رہی تھی لیکن کرن نے اسے زبردستی روک لیا، اس نے دو چار لقمے زہر مار کر کھائے اور گھر چلی آئی لیکن دل ہی دل میں جگنو سے خفا ہو گئی اس کی وجہ سے کرن کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑی۔

☆......☆......☆



دیا نے کچھ نظمیں بار بار پڑھیں۔

''آپ شاعری بھی کرتے ہیں؟'' دیا نے اس طرح کہا جیسے کچھ کہنے کو رہ ہی نہ گیا ہو اور کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

''میں شاعر ہوں، یہ گمان مجھے کبھی نہیں رہا۔ ہاں تمہیں دیکھنے کے بعد احساس ہوا اور آج اچانک اپنے احساسات، خیالات کو لفظوں کا روپ دے دیا تمہارے لئے۔''

''سچ؟''

''ہاں۔''

''آپ نے بہت اچھی نظمیں لکھی ہیں، آپ لکھا کریں۔''

''نہیں میں صرف تمہارے لیے لکھوں گا صرف تمہارے لئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے احساسات دوسروں تک پہنچیں، یہ سب ہم دونوں تک ہی رہنے چاہئیں۔''

''جیسے آپ کی مرضی، مگر لکھا کمال کا ہے۔'' اس نے ایک بار پھر تعریف کی۔

جگنو کی آنکھوں میں، پورا سراپا گواہ تھا کہ وہ اس دشت میں دور، بہت دور نکل چکا ہے واپسی اب ناممکن نہیں۔

دیا بار بار نظموں کو پڑھ رہی تھی کیونکہ اس کا بچاؤ اس وقت اسی میں تھا کیونکہ اس کی نظروں کا سامنا کرنا اس لیے بہت مشکل ہو رہا تھا۔

''میرے پاس وہ الفاظ کہاں جو آپ کو سراہ سکوں مگر واقعی آئی لائک ویم ویری مچ۔''

چند لمحے وہ دیا کو دیکھتا رہا۔ دیا نے محسوس کیا اس کی ہتھیلیاں پسیج رہی تھیں، اس کا دل دھڑک رہا تھا جس میں ہلکی سی لرزش بھی تھی۔ دیا نے نظر جھکا لیں، وہ اسی طرح بیٹھی رہی، آگے کیا

ہوگا؟ شاید اس کا فیصلہ بہت قبل ہی ہو چکا تھا۔

"دیا......"

"جی۔"

"کیا تم مجھے ہمیشہ اتنا ہی پیار دو گی؟" اچانک جگنو نے سوال کیا۔

دیا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"دراصل تم سمجھی نہیں کہ میرا مطلب کیا ہے اور پھر جواب فوراً دینے کے لیے میں کہتا بھی نہیں۔ میں مدتوں تمہارا انتظار کر سکتا ہوں، چاہے کچھ بھی ہو لیکن کبھی اپنے پیار میں کبھی کمی نہیں آنے دینا۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ......" دیا خفیف سی حیرانی اور خوشی سے بولی۔

"مجھے پہلی نظر میں تم سے پیار ہوا تھا۔ مجھے تمہارے کھو جانے کا دکھ تھا کہ تم کہیں دوبارہ...... نہ ملیں تو...... میں تڑپ گیا لیکن جب مجھے پتا چلا کہ تم کرن کی دوست ہو تو دل کو کچھ تسکین سی ہو گئی تھی کہ دوبارہ بھی ملاقات کے امکان ہیں اور میری آس کی تکمیل ہو سکتی ہے۔"

"آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ کہیں انگیجمنٹ بھی ہو سکتی ہے؟"

"ہاں یہ نہیں سوچا تھا میں نے نہ ہی ایسا کوئی خیال آیا مجھے۔"

"کیوں؟"

"نہیں معلوم۔"

"اگر ایسا ہوتا تو......؟"

"تو تب بھی اپنے خدا سے مانگ لیتا تمہیں۔"

"اتنا پیار کرتے ہیں؟"

"کوئی شک ہے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"آزما کے دیکھ لو۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"پھر ایسا کیوں کہا......؟"

"بس یوں......"

"آئندہ......؟"

"آئندہ کبھی یہ خیال نہیں آئے گا۔" اس نے جگنو کا ادھورا جملہ اچکتے ہوئے مکمل کیا۔ تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تو وہ بھی اس قہقہے میں اس کے ساتھ شریک ہو گئی۔

"آپ اس قدر اچھے کیوں ہیں؟"

"اس کا جواب پھر کبھی مناسب وقت آنے پر دوں گا، ادھار ہے یہ۔"

اس نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ پھر خاموش ہو گئی۔ اتنے میں کرن کچن سے آ گئی تو گویا دیا کی جان چھوٹی۔

جان چھوٹی لاکھوں پائے کے مترادف اس کی خلاصی ہو گئی۔

"کھانا تیار ہے، میرا خیال ہے اب کیک کاٹ لیا جائے۔" کیا خیال ہے اس نے جگنو کی طرف دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، تم کیا کہتی ہو دیا؟"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"تو پھر اٹھتے ہیں۔" جگنو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں چیزیں لگاتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔" وہ اٹھی۔

"نہیں۔ تم کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی آج، تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔ بس میری نظر لگواؤ آج۔" اس نے دیا کا گال چھوتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

جگنو تیار ہونے چل دیا تو وہ ڈرائنگ روم میں کرن کی ممی کے پاس آ گئی، جو شاید سو رہی تھیں۔ اس نے ان کو جگانے کی کوشش نہیں کی، اگر وہ آرام کر رہی تھیں تو وہ ان کو ڈسٹرب کیوں کرتی۔

خیر کچھ دیر بعد ہی کرن نے گرین سگنل دے دیا تو وہ کرن کی ہمراہی میں اس کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں سب انتظام کیا گیا تھا، جیسے ہی اس نے دروازے کا ہینڈل پر ہاتھ رکھا دروازہ کھلتا چلا گیا، اس نے پہلا قدم ابھی اندر ہی رکھا تھا کہ پھولوں کی برسات ہو گئی اس پر، ایک لمحے کے لیے تو اسے کچھ نظر ہی نہیں آیا اور کرن کب اس کے قریب سے گزر کر اندر چلی گئی تھی۔

"میرا خیال ہے اب گرما گرم کافی ہو جائے؟"

کرن نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے ان کی رائے چاہی۔

''نیک خیال میں دیر کیسی؟'' جگنو نے کہا۔

''کافی میں بنا کر لاتی ہوں...... میرا خیال ہے کرن اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟''

''اعتراض تو مجھے تب بھی نہیں تھا لیکن آج کے دن نہ موقع تھا نہ دستور۔ اس لیے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیا، میں تو اب بھی نہیں بنانے دوں گی۔''

''نہیں کرن تم اب کافی بنا لینے دو دیا کو۔ دیا کے ہاتھ کے ذائقے کا بھی تو پتہ چلے، کافی بناتی ہے یا جوشاندہ۔ آئندہ ساری زندگی اسی قسم کے لوازمات برداشت کرنے پڑیں گے۔ اچھا ہے ابھی سے عادی ہو جاؤں۔'' اس نے مسکرا کر دیا کو دیکھا تو وہ جگنو کی اس بات پر جھینپ گئی۔

وہ مستقبل کے سہانے خواب دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ دونوں کچن میں کافی بنانے چل دیں تو جگنو بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

وہ کافی میکر کے پاس کھڑی کافی بنا رہی تھی جگنو دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم ہمیشہ یوں ہی کافی بنا کر دیا کرو گی؟'' اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ ہمیشہ یوں ہی پاس کھڑے ہوا کریں گے۔'' اس نے کافی کا مگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے جگنو کو کہا، اس کا لہجہ شرارت سے بھرپور تھا۔

''وعدہ۔'' اس نے محبت اور سچائی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

پھر کافی کا دوسرا مگ اس نے کرن کو تھما دیا اور خود چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی۔ جگنو نے کافی کے دو چار گھونٹ لینے کے بعد مگ واپس رکھ دیا اور مسکرا کر بولا۔

''اگر اتنی اچھی کافی روزانہ نہ ملے تو کون کافر تمہارے ساتھ کھڑے ہو کر کافی تیار نہیں کرائے گا جناب۔'' اس نے دنیا جہاں کا پیار نگاہوں میں سموئے ہوئے اسے دیکھا اور پھر باہر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ تو باہر چلا گیا مگر اس کی خوشبو بہت دیر تک دیا دیا کے آس پاس منڈلاتی رہی۔

پھر دیا کے بھیا اسے لینے کے لیے آ گئے اور وہ ان کے ساتھ اپنے گھر چلی آئی لیکن اپنے ساتھ بہت ساری خوش گوار یادیں دامن میں سمیٹے آئی تھی، اس کی آنکھوں میں جگنو سے

چمک رہے تھے۔

☆......☆......☆

گھر میں ہو ہا شور شرابے بلکہ طوفانِ بے پناہ کا اک عالم تھا، جدھر دیکھو لوگ ہی لوگ، جدھر جاؤ رنگینی ہی رنگینی، کہیں بڑی بوڑھیوں کی محفل جمی ہے کہیں لڑکیاں سُر اور تال کی قید سے بے نیاز گا بجا رہی ہیں۔ کہیں لڑکوں نے آفت مچا رکھی ہے، بے ہنگم موسیقی پر بے ہنگم اُچھل کُود کرتے ہوئے وہ سب دنیا کے ہر غم اور دکھ سے بے نیاز تھے، ادھر ہال کمرہ تو بس جیسے چھوٹے بچوں کے لیے ہی وقف ہو کر رہ گیا تھا، ماؤں کو محفل اٹینڈ کرنے کی فکر ہوتی، دودھ پلایا، تھپک تھپک کر سلایا اور چل دیں، کپڑوں کی تیاری کے مرحلے ایک ماہ پہلے ہی طے ہو چکنے کے باوجود ابھی تک افراتفری کا وہی عالم تھا۔ کسی کے پاس میچنگ لپ اسٹک نہیں کسی کے پاس سینڈل، کوئی پرس کے لیے مارا مارا پھر رہا ہے، بازاروں میں اور ہاں کمرے میں دو چار بچے بیک وقت چیخ رہے ہوتے۔

''اے خدا کی مار لڑکیوں پر...... اے گھر میں شور کی کمی تھی کیا جو ان بچوں کو رُلانا بھی ضروری ہو گیا۔ اے کوئی دیکھو تو جا کے، کیسا ہنگامہ ہو رہا ہے اندر۔ کہاں گئی ہیں ان کی مائیں۔''

''دادی وہ تو بازار گئی ہیں۔'' کسی نے بتایا۔

''لو اور سنو۔ میں کہتی ہوں، اتنے دن جو خاک چھانتی رہی ہیں بازاروں کی کیا اس سے دل نہیں بھرا تھا ان کا جو پھر چلی گئیں۔ نہ بچوں کی پرواہ ہے نہ شوہروں کی خبر، انہیں تو بس نکاح میں بلوایا ہوتا، غیروں کی طرح آتیں، شرکت کر کے چلی جاتیں، ادھر کھانا پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے ادھر بچوں کی چیخم دھاڑ...... ان کے میاں موم کی ناک ہیں، جو برداشت کر رہے ہیں یہ سب، بھئی ہم نے تو ایسی بدتمیزی اور بدنظمی نہ کی، نہ سنی۔ ایک وہ ہمارے میاں تھے مجال ہے جو ایک پل کو بھی انہوں نے ایسی چھوٹ دی ہو ہمیں، ہمیں تو ہفتوں سر کے بال سنوارنے کی فرصت نہ ہوتی تھی، سب لگے ہیں دن بھر بچوں کی دیکھ بھال میں۔ جاگ رہے ہیں راتوں کو یہ آج کل کی لڑکیاں...... خدا کی پناہ...... پیدا کیا اور بے خبر ہو گئیں۔''

دادی بی راشدہ کے بیٹے کو کندھے سے لگائے چپ کراتے ہوئے اپنے غصے کا اظہار کر رہی تھیں اور راشد مسکراتے ہوئے ان کا لیکچر سن رہا تھا۔

''دادی بی لائیں مجھے دے دیں اسے۔'' ثمن نے بچے کو گود میں لینا چاہا۔

''اے لو اور سنو اب چپ ہوتے بچے کو سنبھالیں گی ادھر جو پڑے ریں ریں کر رہے

ہیں ان کی طرف جاؤ لڑکی، اسے تو میں چپ کرا چکی ہوں۔''

دادی بی نے افسری بوا کی لائی ہوئی دودھ کی بوتل بچے کے منہ سے لگاتے ہوئے ثمن کو ٹوکا۔

وہ ہال کی طرف چل دی۔

پورچ میں ایک ساتھ دو گاڑیاں رکنے کی آواز آئی۔

''اوہ لگتا ہے واپسی ہوگئی ہے۔'' راشد بے اختیار کہہ اٹھا۔

دادی بی نے جھٹ ان کی طرف دیکھا، وہ دادی بی کے لیکچر سے تنگ آئے ہوئے تھے۔

''ہاں، ہاں جاؤ بچے، رستے میں پھول بکھیرو۔ استقبال کرو آ گئی ہے سواری باد بہاری۔''

دادی بی سدا کی تنگ مزاج تھیں، طبیعت کے خلاف چھوٹی سی بات برداشت نہ کرتی تھیں۔

بے چارہ راشد مسکراتا رہا، وہاں سے اُٹھنے کی ہمت نہ کرسکا۔ وہ ساری کی ساری دادی بی کے کمرے میں آ دھمکیں، کوئی قالین پر گر رہا ہے تو کوئی تخت پر، کسی نے دادی بی کے نرم و گداز بستر پر دھم سے اپنا آپ ڈال دیا۔

''اُف مائی گاڈ ایسا رش نہ کبھی دیکھا نہ سنا، سانس لینے کی فرصت نہیں تھی۔''

رفعت نے چادر ایک طرف ڈال کر بال سمیٹ کر کیچر کی قید میں دیتے ہوئے کہا۔

''اے کوئی اے سی تو چلا دو۔ مارے گرمی کے دم نکلا جا رہا ہے۔'' سعدیہ نے صدا دی۔

''اوئی نوج مارچ کا مہینہ اور اے سی۔ ہٹو بی کسی اور کمرے میں جاؤ۔ جا کے کچھ بھی چلاؤ۔ یہاں تو بچہ ہے میری گود میں، خدا خدا کر کے سویا ہے۔''

دادی بی نے سعدیہ کو گھور کر دیکھا۔

''لائیے اسے مجھے دے دیجئے۔ میں سلا آتا ہوں اپنے کمرے میں۔'' راشد نے بچے کو لینا چاہا۔

شاہدہ نے شوہر کی طرف دیکھا اور دادی بی نے شاہدہ کی طرف جو تخت پر نیم دراز تھی

سخت تھکی ہوئی۔

''توبہ ہے زن مریدی کی حد ہوگئی ہے بیٹا۔ بیوی کے آتے ہی فرمانبرداری دکھانے لگے۔''

''کیا ہوا دادی بی، بچہ صرف شاہدہ کا ہی نہیں میرا بھی ہے اور یہ شادی بیاہ کے معاملے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان بے چاریوں کو بازار جانے کی خوشی تھوڑی تھی۔ چچی ہی نے بھیجا تھا۔ بصد منت، پھر سب کو اپنے اپنے کام بھی یاد آ گئے۔'' راشد نے صاف بیوی کی حمایت کی، دادی بی کو پتنگے لگ گئے۔

''کیسے چپ چاپ بیٹھا تھا۔ بیوی کا منہ دیکھتے ہی زبان کھل گئی۔ چڑھاؤ سر پر۔ ہمارا کیا ہے، سر پکڑ کر روؤ گے۔ آتا ہی کیا ہے، ان آج کل کی لڑکیوں کو سوائے فیشن اور نخرے کے۔ یہ تم جیسے بدھو شوہروں کی مہربانیاں ہیں۔ ایک ایک دو دو بچے پال کر بھی مزاج نہیں ملتے بے چاریوں کے۔ ایک ہم تھے پورے آٹھ بچے پیدا کئے، پانچ بیٹے تین بیٹیاں۔ مجال ہے جو کسی نے ایک پل کو مدد کی ہو ہماری۔''

''کیوں دادی بی وہ دس دس نوکرانیاں کیا ہوئیں جو گھر میں کام کیا کرتی تھیں۔''

ثمن دادی بی کی بہت لاڈلی پوتی تھی۔ ساتھ ہی منہ پھٹ بھی۔

''وہ بچوں کو نہیں سنبھالتی تھیں، بچوں کے سارے کام ہم نے خود کئے اپنے ہاتھوں سے۔ وہ اللہ بخشے تمہارے دادا کو۔ ان کی مہمان داری کا سلسلہ ہی کچھ ایسا تھا کہ دن بھر تو چولہے پر ہی رہتا تھا۔ صفائی کے لیے جھاڑو اور پوچی ہاتھ میں۔''

اور وہ پھوپھو کہتی ہیں کہ سارے بچے انہوں نے ہی پالے ہیں۔'' شاہدہ نے دادی بی کو چھیڑا۔

''کون؟ کس نے؟ خود تو بالشت بھر کی تھی سڑی سوکھی چھپکلی جیسی۔ آتے ہی بچے پالنے لگ گئی۔ کدھر ہے، کدھر ہے بلاؤ تو ذرا۔ خدا کی مار جھوٹے پر۔ وہ تو جب بیوگی کا داغ لیے پھر سے میری دہلیز پر آ بیٹھی، تب وہ چھوٹے بھائی اس کے ساتھ مانوس ہوگئے۔ اس کے کمرے میں سونے لگے اور وہ بھی کوئی دودھ پیتے بچے تھوڑی تھے، چھ اور آٹھ سالوں کی عمریں تھیں ان کی۔ پالے تو ہیں اس نے بچے، مگر بھاوجوں کے میرے نہیں۔''

دادی بی سخت مزاج تھیں۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھیں۔ یہ احسان اس نے

بھائیوں کی اولاد پر کیسے ہیں مجھ پر نہیں۔ اے میں کہوں لوگوں کو اتنا جھوٹ بولنے کی عادت کیوں ہوتی ہے۔ اس نے میرے بچے پالے ہیں، ذرا بلاؤ تو...... اپنی پھوپھو کو۔ پوچھوں ذرا اس سے میں......"

"چھوڑیئے دادی بی! اب بھلا یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔ آپ نے پالے ہوں یا کسی اور نے۔ اب تو خیر سے آپ کے بچے خود دادا، دادیاں بن چکے ہیں۔ اب کیا حساب کرنا، نفع و نقصان کا۔"

راشد سدا کا ہنس مکھ اور صلح جو تھا۔

تایا ابا کا چھوٹا بیٹا، شاہدہ کے شوہر نامدار ابھی چند سال پہلے جب وہ انجینئرنگ کا طالب علم تھا۔ دادی بی کی گود میں سر رکھ کر منہ بسورتا ہوا اپنی نامکمل سی خواہشات دادی بی سے کہنا ان کا دل پسند مشغلہ تھا اب بھی چھٹیاں گزارنے آتا تو بس ان ہی کے کمرے میں چین ملتا۔ اکثر یہیں پائے جاتے، دادی بی کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ بچے کو شاہدہ کی گود میں ڈال کر وہ لپک جھپک باہر نکل گئیں۔

فون کی گھنٹی جانے کب سے بج رہی تھی۔ انسانوں سے بھرے اس گھر میں کسی کو فرصت ہی نہ تھی۔ فون اٹینڈ کر لینے کی۔

"مجال ہے جو کسی کو ذمے داری کا احساس ہو۔ جانے کون ہوگا فون پر۔" پھوپھو بی بڑبڑاتے ہوئے فون کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ دادی بی نے انہیں جالیا۔

"کیا الٹا سیدھا بکتی رہتی ہو بچوں کے سامنے۔" ماؤتھ پیس پر رکھے پھوپھو بی کے ہاتھ کے باوجود دادی بی کی آواز فون کرنے والے تک پہنچ رہی تھی۔

"اماں جان چپ ہو جائیں۔ ہیلو...... ہیلو...... کون......؟"

"میں ہوں پھوپھو بی۔"

"ارے اعظم بیٹا۔ تم ہو، کمال ہی کر دیا تم نے تو۔ سب لوگ پریشان ہیں تمہاری طرف سے۔ ابھی تک وہیں بیٹھے ہو۔"

"کیا کروں پھوپھو بی۔ نوکری کا معاملہ ہے آپ کیا جانیں چھٹی منظور کرانا کتنا مشکل ہے۔"

"تمہیں ہی شوق تھا بیٹے فوج میں جانے کا۔ میں پوچھتی ہوں آخر کیا ضرورت تھی، جا

کے کالے پانی بسیرا کر لیا۔"

"اوہ پھوپھو بی چھوڑیئے اس بات کو۔ میں کل شام پہنچ جاؤں گا۔ بس اب کچھ نہ کہیئے گا اور اس وقت میں فون بھی سر کے آفس سے کر رہا ہوں۔ ایکسٹینشن پر انہوں نے سن لیا نا کہ آپ کوس رہی ہیں محکمے کو تو دی ہوئی چھٹی بھی کینسل کر سکتے ہیں وہ۔"

"لاؤ مجھے فون دو اعظم ہے ناں۔" دادی بی اپنا غصہ بھول بھال کر نئی فکر میں لگ گئیں۔ انہوں نے فون کا ریسیور پھوپھو بی کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"اے بیٹا بھاڑ میں گئی ایسی نوکری۔ کل شام مہندی ہے اور تم ابھی وہیں بیٹھے ہو۔ اے میں کہتی ہوں۔ چھٹی نہیں مل رہی تو استعفیٰ دے کر آ جاؤ، ہمارے ہاں دولہا بھی سات روز پہلے گھر میں بٹھا دیا جاتا ہے، کل شام مہندی ہے اور تم ابھی تک وہیں ہو۔ اے میں کہتی ہوں چھٹی نہیں مل رہی تو استعفیٰ دے کر آ جاؤ، میں تو اب جواب دے دے کر تھک گئی ہوں لوگوں کو۔ بھلا ایسی بھی کوئی شادی دیکھی کسی نے جس میں دولہا گھر سے غائب ہو اور شگن منائے جا رہے ہوں۔"

"اوہ پیاری دادی، شادی کے وقت میں آپ کے حضور حاضر ہوں گا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ دراصل آپ نے شادی غلط وقت پر رکھ دی۔ اس میں میرا یا محکمے کا کیا قصور۔ یہ بھی احسان سمجھیں سر کا کہ انہوں نے دو دن پہلے آنے کی اجازت دے دی۔ میرے ساتھی ابھی تک صحراؤں کی خاک چھان رہے ہوں گے۔ میں وہاں سے جلدی لوٹ آیا۔ نوکری کرنی ہے دادی بی...... نوکری۔ شادی نوکری سے کم اہم ہے۔ بہر حال۔"

"ہائے ہائے کیسی بات کرتا ہے یہ لڑکا۔ شادی اور نوکری کا کیا مقابلہ بھلا۔"

"مقابلہ کیسے نہیں دادی یہ ٹھاٹ باٹ والی نوکری نہ ہوتی تو آپ کے بیٹے نے کب دینی تھی اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی آپ کے اس پوتے کو۔" اعظم نے دادی بی کو یاد دلایا۔

"بس کچھ نہیں سنوں گی، تم جلدی سے آ جاؤ میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملے دل کو سکون نصیب ہو سچ پوچھو تو دل کہیں نہیں لگ رہا۔ شادی کی ساری رونق دولہا کے دم سے ہی ہوتی ہے۔ آنکھیں ترس گئی ہیں تمہیں دیکھنے کو۔ سب کے درمیان تمہاری غیر موجودگی بہت تکلیف دے رہی ہے مگر تمہیں ان باتوں کا کہاں احساس۔" وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ یہیں آ کر کمزور پڑ گیا ہمیشہ ان کے آنسو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیتے تھے اور اب بھی ایسا ہی ہوا۔

"بس میں کچھ نہیں سنوں گی۔ تم جلدی سے آ جاؤ، میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملے، دل کو

سکون نصیب ہو، سچ پوچھو تو دل کہیں نہیں لگ رہا۔ شادی کی ساری رونق اسی وقت ہوتی ہے جب دل کے ٹکڑے جمع ہوں۔ پھر لڑکیاں ڈھولک پر گیت گاتی بھی اچھی لگتی ہیں اور میرا دھیان تو تیری طرف ہوتا ہے۔ کہا بھی تھا مہینہ بھر پہلے چھٹی لے کر آ جاؤ مگر تم بات مان کے نہ دیئے۔ اتنے ضدی اپنی منوا کے چھوڑی تم نے۔'' پھوپھو بی نے گھور کر ماں کو دیکھا۔

''اماں یہ وقت ایسی باتوں کا ہے بھلا۔ لائیں مجھے دیں فون۔ ہیلو، چندا۔ تم کل شام جلدی آنے کی کوشش کرنا۔ مہندی کی رسم ہوگی، پہلے وہ لوگ آئیں گے مہندی لے کر، پھر جائیں گے مہندی لگانے۔ گھر میں رش تو آج بھی ہے ماشاءاللہ۔ اپنا خاندان ہی اتنا بڑا ہے کل اور مہمان بھی آ جائیں گے لیکن تم فکر نہ کرنا میں نے تمہارے لیے پورا انتظام کر دیا ہے۔ رات ٹھیک طرح سے آرام کر سکو گے، پھر تو سب ہی جمع ہیں، کزنز دوست ایک پل کو جان نہ چھوڑیں تمہاری۔''

''ٹھیک ہے پھوپھو بی۔ میں آ جاؤں گا، کوشش کروں گا جلد از جلد پہنچنے کی۔''

''اتنی بھی جلدی نہ کرنا، گاڑی بڑی تیز چلاتے ہو تم اور یہ ڈرائیور آخر کس مرض کی ہے تم آرام سے پیچھے بیٹھنا تھکنے کی ضرورت نہیں، پورے سات آٹھ گھنٹے کا سفر ہے۔ اتنا سا نکل آئے گا۔ جانتی ہوں جتنا تم کھاتے پیتے ہو، ان دنوں میں اتنا سا منہ نکل آیا ہو گا میرے کا۔''

''اوہ کرنل صاحب سن لیں گے وہاں آ کر ہی باتیں ہوں گی۔ خدا حافظ میں شام پہلے پہنچ جاؤں گا۔ آپ بےفکر رہیں۔ خدا حافظ۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

دادی پھوپھو بی پر آنے والا سارا غصہ بھول بھال چکی تھیں۔

''اے سیما میں تو بھول ہی گئی تھی، تمہاری چچی کے ہاں مہندی کے کارڈ بھجوائے نہیں۔''

''آپ نے ہی منع کیا تھا کہ میں خود ان کے ہاں جاؤں گی۔''

''اے کیا کرتی میں۔ آخر کون کون سا کام کروں۔ راشد سے کہتی ہوں جا کے لائے۔''

''تو آپ ہی چلی جایئے ناں راشد کے ساتھ خوش ہو جائیں گی وہ۔ یوں لڑ ہاتھ بلوانے پر شاید نہ آئیں۔''

''یہ ٹھیک کہا تم نے۔ راشد سے کہو گاڑی نکالے اور لے جائے مجھے ان کے ہاں۔''

☆......☆......☆

چھوٹے چچا کا خاندان شہر سے بیس پچیس کلومیٹر دور اپنی زمینوں پر آباد تھا۔ سدا سے ہی۔ بیٹے پڑھ لکھ گئے تھے، نوکری چاکری کرنے لگے تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنی آبائی جگہ کو نہیں چھوڑا تھا۔ ان کے انداز رہن سہن پر دیہاتی ماحول کی سادگی کی چھاپ تھی، ان کے طور طریقے باقی سارے خاندان سے جدا تھے چچی، دادی بی کی سب سے چھوٹی دیورانی تھیں۔ دادی بی نے چھوٹے چچا کی خواہش کے باوجود ان کی بیٹیاں اپنے بیٹوں کے لیے نہیں لی تھیں۔ یہ بات انہیں ناراض کر دینے کو کافی تھی لیکن وہ لوگ شاید عفو و درگزر کی مٹی سے بنے تھے۔ برا مانا بھی ہو گا تو بہت جلد بھول بھال گئے۔ پھر سے پہلے کی طرح ملنے گئے۔ اب تو خیر سے بیٹیوں کے ہاں بھی جوان اولادیں تھیں بلکہ ان کے بھی بچے تھے۔

دادی بی زمانہ شناس عورت تھیں۔ رکھ رکھاؤ والی، زندگی بھر بظاہر کسی سے بگاڑ کر نہ رکھتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی مرضی چلائی تھی۔ انہیں لوگوں کو تسخیر کرنے کا ڈھنگ آتا تھا، کسی کو خبر ہی نہ ہو سکتی تھی کہ دادی بی نے کب اور کیسے کسی سے کوئی مفاد حاصل کر لیا۔ کس طرح اسے استعمال کر کے اپنا مطلب نکال لیا۔

دادی بی گھر کی بلکہ خاندان کی سب سے بڑی بزرگ تھیں، ان کی حکمرانی کا دور اسی دن سے شروع ہو گیا تھا جس روز وہ بیاہ کر گھر میں آئی تھیں۔

صبور احمد اس گھر کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اٹھارہ برس کی عمر تھی ان کی جب دادی بی سے ان کی شادی ہو گئی۔ دادی بی ان کی تایازاد تھیں، عمر میں ان سے پورے چار برس بڑی تھیں۔

نانا ابا میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ ان کا بیاہ ہو گیا۔ گھر والے چاہتے تھے کہ وہ گھر کے بڑے بیٹے ہونے کی حیثیت سے زمینوں کا سارا کاروبار سنبھال لیں مگر دادی بی نے انہیں شہر بھیج دیا جہاں انہوں نے مزید تعلیم حاصل کی اور ملازم ہو گئے۔

اس زمانے میں پڑھے لکھے لوگوں کا کال تھا۔ خالی آسامیاں منتظر رہتی تھیں کہ کون کب آئے گا۔ سو دادا ابا کو تحصیلدار ہونے میں دیر نہ لگی تھی۔ سسر کے، جو نانو بی کے چچا بھی تھے زندہ رہنے تک دادی بی طوعاً و کرہاً دیہات میں ان کے ساتھ رہیں سسر کی آنکھیں بند ہوتے ہی وہ

شہر چلی آئیں۔

جب وہ شہر آئیں تو دادا ابا ڈی سی ہو چکے تھے۔ بڑی ساری کوٹھی رہنے کو مل گئی تھی۔

دادی بی کے نصیب جاگ اٹھے تھے، یوں بھی دادا ابا دادی بی کے احسان مند تھے۔ ان کے ابا کے پاس اتنے پیسے کہاں تھے کہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتے۔ ان کی تعلیم کے اخراجات، دورانِ تعلیم پیدا ہونے والے بچوں کے اخراجات تو دادی بی کے میکے والوں نے برداشت کئے تھے۔

چھ سال کی مدت کو کوئی کم نہیں تھی۔ شہر میں رہتے ہوئے دادا ابا کو کسی قسم کی تنگی نہیں آنے دی تھی ان کے سسرال والوں نے۔ رہنے کو ایک چھوٹا سا خوبصورت گھر، کھانے پینے، پہننے کو اور تعلیم کے اخراجات کے لیے معقول رقم۔ یوں وہ تعلیم پوری کر سکے۔

یوں تو وہ شروع دن سے دادی بی سے دبنے لگے تھے۔ ان کے کھلے احسانوں کے بعد تو بنا کسی مول کے ہی ان کے ہاتھ بک گئے۔

باقی بھائی زیادہ پڑھ لکھ نہ سکے انہوں نے باپ کی چھوڑی ہوئی زمین سنبھال لی جس میں دادا ابا کے حصے کی زمین بھی تھی۔ دادی بی کو بھلا کس چیز کی کمی تھی۔ انہوں نے وہ زمین بٹوارے پر اپنے دیوروں کو دے دی۔

سال کے سال اس ملنے والی رقم کی ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو لاکھوں کی مالک تھیں گھر میں پیسہ رہتا تھا، اللہ نے مال و دولت کے ساتھ اولاد بھی دل کھول کر دی تھی۔ پانچ بیٹے تین بیٹیاں، جنہیں انہوں نے بڑے نازونعم سے پالا تھا۔ سارے خاندان میں جن کی چاہ تھی یہ چاہ آج بھی ہر دل میں اسی طرح قائم و دائم تھی۔ دادی بی آج تک کسی ملکہ کی طرح حکمرانی کر رہی تھیں۔ خاندان بھر کے لوگ بلکہ برادری تک کے لوگ ان کے ہاں آنے یا بلائے جانے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔

☆......☆......☆

دادی بی بھی اسی وقت چل پڑیں۔ راشد گاڑی خود ڈرائیور کر رہا تھا۔ دادی بی نے کسی اور کو ساتھ نہیں آنے دیا تھا حالانکہ لڑکیوں کی بڑی خواہش تھی گاؤں جانے کی، گندم کی ہری بھری فصل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی۔

''اے میں کہوں ان کے ہاں کون سی گاڑیاں ہیں چل باقی تو سب لوگ جیسے تیسے آ جائیں گے، پر تمہاری چچی اور ان کی بہوؤں کو تو میں ساتھ ہی لے آؤں گی۔'' دادی بی

بڑے بیٹے ندیم سے کہا۔

دادی کے یہی تو انداز تھے۔ جو دوسروں کے دل میں ان کی جگہ بنا دیتے تھے۔ وہ تھوڑی سی انویسٹمنٹ سے بہت سارا نفع کمانے کا گر جانتی تھیں اور اپنے اس طریقہ کار کے تحت وہ آج تک کامیاب تھیں۔ آنے جانے کے لیے ایک گھنٹہ چاہیے تھا۔ ایک گھنٹہ آنے والوں کی تیاری کے لیے، پورے چار بجے دادی بی ان سب کے ساتھ گھر واپس آ چکی تھیں۔

شام تک پورا گھر مہمانوں سے بھر چکا تھا۔ مہمان بھی کون چار بیٹوں اور ایک بیٹی کے بال بچے، تین دیوروں کی اولادیں اور بس۔ دن کو گرمی رات کو سردی، کچھ عجیب سا موسم ہو رہا تھا کہیں کوئی کمبلوں اور لحافوں میں چھپا ہے کہیں پنکھے چل رہے ہیں، کہیں مشروب کی بوتلیں بھک بھک کھل رہی ہیں، کہیں چائے کا دور دورہ ہے۔

''سلمٰی بی تمہارے لیے تو میں نے پکا انتظام کر دیا ہے، نہ شور نہ شرابا نہ ہائے ہائے نہ کل کل۔ تم تو مزے سے سو رہنا۔''

دادی بی اپنی چھوٹی دیورانی کو سلمٰی بی کہہ کر ہی پکارتی تھیں، برسوں پرانی عادت جو تھی حالانکہ اس وقت وہ خود بھی کئی بچوں کی دادی تھیں۔

''وہ کیسے؟'' سلمٰی نانی نے پوچھا۔

''ہاں بھئی تم اور تمہاری بہو اور بیٹی اعظم کے کمرے میں سو رہنا۔ تم نے کون سا شور کرنا ہے وہاں اور یوں بھی وہ اکیلا ہی رہے گا کمرے میں۔ یہ کمرہ اسی کے لیے تیار کروایا ہے، اتنا طویل سفر طے کر کے آئے گا اور یوں بھی تو آنے کے ساتھ ہی مہندی کا فنکشن شروع ہو جائے گا۔ میں نے وہاں قالین پر بستر لگوائے ہیں، تم جانو یہاں تو سب ہی شادی بیاہ کے موقعوں پر نیچے قالینوں پر بستر لگا کر سو جاتے ہیں، ہال کمرے میں بیڈ فارغ ہیں لیکن وہاں تمہیں آرام نہیں مل سکے گا۔ بچوں کا شور سونے ہی نہیں دے گا۔''

''ٹھیک ہے تائی جی ہم وہیں سو رہیں گے۔''

''مم...... مگر بڑی بھابی...... میں تو...... میں تو...... میں تو آپ کے کمرے میں آپ کے پاس سوتی...... تو آپ سے کچھ باتیں...... ہو جاتیں۔ ایک مدت ہوئی آپ سے ملے ہوئے۔''

سلمٰی بی نے جھجکتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

"چلو ایسا ہی کر لیتے ہیں۔ سو رہنا، آسیہ اور بانو وہیں سو جائیں گی۔ میں نے تو تمہارے آرام کے لیے کہا تھا، یہاں میرے کمرے میں رات گئے تک آنا جانا لگا رہتا ہے۔ شور شرابا، ہاؤ ہو، میں تو سو ہی نہیں پاتی۔ کیا کروں؟ میرے بغیر یہ گھر اب بھی ایک پل نہیں چل سکتا۔"

"تو کیا ہوا، پھر روز روز کون کسی کو جگاتا ہے۔ قسمت سے تو ایسے دن آتے ہیں، کون جانے پھر کب اور کس کے نصیب میں خوشی دیکھنی لکھی ہے۔"

سلمٰی بی دیہات کی پروردہ سادگی کا مظہر خاتون تھیں۔

"میں تو تمہاری خاطر کہہ رہی تھی۔ دو روز کو تو آئی ہو، اچھا ہے میرے ساتھ ہی رہو۔"

دادی بی نے ساتھ والے بیڈ پر ان کا بستر لگوا دیا۔

رات کے کھانے پر سینکڑوں لوگ تھے۔ دو دن سے ہی کھانے پینے کا سارا انتظام باورچی کے ہاتھ میں تھا اور اب معاملہ دیگچیوں سے آگے بڑھ کر دیگوں تک جا پہنچا تھا۔

سلمٰی بی کے شوہر نے جو اللہ کے فضل سے اب تک حیات تھے (چار بھائیوں میں سے وہ ہی حیات تھے) گندم، باسمتی چاول، بکرے، مرغیاں، پیاز، لہسن، آلو اور جانے کیا کیا تھوک کے حساب سے بھجوا دیا تھا۔ مظہر میاں سے انہیں بے حد پیار تھا۔ ان کے اس سے دوہرے رشتے جو تھے اور یوں بھی وہ اپنی دلکش شخصیت کے سبب پورے خاندان میں ہر دل عزیز تھا۔

چھوٹے دادا ابا ایوب کی حیثیت اس وقت دادی بی کے بعد سب نمایاں تھی کیونکہ وہ خاندان کے واحد بزرگ تھے بھتیجوں، بھانجیوں، بیٹوں کے لیے یکساں طور پر قابل احترام، اس شادی کے سلسلے میں چاہے ہی سہی دادی بی کے پانچوں بیٹوں نے ہر طرح کا مشورہ اور صلاح ان ہی سے کی تھی۔ شادی تو گھر ہی کی تھی لیکن اس میں خصوصی اہتمام پہلے سے کہیں زیادہ تھا۔

ہزاروں کی تعداد میں بلائے جانے والے مہمانوں کے خورد و نوش اور بود و باش کا انتظام کرنا کوئی معمولی سی بات نہ تھی۔ ماں کی ہدایت پر وہ سارے کے سارے ان کے ہاں آگئے تھے۔ چھوٹے کو شکوہ تھا کہ سب نے انہیں اکیلا کر دیا ہے اور جو لمبی چوڑی بارات ان کے ہاں لا جا رہی ہے۔ اسے وہ سنبھال پائیں یہ کام بڑا مشکل ہے سولڑکے بالے ان کے ہاں بھجوا دیئے گئے تھے۔ لے دے کہ راشد اور شاہد دادی بی کے ہاں موجود تھے اور ان دونوں کو بھی لڑکیوں کے کاموں سے فراغت نہ تھی۔ باقی کا کام تین چچاؤں کی اولادوں نے ہی سنبھال رکھا تھا۔

دادی بی کو یہ سارے دیہاتی رشتے شادی بیاہ کے موقعوں پر اس لحاظ سے بے

کارآمد اور اچھے لگتے تھے۔ چھوٹے دادا ایوب نے اپنے بیٹے اور پوتوں کے ذمے کھانے پکانے کے معاملات لگا دیئے تھے اور پچھلے دو روز سے دادی بی کو ناشتا، کھانا چائے، پانی سب وقت پر مل رہے تھے۔ خواتین کی جان کھانا پکانے اور تقسیم کرنے کے جھنجھٹ سے چھوٹ گئی تھی۔

دوسری صبح طلوع ہوئی تو دادی بی سرتاپا انتظار ہو گئیں۔ جگنو اور اعظم کیلئے۔ اعظم ان کا پوتا جس کی شادی ہو رہی تھی جو آرمی میں کیپٹن تھا مگر اسے چھٹی نہیں مل رہی تھی اور وہ ان کے محکمے والوں کو کوسنے دے رہی تھیں کیونکہ آج مہندی تھی، دولہا ہی نہیں تھا تو مہندی کی رسم کیا خاک کی جاتی۔

انہوں نے دونوں کے لیے آرڈر پر خصوصی ڈشیں بنوائی تھیں۔ شامی کباب، قورمہ، قیمہ پلاؤ، کھیر اور اسٹیم روسٹ ان دونوں کا پسندیدہ کھانا تھا۔

ایک ان کا لاڈلا پوتا تو دوسرا آنکھوں کا تارا نواسا تھا۔ پھوپھو بی کو انہوں نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر کچن میں بھیج کر ہی دم لیا۔

"اے کنول، ساتھ میں ایک دو میٹھی ڈش بھی بنوا لینا۔ میس میں کھانے کو کیا ملتا ہوگا بھلا قیدیوں جیسا کھانا، مرضی ہو تو بھی کھاؤ نہ ہو تو بھی کھاؤ۔ مرغی بھی روسٹ کر لینا، میرے تو ہاتھوں میں دم نہیں رہا ورنہ میرے بچوں کو میرے ہاتھ کی روسٹ کی ہوئی مرغی بے حد پسند آیا کرتی تھی۔"

"اماں آپ جائیں اپنے کمرے میں، میں بھی جانتی ہوں وہ کیا کھاتے ہیں اور کیا نہیں۔" انہوں نے اماں کو واپس بھیجتے ہوئے کہا۔

شام سے پہلے جب اعظم اور جگنو کی گاڑیاں آگے پیچھے پورچ میں رکیں تو پورے گھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ دونوں ہی گاڑی خود ڈرائیو کر کے آئے تھے۔

گاڑی بند کر کے وہ اترے ہی تھے کہ چاروں طرف سے گھیر لیے گئے۔ رشتے کی بہنیں اور بھائی ان کی آمد پر کتنے خوش تھے اور یہ دیکھ کر ان کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

دادی بی نے پوتے اور نواسے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اعظم کو قرآن کریم کے سائے میں اپنے کمرے میں لائیں۔ بار بار اس کی بلائیں لیتی رہیں، جانے کتنی بار پیشانی چومی، گلے سے لگایا۔ اکلوتا بیٹا تھا وہ ان کے لاڈلے دلارے سپوت کا۔ بڑی چاہت سے پالا تھا انہوں نے اسے، وہ تو انہیں چھٹا بیٹا ہی لگتا تھا۔ اسی طرح انہوں نے جگنو کی بھی بلائیں لیں۔

ان کے لاڈ پیار دیکھ کر لڑکے لڑکیاں اکثر ان سے شکوہ کیا کرتے۔

''دادی بی! آپ کی نظروں میں ہماری تو کوئی اہمیت ہی نہیں۔''

''چلو ہٹو۔اعظم میں تو میری جان ہے، بالشت بھر کا لوتھڑا ہی تھا جب میری گود میں آیا تھا، میں نے جگر کا خون ہی نہیں پلایا اور تو سب کچھ کیا ہے، اس کی خاطر جان سے بھی زیادہ پیارا ہے مجھے۔تم لوگ اس سے اپنا مقابلہ نہ کیا کرو۔''

سب چپ ہو جاتے۔

سفید سلک کے بے داغ سوٹ میں اپنے فوجی ہیئر اسٹائل کے ساتھ دراز قد اور کسرتی بدن والا اعظم ان لمحوں میں بے پناہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔سفر کی تھکان تو چہرے پر کہیں تھی ہی نہیں۔ مسکراتی آنکھوں کے ساتھ وہ ہر ایک کو دیکھ رہا تھا۔

''باقی لوگ کہاں ہیں دادی بی۔کیا انہیں میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی؟''اعظم نے کزن کو نہ پا کر پوچھا۔

''آ رہے ہیں سب ہی آ رہے ہیں۔دھیرج رکھئے، آپ تو بس پلو پکڑائی اور سرمہ لگائی جیسی رسموں کے لیے کیش تیار رکھیں پانچ ہزار سے کم نہیں لیں گے ہم سب یاد رہے۔''

''سنا آپ نے دادی بی یہ لڑکیاں کیا کہہ رہی ہیں۔''

''دادی بی نے تو سن رکھا ہے، صرف آپ ہی سن لیجیے۔ساری لڑکیاں آپ کی بہنیں بھی ہیں اور سالیاں بھی۔بارات کے ساتھ جانے کے وقت تک بہنیں اور بارات لڑکی والوں کے گھر پہنچ جانے کے بعد سالیاں اور میں آپ کو بتادوں اعظم بھائی آپ کے سسرال سے آتے اور گھر کے بھی سارے جوتوں کا ایک ایک پیر محفوظ مقام تک پہنچ چکا ہے حتیٰ کہ شادی کے دن پہننے والے سوٹ کے ساتھ پہنائے جانے والے کھسے کا ایک پیر بھی۔''ثمن نے خبر دی۔

''یہ نکاح کے بعد تو جوتا چرایا جانا سمجھ میں آتا ہے، یہاں تو معاملہ نکاح سے قبل ہی شروع کر دیا گیا۔دادی بی۔''

راشد جھٹ بولا۔

''ہاں لڑکیو! یہ بات غلط ہے بھئی۔بچے کو دونوں پیروں میں جوتا پہن کر سسرال تک پہنچنے تو دو پھر کر لینا یہ کارروائی۔''

''نہیں دادی بی معاملہ اب ذرا موٹی رقم کا ہے، عنبرین آپی، صوبی آپی، نازی نازیہ،

سائرہ، عاشی، شاہدہ، مہرین اور...... اور مابدولت کتنے ہوگئے۔پورے دس...... دس اور دس پورے پچاس ہزار جو بھی لا رکھے میری ہتھیلی پر، جوتے اس کے حوالے کردوں گی میں۔''

''رکو تو ثمن، رکو تو...... یہ دس کس خوشی میں۔یعنی عاشی بھی۔وہ بھی نیگ وصول کرے گی دادی بی۔سنا آپ نے دلہن بھی۔یعنی کہ دلہن بھی اپنے دولہا سے بے ایمان لڑکی! تم نے کیا سوچا تھا روانی میں کسی کو خیال ہی نہ رہے گا؟''نعیم اپنی جگہ سے اچھلے۔

''اوہ مائی گاڈ غلطی ہو گئی نعیم بھائی، چلو پینتالیس ہزار تو کہیں نہیں گئے ناں اور یوں اگر عاشی کے نام کو رہنے ہی دیتے تو کیا بگڑ جاتا۔بھئی ان کے ہاں اور کوئی لڑکی ہی نہیں اور عاشی رشتے میں بہر حال اعظم بھائی کی کزن تو ہے ناں۔''

''لیں جی یہ اور سنیں، محترمہ ثمن صاحبہ وہ اب ان کی ہونے والی بیوی ہیں اور جس وقت یہ جوتا چھپائی وغیرہ کی رسمیں ہو رہی ہوں گی، وہ بیوی بن چکی ہوگی۔''

''چلیں نکال دیں یہ نام، نو نام تو کھرے ہیں ناں...... نکالئے۔پینتالیس ہزار، اعظم بھائی قسم سے ہم نے کئی کام ان ہی پانچ ہزار پر چھوڑ رکھے ہیں۔''سائرہ نے تو اپنا کامدانی کا ایک سوٹ پورے پانچ ہزار دے کے ہی لانا ہے بازار سے۔''

''اف میرے خدا...... دادی بی سنا آپ نے یہ لڑکیاں شیطان ہیں پوری، جو پیسہ ملا نہیں بلکہ جس کے ملنے کی موہوم سی امید ہے، اس کے سہارے بھی کام کرائے جا رہے ہیں۔''

راشد ہنستا چلا گیا۔

''میں تم لوگوں کی مجبوریوں سے آگاہ تھا میری پیاری بہنو اور پورے دو سال سے انتظام میں لگا تھا دادی بی۔یہ لیجیے یہ ہیں پچاس ہزار روپے اور ان کا حصہ جو اب ہم سے نیگ وصول نہیں کر سکتیں۔وہ بھی ان بلاؤں کو دے دیجیے گا، کیوں خاور بھائی۔''

''تم حساب کتاب کے بڑے ماہر ہو کتنی رقم آ رہی ہے فی کس۔''اعظم نے شوخ لہجے میں کہا۔

''پانچ ہزار پانچ سو پچپن روپے پانچ پیسے فی کس۔''

کسی نے با آواز بلند کہا۔سب نے اسی طرف دیکھا۔وہ جگنو تھا۔شاید ابھی ابھی چھوٹے ماموں کے گھر سے آیا تھا اور چپ کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔

اس پر نظر پڑتے ہی اعظم اٹھ کر اس کی طرف آیا اور اس سے گلے ملنے لگا۔

"یار بہنوں کا تو اتنا خیال تھا اور ہمارے لئے؟"

"تم سے تو بٹورنے کے ارادے ہیں جگنو۔ خیر سے اتنے سارے بھائیوں کا ایک چھوٹا بھائی ہوں۔ اپنی نصف بہتر کے لیے خریداروں میں سے جو بچا ہے، سارا ان بہنوں پر ہی تو اڑا دیا ہے کہ میں تم سب کے ذمے ہوں۔ اب تم سب پر منحصر ہے کہ......"

ایک زوردار قہقہہ کمرے میں گونج گیا۔

"ویسے پھوپھو بی نے بتا دیا تھا۔ یہاں صرف لڑکی کے سولہ سنگھاروں کی ہی تیاری نہیں، لڑکے کا بھی خیال رکھا جا رہا ہے اور یہ خیال سب مل کر رکھ رہے ہیں۔"

"کیوں نہیں یار۔" جگنو مسکراتا ہوا پاس بیٹھ گیا۔

دادی بی کے کمرے میں تل دھرنے کو بھی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ گھنٹہ بھر بعد کھانا لگ جانے کی خبر آئی تو سب ڈائننگ ہال کی طرف چل دیئے۔

وہ ایک ایک ڈش جگنو اور اعظم کے آگے رکھ رہی تھیں۔ وہ ان کی خوشی کی خاطر بھی اور کچھ اپنی بھوک کا خیال رکھتے ہوئے بھی کھانے سے انصاف کرتے چلے گئے۔

آج وہ بے حد خوش تھا ان ساری محبتوں کے احساس سے سرشار جو اس کے اردگرد تھیں۔ وہ سب کا منظور نظر بنا ہوا تھا ہر ایک کے دل اور نگاہ میں تھا۔ دادی بی نے تو ایک پل اسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

"اچھا بھئی لڑکیو! اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ اعظم کو مہندی لگانے کے لیے وہ لوگ آیا ہی چاہتے ہوں گے، ایوب راؤ نے سب کا کھانا ادھر ہی بھجوا دیا تھا، گھر کی تو بات تھی۔ یہاں کھانا کھلانے میں اتنا وقت لگ جاتا، گانے بجانے کی جتنی تیاری اتنے دنوں میں کی ہے، آج اس کا بھرپور مظاہرہ کرنا تم لوگ، میرے بیٹے کی مہندی کا شگن ہے۔ برسوں دنیا یاد رکھے۔"

دادی بی نے کھانے سے فراغت پاتے ہی کہا۔

لڑکیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ابھی وہ پوری طرح تیار بھی نہ ہو پائیں کہ مہمان آنا شروع ہو گئے۔

وسیع و عریض، برقی قمقموں اور ٹیوب لائٹس سے سجا مرکزی بلبوں سے روشن لان جو پہلے ہی ہفت رنگوں سے مزین تھا۔ رنگ برنگے ملبوسات اور چہروں سے جگمگا اٹھا۔ لڑکوں نے اپنی ساری قابلیت نشست و برخاست کے اعلیٰ انتظام اور اسٹیج کو دل فریب بنانے میں صرف کر دی

تھی۔

لڑکی والے مہندی کے ساتھ آئے تو ماحول کی رنگینی نے آخری حدوں کو چھو لیا۔ ساری لڑکیاں پل کی پل میں لڑکوں والوں کی ہو کر رہ گئیں۔

سارے لڑکے اعظم راؤ کی طرف ہو گئے۔ ایسی ڈھولک بجی، اتنا شور شرابا ہوا کہ الاماں والحفیظ آج تو ہر ایک خوشی اور جذبوں سے معمور تھا۔ خاور کے ہاتھ ایک ڈھولک لگ گئی، وہ باقاعدہ اسٹک سے اسے پیٹنے لگے۔

ڈھولک کی تھاپ پر لڑکوں نے جو رقص کیا...... تو لڑکیوں کو ہار مانتے ہی بنی۔

جگنو راؤ کا دل شدت سے کیا کاش دیا اس کے ساتھ اس شادی میں شریک ہوتی تو مزہ دوبالا ہو جاتا۔ دیا کی یاد آتے ہی اس کا دل اس شور وغل سے اچاٹ ہو گیا، لیکن مجبوری تھی کہ اسے یہ فنکشن اٹینڈ کرنا تھا کیونکہ دونوں ہی اس کے ماموں کے بچے تھے۔ جگنو کا دل چاہا دیا راؤ سے بات کرے لیکن طوفان بے پناہ کا ایک عالم تھا۔ کان کو کان سنائی نہ دے رہا تھا۔

لیکن وہ باز نہ رہ پایا۔ اس نے دیا کو ایس ایم ایس کیا۔

"آئی مس یو دیا۔ کاش تم آج میرے ساتھ ہوتیں۔"

اور اگلے ہی پل اس کے موبائل اسکرین پر دیا کا میسج ابھرا۔

"سیم ٹو یو جگنو۔ آج نہیں تو کیا بہت جلد ہم ساتھ ہوں گے اور ایسے بہت سے فنکشن اٹینڈ کریں گے۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں اور اب مہندی انجوائے کریں۔" دیا جیسے اس کی کال یا میسج کی پہلے ہی سے منتظر تھی۔

"شکریہ دیا۔ ریئلی میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔ جیسے ہی وقت ملا میں تم سے بات کروں گا۔ اپنا خیال رکھنا دیا۔"

"اور آپ بھی بہت خیال رکھنا اور بہت ہینڈسم نظر آنا۔ ٹیک کیئر، بائے۔"

اعظم...... اسٹیج پر جلوہ افروز تھا۔ اس نے شاید پہلی بار ایسا نظارا دیکھا تھا۔ شاید وہ کبھی بھی ایسی تقریبات کا حصہ نہیں رہا تھا۔ اپنی چوبیس سالہ زندگی کا بیشتر حصہ اس نے تعلیمی اداروں میں گزار دیا تھا پھر عسکری تربیت کے اداروں، وہاں کی مصروفیات اور رنگینیاں چاہے جیسی بھی ہوں کم از کم آج کی اس محفل جیسی نہیں تھیں اور پھر اس تقریب کے ساتھ اس کے بہت سے نادیدہ ارمان وابستہ تھے آنے والی کل کی ڈھیروں خوشیاں۔

☆......☆......☆

ثمن، جگنو کی سگی ماموں زاد تھی۔ ایک مدت ہوئی اُس نے اسے دیکھا تھا۔ اسے یاد تھا مگر زیادہ نہیں، کہ وہ ایک بے حد حسین دل کش اور خوب صورت لڑکی تھی۔ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد۔ پورا خاندان بلکہ پورا شہر جسے بہو بنانے کا خواہشمند تھا۔ گزری گرمیوں کے آخر میں اس نے بی اے کا امتحان دیا تھا اور ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن میں پاس ہوئی تھی۔

ثمن کے پاپا فہیم احمد دادی بی کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ شہر کے مشہور بیرسٹر وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ ان کی بے تحاشا جائیداد کی واحد وارث، ثمن کی ماں کا خیال تھا کہ ان کی بیٹی کی شادی کسی والئی ریاست سے ہونی چاہیے۔ پر اس کا کیا کیجیے کہ ثمن نے خود اپنی زبان سے اس کا اظہار کیا کہ وہ شادی کرے گی تو صرف اور صرف اپنے جگنو سے۔ وہ دن جگنو کو اچھی طرح یاد تھا، جب خالہ بی نے اسے فون پر بتایا۔

''جگنو! کچھ سنا تم نے، وہ ثمن ہے ناں۔''

''کون ثمن؟''

''ارے بھئی تمہاری کزن اپنے فہیم کی بیٹی ثمن۔''

''کیا ہوا اسے؟''

''کچھ نہیں ہوا، وہ اصل میں...... وہ کہتی ہے۔''

''خالہ بی آپ تو کسی الجھن میں پڑ گئی ہیں۔''

''بات ہی ایسی ہے چندا۔ وہ ثمن کہتی ہے کہ میں جگنو سے شادی کروں گی۔''

''جی...... جی کیا کہتی ہے وہ؟ وہ ہی ثمن نا جو میرے ننھیال کی سب سے حسین لڑکی ہے، جس کے لیے نواب منصور راؤ اپنے بیٹے کا رشتہ لائے ہیں جس پر رابعہ ممانی اترائی اترائی پھرتی تھیں۔

''ہاں، ہاں میرے لعل وہی ثمن، بھئی ایک ہی تو ثمن ہے ہمارے خاندان میں۔''

''وہ کیا کہتی ہے کہ میں جگنو سے شادی کروں گی؟''

ایک دم جگنو کے دل کو دھچکا لگا اور اس کے بدن میں پھریری پھر گئی۔ اس کے لہجے میں ایک دم ہی سختی آ گئی وہ گویا ہوا۔

''یہ ممکن نہیں۔ اسے کہیئے کہ یہ مذاق کسی اور سے کرے۔ ایسا میرے گمان میں بھی نہیں ہے۔''

''وہ سیریس ہے چندا...... بالکل سیریس۔ کیسے نہ ہو سیریس۔ ہمارا بیٹا بھی تو لاکھوں میں ایک ہے، بلکہ کروڑوں میں ایک اور سنو جگنو۔ ماں اور چھوٹے چچا تو منگنی کر دینے کو تیار ہیں لیکن فہیم نے کہا ہے کہ تمہاری رائے معلوم کرنے سے پہلے کچھ نہ کیا جائے۔''

''کیا......؟'' وہ چیخا تھا۔

''ممی سے بات کی آپ نے خالہ بی؟''

''ہاں۔ وہ کہہ رہی ہیں تمہاری رائے لے لوں اور اماں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تم سے بات کروں۔''

''اوہ خالہ بی اچھا کیا آپ نے مجھ سے ذکر کر دیا۔ میں شادی کے لیے تیار نہیں اور نہ ہی میں نے شادی کے حوالے سے آج تک کبھی ایک پل کو سوچا ہے۔ نو نو خالہ بی میں کسی قیمت پر شادی نہیں کروں گا۔''

اس نے کھلے لفظوں میں انکار کر دیا، کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔

''اے شادی کیوں نہیں کرو گے، اکلوتے بیٹے ہو اپنے باپ کے، تم سے ہی تو نام چلے گا اور پھر خاندان کے واحد کنوارے لڑکے بھی ہو۔''

سب ہی تو گھر بار والے ہو گئے ہیں، خیر سے کئی کئی بچوں کے باپ ہیں۔ ایک اعظم رہتا تھا وہ بھی اس بندھن میں بندھ چکا تھا، تمہاری شادی تو ہر طرح سے ضروری ہے اور پھر کون سا آج ہی شادی طے ہو جائے گا۔ تم ہاں کہو، شادی ہوتے ہوتے بھی سال تو لگ جائے گا۔''

''میں اس لڑکی سے ہرگز شادی نہیں کروں گا جو مجھے پسند نہ ہو۔ یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے، زندگی بھر کا بندھن ہے۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔ وہ لگی لپٹی کا عادی ہی نہیں تھا۔ صاف اور سیدھی بات کہہ دینا اس کی فطرت میں تھا۔

وہ واقعی ایک بے حد خوبرو نوجوان تھا۔ ان دنوں جب وہ تعلیمی مدارج طے کر رہا تھا، بہت سی لڑکیاں اس کی طرف بڑھی تھیں۔ خود اس کے دوست یاسر کی خواہش تھی کہ وہ اس کی بہن کو اپنا جیون ساتھی منتخب کرے۔ یہ بات اسے ان دونوں کے مشترکہ دوست قمر نے بتائی تھی، وہ دوست کی بہنوں کو اپنی بہنیں ہی سمجھتا تھا۔ جبکہ یاسر کا خیال تھا کہ جگنو ایک بہترین نوجوان ہے،

اس کا دیکھا بھالا ہے اور اسے اپنی بہن کے لیے اس سے بہترین جیون ساتھی کہیں نہیں مل سکتا۔قمر نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔

''یار میں نے جو کہہ دیا ہے سو کہہ دیا ہے میں جب سے ان کے گھر آنے جانے لگا ہوں میں نے ان تینوں لڑکیوں کو اپنی بہنیں ہی سمجھا ہے۔وہ بھی مجھ سے ویسا ہی پیار کرتی ہیں۔ جیسا یاسر سے کرتی ہیں، میں اتنے پیارے رشتے کو......تم سمجھو نہ یار۔وہ مجھے اپنی سگی بہنوں کی طرح ہی لگتی ہیں۔بے شک میری کوئی بہن نہیں لیکن میں اس رشتے کا احترام بہت اچھی طرح کرنا جانتا ہوں۔''

تب قمر نے یاسر کو ساری بات بتا دی تو یاسر کو بھی ان جذبوں کا اور رشتے کے تقدس کا قائل ہونا پڑا تھا۔

اور جب خالہ بی نے ثمن کا پرپوزل اس کے سامنے رکھا تو اس ایک پل سوچنا مناسب نہیں سمجھا اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں انکار کر دیا، اگر اس کی زندگی میں دیا نہ آئی ہوتی تو بنا سوچے سمجھے ثمن سے شادی کے لیے راضی ہو جاتا، کیونکہ اس کے سامنے کوئی آپشن نہیں تھی اور ثمن میں کوئی ایسی بات نہ تھی کہ اسے ریجیکٹ کیا جاتا۔

لیکن اب تو دیا اس کی زندگی بن چکی تھی۔اس کے بنا ایک پل اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ دیا راؤ اس کی آنکھوں کی روشنی، دل کا چین، اس کی زندگی اور روح کا قرار تھی۔بھلا وہ اس سے الگ ہو کر کیسے جی پاتا۔وہ تو اس کے بنا ایک پل جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اور جگنو کو وہ پہلی ملاقات یاد آ گئی جب اس نے دیا راؤ کو دیکھا تھا۔

وہ نیوی بلیو سوٹ میں ملبوس تھی۔غالباً دوپٹے پر کوئی بہت خوبصورت سا کام بھی تھا۔وہ اس وقت بہت ساری لڑکیوں میں بھی علیحدہ سی لگ رہی تھی۔جگنو کے دل نے اس وقت ہی دیا را[ؤ] کو پاس کر دیا تھا۔

اور سیانوں کا کہنا ہے جس سے تم محبت کرتے ہو اسے اپنا بنا لو یا جو تم سے محبت کرتا [ہے] اسے اپنی زندگی میں شامل کر لو اور یہ نوبت اس کی زندگی میں آ گئی تھی کہ اس نے دیا راؤ کو منتخب کر لیا۔

جگنو ایک دم سیدھا سادا، ہر قسم کے مکروفریب سے پاک مخلص سا لڑکا تھا۔

☆....☆....☆

اس نے پریشان ہو کر جگنو کو کال کی تھی اور اسے اوکاڑہ آنے کی جلد تاکید بھی۔جگنو نے اسے بتایا تھا وہ جلد آنے کی کوشش کرے گا لیکن اس سے پہلے وہ اپنے والدین سے بات کرے گا اگر انہوں نے انکار کیا تو ان کو منانے کی کوشش بھی، لیکن اس نے امید ظاہر کی تھی کہ وہ ان کو منا لے گا۔وہ اپنے ارادوں میں پختہ اور عہد کا پکا تھا۔دیا کو امید ہی نہیں بلکہ پکا یقین تھا کہ وہ اپنی بات منوا لے گا۔

اس رات وہ بڑی دیر تک سوچتی رہی کہ اگر جگنو اپنے والدین کو منا بھی لیتا ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ ابا اس کی شادی جگنو راؤ سے کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔وہ سخت بے چین ہو گئی اور آخر اس نے اپنے ذہن کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ دیکھا جائے گا۔ابھی تو مرحلہ جگنو کو بھابی سے ملانے اور ان کی رضامندی کا ہے۔آگے بھی یقیناً بھابی کو ہی کچھ کرنا پڑے گا۔میری خاطر ابا کو راضی کرنے کے لیے جیسے میری ملازمت کے سلسلے میں۔

جگنو [illegible] آنے کا کہہ کر گیا تھا، ایک ہفتے بعد ہی لوٹ آیا۔وہ دیا سے دُوری برداشت نہیں کر پایا۔اب اس سے دور رہنا اس کے اختیار میں نہ رہا تھا۔وہ ہنستا مسکراتا دیا کے سامنے تھا۔اس کی آنکھوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔دیا نے [illegible] کو اپنے سامنے دیکھا تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں جگنو سے چمک گئے۔

''جگنو آپ......؟''

''ہاں دیا میں تمہارا جگنو۔اڑ کر آ گیا اپنی دیا کے پاس۔''

اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو امنڈتے دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

وہ ایک دم روتے روتے ہنس پڑی اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا۔

''جگنو میں آپ کو اپنی بھابی سے ملوانا چاہتی ہوں۔میں نے ان سے آپ کا ذکر کیا تھا۔انہوں نے کہا جگنو کو مجھ سے ملاؤ۔''

''تو پھر ٹھیک ہے پہلے میں بھابی سے ملوں گا، کس دن ملوا رہی ہو؟''

اس نے مسکرا کر پوچھا تو دیا نے کہا۔

''جب آپ کہیں......؟''

''تو گویا راستے ہموار ہو رہے ہیں۔''

اس نے دیا کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تو پھر آج ہی کیوں نہیں، نیک کام میں دیر کیسی؟"

اس نے شوخ لہجے میں دیا سے کہا۔

"میں بھابی سے معلوم کر کے انفارم کر دوں گی۔"

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا اور اپنے ملن کی گھڑیاں گننا شروع کر دیتا ہوں۔" و ہنستا ہوا بولا۔

"خیر اب زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے جو ہوتا ہے وہ ہو جائے۔ آر یا پار۔"

"آپ نے بات کی ممی سے؟"

"ہاں ذکر کیا ہے، وہ راضی ہیں۔ اب بھابی سے ملنے کے بعد جا کر پاپا سے بات کروں گا۔ پہلے بھابی کی رضامندی معلوم کر لوں۔"

"کیا آپ کی فیملی......؟"

"تم پریشان نہ ہو۔ جیسا میں چاہوں گا ویسا ہی ہوگا۔"

پھر وہ ملنے کا وعدہ کرتے ہوئے چلا گیا۔ دیا اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

"جگنو زبیر راؤ نے کبھی اس بارے میں سوچنے کی کوشش بھی کی؟"

"کس بارے میں......؟"

"کہ تم زبیر حسن راؤ کے اکلوتے بیٹے ہو...... میرا نام تمہارے وجود سے ہی زندہ سکتا ہے۔ میں نے ساری محنت اور اتنی جدوجہد تمہاری خاطر کی ہے، اتنا بڑا کاروبار...... بی بیلنس، محل نما گھر...... یہ شان و شوکت...... شہرت و ناموری...... یہ سب کچھ میں تمہاری اعلیٰ زند کی ضمانت کے طور پر چھوڑ جاؤں گا۔"

جگنو ہنس دیا۔ جس میں تلخیاں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔

"آپ بھول رہے ہیں ...... اور بھی بہت کچھ دیا ہے آپ نے مجھے۔ ان کی فہرست گنوا دیں۔"

"تم اس سے آگاہ ہو بھی نہیں سکتے اور تمہیں آگاہ ہونا بھی نہیں چاہیے۔"

"ٹھیک ہے پاپا آپ نے یہ طریقہ اچھا اختیار کیا ہے۔ پہلے ماموں جان کی نصی سننے کو ملیں اور پھر تایا جان کا لیکچر برداشت کرنا پڑا اور ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ا

نظر انداز نہ کیا جائے۔ آئندہ زندگی ان سے ہی جڑی ہے میری لیکن کسی کو میری خوشی کا احساس نہیں ہوتا اور سچ میں یہ صرف میری ہی خوشی ہے۔ میرے دل کا معاملہ ہے لیکن سب نے اس کو توڑنے کا مکمل ٹھیکہ لیا ہے۔ ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر طرح ہر ممکن مجھے اپنی خوشی حاصل کرنے سے روکنا ہے اور جو اس میں کامیاب ہو گیا اس کی بیٹی زبیر حسن راؤ کی دولت کی مالک ہو گی اس کے نواسے، نواسیاں اس جائیداد کی وارث ننھیال والے ہوں یا ددھیال والے سب نے مجھے اپنی منزل سے لوٹ آنے کی اپنی پوری کوشش کرنے کی ٹھانی ہے چاہے جیسے بھی ہو......اور پاپا جان وہ اس محل نما گھر کی بہو ہوگی۔ شان و شوکت سے اس گھر میں زندگی گزارے گی۔ ان کی سات نسلیں بھی زبیر حسن راؤ کی دولت کھائیں تو ختم نہیں ہوگی پھر کوشش کیوں نہ کرے کوئی۔ وہ طنز سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں تلخیوں کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

"وہ سب حاصل کر لیں جگنو کی محبت ان کی بیٹی کو ملے یا نہ ملے۔ اس سے کسی کو فرق نہیں پڑتا۔"

"تم جگنو...... بیٹا تم اس چھوکری کی محبت کے نشے میں اس حد تک ڈوب چکے ہو کہ نافرمانی جیسا گناہ کر رہے ہو۔" زبیر حسن راؤ نفرت کی تمام حدیں پار کرتے ہوئے بولے۔ شعلوں کی چنگاریاں ان کی آنکھوں سے نکل رہی تھیں۔

"اپنی پسند کی زندگی جو سزا کی صورت مجھ پر مسلط کر رہے ہیں وہ گناہ نہیں؟ یہی گناہ ہوا ہے مجھ سے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔"

کہتے ہیں روزہ توڑنے کا کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے مگر دل توڑنے کا نہیں۔

"ہر فرد کی خواہش ہے اس کار خیر سے ثواب حاصل کرے۔ لیکن کسی کو بھی تو میرے جذبات، احساسات، خواہشات اور دل کی آرزو کا خیال نہیں۔"

"تم زندگی کی آسائشوں کے بغیر رہ سکتے ہو؟"

"ہاں اس کے ساتھ کے لیے میں ہر چیز چھوڑ سکتا ہوں۔"

"اس حد تک آ گئے ہو تم...... ہر حد کراس کر گئے ہو۔ نقصان اٹھاؤ گے شدید نقصان۔"

"اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ مقدر کچی پنسل سے نہیں لکھا گیا کہ ربڑ سے مٹا کر اپنی مرضی اور پسند کی قسمت لکھ لی جائے۔"

"بہت بولنا آ گیا ہے تمہیں۔ زبان کاٹنی پڑے گی تمہاری۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا اور گویا ہوا۔

''زبان کاٹ دیں گے تو پھر بھی سر کے اشارے اور میرے جسم کا رواں رواں اسی نام لے گا۔''

لیکن ایک بات یاد رکھنا میری مرضی کے بغیر وہ لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی اور نہ ہی ا گھر میں آ سکتی ہے۔

''پاپا جان وہ اس گھر میں نہیں آ سکتی لیکن میری بیوی بننے سے آپ اسے نہیں رو سکتے۔''

''گھر سے بھاگ کر وہ تمہاری بیوی بن سکتی ہے۔ اگر آج وہ تمہارے لیے اپنا چھوڑ سکتی ہے تو کل کسی اور کے لیے تمہیں چھوڑ سکتی ہے۔ یاد رکھنا میری بات۔''

''پاپا جان خاموش ہو جائیں۔'' اس کی دھاڑ سے گھر کے درودیوار چیخ سے گئے وہ ایک باعزت گھرانے کی عزت دار لڑکی ہے، وہ خود کو ختم تو کر سکتی ہے مگر گھر سے نہیں نکال سکتی اور آئندہ اس کے لیے ایک غلط لفظ بھی کہا تو میں برداشت نہیں کر پاؤں گا۔''

''باپ کے سامنے اکڑے ہو اُس دو ٹکے کی لڑکی کیلئے؟ کیا کرو گے تم بولو گے؟''

''کچھ بھی ہو سکتا ہے پاپا کچھ بھی۔ یہاں تک آپ کا گھر بھی چھوڑ سکتا ہوں۔ ا نے آپ کو بیٹی نہیں دی تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کسی کی بیٹی کی عزت تار تار کر دیں آپ۔''

اس سے پہلے کہ مزید بات بڑھتی وہ کمرے سے نکل آیا اور زبیر حسن راؤ پیچ کھاتے رہے۔

فریدہ پارلر گئی ہوئی تھیں اور پیچھے سے یہ معرکہ ہو گیا۔ جب وہ گھر لوٹیں تو ماحو عجیب سی تلخی محسوس ہوئی۔ زبیر کو سوچوں میں گم پایا تو پوچھ بیٹھیں۔ زبیر نے جو کچھ ان کو بتا پکڑ کر بیٹھ گئیں باپ بیٹا عجیب دوراہے پر کھڑے ہو گئے تھے۔

دونوں میں سے ایک بھی تو اپنی ضد سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ خود عجیب شکار تھیں۔ شوہر کا ساتھ دیں یا بیٹے کا۔ وہ کوئی ایسا حل چاہتی تھیں مسئلہ بھی حل ہو جائے بیٹا بھی خوش ہوں۔ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

☆......☆......☆

ثمن اپنے پاپا سے بے حد متاثر تھی۔ اس کا آئیڈیل پاپا سے ہی میل کھاتا تھا مگر آج کے دور میں ایسے مرد نایاب تھے جو بناوٹ کی جگہ حقیقت کو عزیز رکھنے والے ہوں جنہیں زندگی میں ترتیب اور دھیما پن پسند ہو جو مصنوعی زندگی کے ہنگاموں سے دور رہتے ہوں جنہیں دوسروں کے نرم و نازک احساسات کی بہت زیادہ پرواہ ہو، جو دوسروں کی خاطر جینے کو زندگی سمجھتے ہوں جن کا وقت اپنے اہل خاندان کے لیے ہو۔

اور یہ ساری خوبیاں اسے اپنے پھوپھوزاد جگنو میں نظر آئیں۔ وہ ان خوبیوں کا پیکر تھا۔ شادی کے دوران ثمن مسلسل اس کا جائزہ لیتی رہی اور اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا شادی کرے گی تو جگنو سے ورنہ کسی سے نہیں۔ شادی میں ثمن نے ایسی کوئی چھچھوری حرکت نہیں کی اور نہ ہی جگنو کیا کسی کو محسوس ہونے دیا کہ وہ جگنو کے سامنے اپنا دل ہار بیٹھی ہے۔

وہ مضبوط کردار کی لڑکی تھی مگر جگنو کے سامنے بھربھری ریت کی دیوار کی طرح ڈھے گئی اور یہ ریت اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی۔ ثمن شدت سے اس دن کے انتظار میں تھی کہ جب جگنو اپنے لبوں سے اس کی آنکھوں کی ریت چن لے گا اس لیے خاموشی سے جگنو کی خوبیوں اور اچھائیوں کے سامنے لٹ گئی۔ بہت عرصے بعد اس نے جگنو کو دیکھا تھا کیونکہ آتا ہی نہیں تھا۔ پہلے اپنی تعلیم کی وجہ سے پھر ادکارہ چلا گیا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی اپنی ہوبیز تھیں جن میں مصروف رہتا، پھر اس نے اپنے پاپا کے ساتھ آفس جوائن کر لیا۔

وہ گیا بھی تو ایک آدھ گھنٹے سے زیادہ نہیں رکا۔ بس دادی بی اور خالہ بی سے ملنے کیلئے، اسی ٹائم میں کوئی مل جاتا ٹھیک ورنہ وہ اور کسی سے ملے بغیر لوٹ آتا کیونکہ جگنو کے ماموں علیحدہ گھروں میں رہتے تھے جو نانو کے گھر سے کافی دور تھے۔

اس طرح جگنو کی ممی، ماں بہن اور بھائیوں کو ملنے چلی جاتی تھیں، ہفتے میں ایک بار تو لازمی چکر لگاتیں ان کی خدمت کے لیے ڈرائیور ہر دم الرٹ رہتا کیونکہ کلور کوٹ سے لیہ زیادہ دور نہیں تھا اور وہ بھی اپنی گاڑی سے۔

☆......☆......☆

اب پتہ نہیں ثمن کی لگن سچی تھی یا زبیر راؤ ضد کے پکے نکلے کہ انہوں نے جگنو کی بات ماننے سے انکار کرتے ہوئے ثمن سے جگنو کی بات پکی کر دی۔

جگنو کے والد اور والدہ آپس میں کزن تھے۔ دوسرے رشتے سے وہ ان کے سالے کی

آپ...... کو اپنا دل دے چکی ہوں۔"

اس نے جھجکتے ہوئے کہہ ہی دیا۔ وہ اس پاگل دل کا کیا کرتی جس کی ایک ہی خواہش تھی کہ جیسے بھی ہو اسے جگنو کو حاصل کرنا ہے۔ وہ اس کی زندگی بن چکا تھا، وہ یکطرفہ محبت کی آگ میں جل رہی تھی۔

"شاید تم میری باتوں کو مذاق سمجھ رہی ہو۔" اس نے برہمی سے کہا۔ اسے بہت ناگوار گزرا تھا کہ وہ سنجیدہ نہیں تھی۔

"جی نہیں۔ میں نے سنجیدگی سے آپ کی باتیں سنی ہیں مگر میرا دل۔"

دل ایسی چیز نہیں کہ دل تو سینے میں دھڑکتا اچھا لگتا ہے، کسی کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پڑا نہیں سجتا اور کون کم بخت دل سے محرومی برداشت کرتا ہے۔"

"مجھے یہ انگوٹھی پھوپھا جان کی مرضی سے پھوپھو جان نے پہنائی ہے لیکن اب جو کچھ آپ نے کہا میں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی۔ تو آپ انکار کر دیں تاکہ آپ کے اور دیا کے درمیان کوئی دیوار کھڑی نہ ہو؟"

"اوہ یو شٹ اپ بند کرو یہ بکواس۔ تم نے یہ کیا دیا، دیا کی رٹ لگا رکھی ہے۔"

"بہت غصہ آتا ہے آپ کو اس نام پر؟"

"آنا بھی چاہیے۔"

"مبارک ہو آپ کو، آپ کی چاہت میں ابھی انگوٹھی واپس کرتی ہوں۔ جگنو صاحب آپ میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن یہ خوبی یہ دکھ بھول جانے والا نہیں کہ...... کہ......" وہ رونے لگی۔

"آپ دیا کو چاہتے ہیں وہ آپ کے لائق ہے، آپ اس سے شادی کریں گے۔ مجھے کوئی ملال نہیں، میں زبردستی آپ کے سر منڈھے جانے کو تیار نہیں۔"

"تم کو کس نے بتا دیا اور میرے متعلق اور خصوصاً دیا کا نام؟"

"پھوپھو بی نے کہ آپ کسی کو پسند کرتے ہیں، اس سے آگے کچھ نہیں اور دیا راؤ کا آپ نے بتایا کہ...... بہت خوبصورت نام ہے اس کا، اور جب آپ کے نام کے ساتھ جڑے اس نام کی اہمیت اور بھی بڑھ جائے گی۔ دیا جگنو راؤ۔"

وہ سانس لینے کو رکی۔ کیونکہ آنسو حلق میں اٹک گئے تھے۔

"میں یہ انگوٹھی اتار کر پھوپھو بی کو دے دوں گی۔ یہ انگوٹھی جو عمر قید کی نشانی تھی، تمہاری رضامندی کے بغیر میں بہت خوش تھی کہ وقت کے ساتھ ساتھ میں اپنی محبت سے آپ کا دل جیت لوں گی مگر یہ ممکن نہیں تو پھر میں کیوں اس قید میں رہوں۔"

رشتوں کی، محبتوں اور ناتوں کی پہلی شرط اعتماد ہے۔ جب وہ ہی نہ ہو تو رشتے کیا کر سکتے ہیں اور وہ لڑکی خوش نصیب ہے جس کے مقدر میں آپ کا ساتھ لکھا ہے۔ میری دعا ہے آپ لوگ ایک دوسرے کو پالیں اور ہمیشہ خوش رہیں۔ میں اس بندھن کی قید سے آزاد ہوتی ہوں اور آپ تو پہلے بھی آزاد تھے۔"

"خدا حافظ۔" جگنو نے کہا۔

رابطہ کٹ گیا۔ وہ ریسیور ہاتھ میں لیے کھڑی رہ گئی۔

دادی بی اس کے پاس بیٹھی باز پرس کر رہی تھیں کہ اس نے انگوٹھی کیوں واپس کی جبکہ جگنو سے منگنی کے لیے اس نے خود کہا تھا بلکہ ضد کی تھی شادی کرے گی تو جگنو سے ورنہ نہیں۔

کیونکہ اس کے انکار نے گھر بھر میں تجسس پیدا کر دیا تھا۔ پہلے اپنی پسند سے منگنی کروانا اور پھر ختم کرنا۔

"ثمن! جگنو نے رات تم سے کوئی بات کی تھی؟"

اسے یقین تھا سب سے پہلے اس بات کی خبر دادی بی کو ہوگی اور ایسا ہی ہوا تھا۔ ابھی اس نے پاپا اور ممی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ ممی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں اور پاپا بہت مصروف تھے آج کل۔

"جی......"

"پھر تمہارا کیا جواب ہے؟"

"کیا ہونا چاہیے میرا جواب؟"

"ہاں اور کیا؟"

"وہ کیوں؟"

"جگنو ایک اچھا لڑکا ہے۔"

"ہاں اچھا لڑکا ہے مگر......" وہ چپ ہو گئی۔

"کیا......؟"

''اب اچھا نہیں رہا کم از کم میری نظر میں۔''

''کیوں......؟''

''اس کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے میں اس رفاقت سے انکار کرتی ہوں۔''

''ثمن کیا یہ بات تم کہہ رہی ہو جس کے لیے تم نے ضد کی تھی۔''

''ہاں میری غلطی تھی۔ اگر پہلے معلوم ہو جاتا تو کبھی خواہش کا اظہار کرتی اور نہ ہی ضد۔ مفت میں بدنام ہو گئی۔''

''کیا مطلب......؟''

وہ خاموشی سے ہاتھوں کے ناخنوں کو دیکھتی رہی۔ نیل پالش اترنے کے بعد ہاتھوں کی خوب صورتی میں کمی نظر آ رہی تھی۔ رات وہ یوں ٹوٹ کر بکھری تھی کہ غصے میں دانتوں کے ناخن چبا ڈالے تھے۔ رات بھر اذیت میں رہی، خود پہ اختیار کھو دیا اور بلک بلک کر روئی۔ دکھ اتنا بڑا اور گہرا تھا کہ کسی سے شیئر بھی نہیں کر سکتی تھی۔

جگنو اس کی محبت، اس کی ضد تھا مگر وہ سفر پر ابھی ٹھیک سے قدم بھی نہ رکھ سکی تھی کہ واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ توہین کے احساس کے ساتھ اسے اپنی محبت کے چھن جانے کا بھی دکھ تھا، کتنی شدتوں اور چاہتوں سے اسے چاہنے لگی تھی۔

آج تک اسے شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جو چاہا وہ پالیا، مگر جگنو نے اس کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا تھا کہ وہ سنبھل نہیں پائی اور اس تھپڑ کی آگ اس کے وجود کو چھلنی کر رہی تھی۔

مگر وہ پھر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے تھامے ہوئے تھی۔ قصور بھی تو اسی کا تھا اور محبت بھی وہ جگنو سے کرتی تھی جگنو اس سے نہیں۔

اگر اسے پہلے دیا اور اس کے بارے میں معلوم ہو جاتا تو کبھی اسے پانے کی تمنا نہ کرتی، اپنی خواہش کو دل کے اندر ہی دفن کر دیتی۔ یوں لوگوں کے منہ پر بھی نہ آتی اور اب اسے کیا حاصل ہوا تھا۔ سوائے ندامت اور ذلالت کے۔

کچھ فیصلے ایسے ہوتے ہیں جو سوائے دُکھوں، ندامت، رسوائی کے کچھ نہیں دیتے پھر تمام عمر ان فیصلوں پر پچھتاتے گزرتی ہے۔

''لوگ کیا سوچیں گے؟''

''جو بھی سوچیں۔''

''جگنو سے کیا کہا ہے تم نے؟''

''شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے دادی بی۔ میں نے کچھ نہیں کہا جو کہا آپ کے نواسے نے کہا۔ جواب تو دینا تھا ہی مجھے۔''

''کیا کہا اس نے......؟''

''آپ کو نہیں بتایا جگنو نے؟''

''مجھے جگنو نے کچھ نہیں کہا۔ فریدہ نے بتایا ہے مجھے، ظاہر ہے جگنو نے ماں کو بتایا ہو گا۔''

''جگنو نے کہا کہ میری مرضی کے خلاف مجھے انگوٹھی پہنائی گئی ہے اور وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے اور اس نے کہا کہ وہ یہ منگنی ختم کر رہا ہے، تو میں نے انگوٹھی اتار دی اور اس کو بتا دیا کہ میری طرف سے یہ رشتہ ختم، میری خواہش اور ضد ضرور تھی لیکن پھوپھو جان اور پھوپھا جان نے اپنی رضامندی سے یہ رشتہ طے کیا ہے لیکن جب وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے اور کچھ بھی ہو جائے وہ اسی سے شادی کرے گا تو انکار کے علاوہ میرے پاس اور کوئی حل نہیں تھا، سو میں نے انکار کر دیا۔''

''لیکن مجھے کسی بات کا علم نہیں، کسی نے مجھ سے ذکر نہیں کیا اور......تو اور فریدہ نے بھی نہیں، اگر مجھے کچھ خبر ہوتی بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے کہ سانپ بھی مر جاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔''

''مگر اب تو سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی ٹوٹ گئی۔''

''تمہارا کیا فیصلہ ہے اب؟'' دادی بی نے اس سے پوچھا۔

''وہ ہی جو جگنو کا۔''

''ابھی اس میں ترمیم کی گنجائش رکھو۔''

''ہرگز نہیں۔ میں ایک عاقل و بالغ، باشعور لڑکی ہوں دادی بی۔''

''تو کیا کریں......؟''

''وہ ہی جو جگنو چاہتا ہے۔''

''تم بھی تم جگنو کو چاہتی ہو، تو اتنی آسانی سے چھوڑ دو گی اسے؟''

''چاہنے سے کیا ہوتا ہے اور مل جانا ہی چاہت نہیں ہوتی اور مجھے افسوس ہے آپ کو پوری بات نہیں بتائی گئی اور سارا الزام مجھ پر رکھ دیا کہ ثمن نے انکار کر دیا۔''

"مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جگنو اور ثمن کی فون پر بات ہوئی ہے اور اس منگنی کو توڑنے کا اعلان بھی۔ سچ مانو مجھے یقین نہیں آیا۔ کسی سے بھی تصدیق کرنے سے پہلے میں نے تم سے پوچھنا مناسب سمجھا، پھر آگے بات چلاؤں گی پہلے گھر سے تو معلوم ہو اصل بات کیا ہے۔"

"اب تو سب جان گئیں آپ دادی بی۔"

"ہاں مگر مجھے یقین نہیں آتا کہ جگنو نے انکار کیا ہے، وہ تو اتنا سعادت مند اور لائق ہے کہ انکار کر ہی نہیں سکتا۔"

"تو پھر نافرمان اور نالائق تو میں ہوں جو انکار کیا ہے جبکہ اس کا جواب دینا، بے یقین ہیں ابھی تک اور مجھے جھوٹا کہہ رہی ہیں دادی بی۔ آپ ایک بار جگنو کو فون کر کے حقیقت معلوم کر لیں۔ وہ سب بتا دے گا تو پھر یقین آ جائے گا۔ میں نہیں آپ کا نواسہ وہ نہیں چاہتا، جو آپ چاہتے ہیں۔"

وہ غصے سے کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی اور دادی بی سوچوں میں ڈوب گئیں۔

☆......☆......☆

ادھر فریدہ اور جگنو کے درمیان سرد جنگ کا آغاز چکا تھا۔ وہ اس کی برین واشنگ کرنے میں لگی ہوئی تھیں لیکن جگنو کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ دیا کے علاوہ کسی شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اسی لیے اس نے ثمن کو فون کر کے سب سچ بتا دیا کہ وہ کسی دھوکے میں نہ رہے۔

"جگنو بہت بڑی غلطی کی ہے تم نے ثمن کو فون کر کے۔"

"آپ نے جو چپ چاپ انگوٹھی پہنا دی۔ پوچھا بھی گوارا نہیں کیا مجھے۔ زندگی تو مجھے گزارنی ہے تو پھر مرضی سے اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے دیں مجھے۔"

"جو فیصلہ تمہارے پاپا نے کیا بہتر کیا۔"

"اور میں نے اس سے انکار کر دیا۔"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ زبیر کبھی اس بات کی اجازت تمہیں نہیں دیں گے۔ تم اپنے پاپا کی ضد سے واقف نہیں ہو کیا؟"

"میں بھی ان کا بیٹا ہوں اور میری مرضی کے خلاف ثمن سے شادی ہرگز نہیں ہو سکتی۔"

"اگر ایسی ہی بات ہے تو زبردستی ہی ہو گی۔ دم خم ہے تو بھرے مجمع میں نکاح سے انکار کر دینا، واہ صاحبزادے اچھا صلہ دے رہے ہو، تم میرے بیٹے نہیں میرے دشمن ہو۔ میں نے

تمہاری خاطر پوری زندگی اس کاروبار میں گزار دی۔ یہی صلہ دے رہے ہو، جانتے ہو نا کہ تم دو خاندانوں کو بچھڑنے سے بچا سکتے ہو اور تم مجھے ہی نہیں اپنی ماں کو دکھ دے رہے ہو، تمہیں اس کی خوشی بھلا کب عزیز ہے۔ دے لو دکھ جتنے چاہو اور تم اپنی ماں کا میکہ چھین رہے ہو۔"

زبیر راؤ جو فریدہ کو اپنے کسی کولیگ کے ہاں دعوت کا بتانے جا رہے تھے کہ انہوں نے جگنو اور فریدہ کی باتیں سن لیں، ماں بیٹا اپنی باتوں میں لگے ہوئے تھے۔

فریدہ بھی اس پل جذباتی ہو گئیں اور بیٹے کو موم کرنے کی غرض سے بولیں۔

"جتنے ہو سکتا ہے دکھ دے لو مجھے میں نے بھی حل ڈھونڈ لیا ہے۔ کل ہی یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی، میکے والوں کو بیٹی کی دو روٹیاں کبھی بھاری نہیں ہوتیں، تم خوش رہنا، ساری زندگی تمہارے باپ نے اپنی منوائی ہے اور اب تم، تم نے یہ سب اس لیے کہہ رہے کہ بس تمہاری ضد پوری ہو۔"

وہ رو دیں۔

"ممی آپ مجھے الزام نہ دیں، میں نے کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ کیا ہے آپ لوگوں نے کیا ہے، میں نے تو پہلے دن ہی انکار کر دیا تھا۔ جب آپ نے رشتے کے لیے ذکر کیا تھا۔"

"لیکن تمہاری اس حرکت سے میری بھتیجی اور بھائی صاحب دور ہو گئے، ان کی بیٹی کے ساتھ تم نے کیا کیا۔"

"یہ، یہ آپ لوگوں کی ضد کا ردعمل ہے، جو میں نے کہا تھا کر دیا۔"

"یہ تو وقت بتائے گا کون مانتا ہے کون نہیں۔" زبیر راؤ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

اور فریدہ بیٹھی روتی رہیں۔ لیکن اس نے تھوڑے وقت میں آپ کو اپنا ہمنوا بنا لیا، ان کو منا لیا۔ وہ ماں تھیں اور جگنو ان کا اکلوتا بیٹا۔ اس کے لیے دل پسیج گیا، آخر وہ بیٹے کو خفا نہ کر سکیں اور اس کے سامنے ہار گئیں۔ کم از کم ماں تو اس کے ساتھ کے لیے راضی ہو گئی تھیں۔

وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈالے آنسو پونچھ رہا تھا اور ان کے ہاتھ چوم لیے۔

زیادہ دیر وہ بھی ماں سے ناراض نہ رہ سکا اور اسے یقین تھا اسی طرح ایک دن پاپا بھی مان جائیں گے مگر اسے یہ امید تھی جب ماں اس کے ساتھ ہے تو وہ ان کو منا لیں گی۔

☆......☆......☆

دیا اس کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔

یہ اس کی زندگی کا سوال تھا۔

اس کے مستقبل کا۔

کیسی مصروف دوپہر اور شام گزری تھی، کسی لمحے بھی سوچنے کے لیے ایک لمحہ نہیں ملا تھا اور اب رات گئے گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو وہ بہت تھک چکی تھی۔

جب وہ اپنے بستر پر لیٹی تو تھکن کے باوجود اس کے سامنے جگنو کا سراپا آ گیا۔

کس قدر شاندار خوبرو اور باوقار انسان ہے، کتنا سنجیدہ، لائق اور سلجھا ہوا۔

تعلیم یافتہ، مہذب، نرم خو، محبت کرنے والا اور قدردان۔

وہ جگنو کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ تب ہی سیل کی بیل ہوئی۔

دیا نے کال پک کی۔

''ہیلو دیا......؟''

''ہیلو، تم کہاں تھیں دس بجے سے تمہیں کال کر رہا ہوں۔''

''ہم بھابی کے گھر تھے، ان کی امی ابو عمرہ کر کے آئے ہیں۔''

''اچھا، مگر کم از کم میسج ہی کر دو۔''

''سوری ذہن سے نکل گیا۔''

''کیا میں ذہن سے نکل گیا......؟'' جگنو کو دھچکا لگا۔

''مذاق کر رہی تھی۔ ایک اور بات ہے سنو۔ بھابی کے گھر ان کے پیر صاحب آئے ہوئے تھے، میں خاص کر ان سے اپنے لیے دعا کروانے گئی تھی۔''

''تم پیروں فقیروں کے چکر میں کیوں پڑ گئی ہو؟''

''آپ کو بھی تو حاصل کرنا ہے۔''

''تقدیر سے ایمان اٹھ گیا ہے تمہارا؟''

کسی بھی عورت کا کیا قصور ہوتا ہے؟ بس تقدیر سے وہ ہمیشہ مات کھا جاتی ہے، ورنہ دنیا کی کوئی طاقت عورت کو زیر نہیں کر سکتی۔'' اس نے کہا۔

''اگر اس کا بس چلے نہ تو وہ اس شخص کو اپنی زندگی کا ساتھی چنے، مگر تقدیر ناپسندیدہ ہستی کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہے۔''

''میں نے تم سے یہ پوچھا تھا تم پیر فقیروں کے چکروں میں کیوں پڑ گئی ہو؟''

''جگنو ہر طرف سے مایوس ہو کر انسان رب کی طرف لوٹتا ہے، یہ آخری پناہ گاہ ہے۔''

''اوہو، مگر اس کے لیے کسی پیر صاحب کی ضرورت نہیں ہوتی، راستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور اللہ کی رحمت میں پناہ لینے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اس کا اور بندے کا معاملہ ہوتا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے جگنو مگر ہم جیسے گناہ گار لوگ ایسے ہی سہارے ڈھونڈا کرتے ہیں تا کہ اس کے حضور باریابی کر سکیں۔''

''تم گناہ گار کب سے ہو گئی......تم جیسے معصوم اور کھرے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔''

''جگنو پتہ نہیں کیوں...... مجھے اپنے گناہ گار ہونے کا شدت سے احساس ہو رہا ہے، کیا یہ گناہ نہیں ہے کہ میں اس وقت فون پر آپ سے باتیں کر رہی ہوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے، جگنو آپ خود سوچئے، کیا مجھے اس قسم کی حرکتیں زیب دیتی ہیں؟''

''کس قسم کی حرکتیں؟'' شاید وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

''جگنو تم خوب جانتے ہو!''

''تو پھر تم سے زیادہ گنہگار میں ہوں۔ یہ محبت کی راہ میں نے تمہیں دکھلائی تھی اور تم اس راہ پر بغیر سوچے سمجھے چل پڑی دیا۔''

''کیوں چل پڑی جگنو؟''

''کیونکہ یہ سچی راہ ہے دیا۔ یہ راستہ حق کی طرف جاتا ہے، ہمارے دل صاف ہیں، ہماری نیتوں میں کھوٹ نہیں ہے۔ ہماری روحیں پاک ہیں دیا، محبت تو اس کائنات کا افضل ترین جذبہ ہے اور پھر وہ محبت......جس میں کوئی ہوس نہ ہو دیا؟ محبت تو خدا بھی کرتا ہے اپنے بندوں سے، اپنے محبوب سے اور خدا کہتا ہے مجھ سے محبت کرو، اپنے خالق سے قرب الٰہی حاصل کرو۔''

''یہ کوئی آسان بات ہے جگنو۔''

''ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا۔ یہ بہت مشکل ہے، اس مقام پر انسان پر دشوار گزار راستوں سے گزر کر پہنچتا ہے مگر بعض اوقات طلب اتنی ہی صادق ہوتی ہے وہ سانس لینے کو رکا،

پھر گویا ہوا۔

''نیت اتنی صاف ہوتی ہے، محبت اتنی گہری ہوتی ہے کہ سارے حجاب اپنے آپ اٹھ جاتے ہیں اور انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں فرشتوں کی نگاہیں جھک جاتی ہیں۔''

''یہ سب ٹھیک ہے جگنو، کاش ہماری ملاقات نہ ہوئی ہوتی اور ہوگئی تھی تو جذبوں کے سفر پر اس حد تک آگے نہیں بڑھنا چاہیے تھا کہ ایک دوسرے کے بنا سانس لینا بھی دشوار ہو جائے۔''

دیا کی آواز بھیگ گئی۔

''دیا......''

وہ خاموش رہی۔

''کیا محبت اختیاری فعل ہے، کیا تم ہر کسی کو اسی طرح چاہ سکتی ہو؟ یہ تو ایک فطری جذبہ ہے، آسمانی تحفہ ہے، ایک روحانی بندھن ہے اور خدا جن پر بہت مہربان ہو، یہ خوبصورت جذبہ ان ہی دلوں میں جاگتا ہے۔''

''پتہ نہیں جگنو مجھے یہ سب مناسب نہیں لگتا، میں تم سے کہنا چاہتی تھی کہ آپ اپنے گھر بات کریں اور باضابطہ طور پر سب ہو اور ہم......''

''دیا...... دیا......'' وہ بے چین ہوگیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ یہ ظلم ہوگا میرے ساتھ بھی اور تمہارے ساتھ بھی۔ تم سچ کہو، تم خوش رہوگی......؟ اور کیا یہ قطع تعلق تمہارے جذبے کو ختم کردے گا...... بولو نا؟''

وہ آنسو پیتی رہی۔

''دیا میں اپنی محبت کا جواز پیش کرنا نہیں چاہتا کیونکہ محبت کا کوئی جواز نہیں ہوتا مگر میں اتنا جانتا ہوں یہ ایک اٹل حقیقت ہے، اسے دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی اور میں اس پر شرمندہ نہیں ہوں تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟''

''جگنو میں سوچتی ہوں میں بہت خودغرض عورت ہوں۔ مجھے کوئی حق نہیں کہ آپ کی زندگی خراب کروں۔''

''دیا نہیں۔ اس قسم کے لفظ مت استعمال کرو، یہ خراب کرنا کیا ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ میں ساری زندگی میں اتنا خوش کبھی نہیں ہوا تھا جتنا تمہارے ساتھ

ہوں اور اپنے لیے خوشیاں تلاش کرنا گناہ نہیں ہے، بس انسان کو کم از کم اپنے ساتھ تو مخلص اور سچا ہونا چاہیے۔''

''یہ سب ٹھیک ہے جگنو...... مگر آپ میری بات نہیں سمجھ رہے۔''

''میں سمجھتا ہوں دیا...... میں سب سمجھتا ہوں مگر جو تم سوچتی ہو...... وہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''ٹھیک کیوں نہیں...... جگنو آپ وعدہ کیجئے۔ آج میں جو کچھ کہوں گی...... وہ آپ مان جاؤ گے۔''

''تم کیا کہوگی......؟ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ دیا پلیز۔ مجھے کسی ایسی بات کے لیے مجبور نہ کرنا جو میرے اختیار میں نہ ہو۔''

''تو ٹھیک ہے جگنو آپ بھی مجھ سے کبھی بات مت کیجئے گا۔''

''تو پھر تمہاری آواز کیسے سن سکوں گا؟ تمہارے لیے تو شاید اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر میں جانتا ہوں دیا...... میرے لیے زندگی میں کوئی دل کشی نہ رہے گی۔''

''یہ کیسے سوچا آپ نے کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''تم جو کہہ رہی ہو پھر مجھ سے بات نہ کیجئے گا۔''

''جگنو پلیز آپ میری بات تو سن لیجئے...... زندگی میں دل کشی تو انسان خود پیدا کرتا ہے، آپ کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کرلیجئے۔''

''میں نے تم سے کہا تھا نا دیا۔ اس موضوع پر مجھ سے بات مت کرنا۔''

''جگنو آپ نہیں جانتے یہ احساس مجھے ہمیشہ بے چین رکھے گا کہ میری وجہ سے آپ تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔''

''تم کیا سمجھتی ہو میں پتھر ہوں، سنگدل ہوں جو مجھے تمہاری تنہائی کا احساس نہیں ہوگا تم بھی تو تنہا زندگی گزاروگی۔''

''لیکن جگنو...... آپ اکلوتے ہو، آپ کے والدین کی بہت سی بلکہ ساری خواہشیں ہی آپ سے جڑی ہیں تو میری وجہ سے ان کو کیوں تکلیف دے رہے ہیں......''

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں لیکن اس نے لہجہ نہیں بھیگنے دیا جس سے جگنو کو اس کے رونے کا احساس ہو۔

''میں تنہا کب ہوں؟ دیا تمہارا خیال میرے ساتھ ہے۔''

"عملی زندگی میں خیال کی کیا حقیقت ہے جگنو، خیالوں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی ایک نارمل آدمی کو اس طرح زندگی گزارنی بھی نہیں چاہیے۔"

"یہ سب تم پر بھی تو فٹ آتا ہے پھر اپنے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"

"جو میں کہہ رہی ہوں اس کا جواب دیجئے وعدہ کیجئے!"

"اچھا دیا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، اگر زندگی کے کسی موڑ پر دوبارہ مجھے تم ملی تو ضرور دوبارہ بھی تم سے شادی کرلوں گا۔ یہ ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔"

"اب اور بتاؤ......اور کیا چاہتی ہو؟"

"بس اور کچھ نہیں، آپ خوش رہیں۔ میں اور کچھ نہیں چاہتی۔"

"میں نے تمہیں بتایا ہے نا......کہ اس طرح میں بہت خوش ہوں۔"

"یوں میں خوش نہیں رہ سکتی۔"

"تو کیا میں خوش رہ سکوں گا؟"

وہ خاموش رہی۔

"تم اس طرح بھی خوش نہ رہ سکوگی، دیا میں جانتا ہوں۔" پھر اس نے بات بدل دی

"کل بات کروگی نا......؟"

"جگنو! ابھی میں نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"آخری مرتبہ دیا کیا حرج ہے پلیز۔"

"آپ نہیں جانتے آپ۔"

"دیا"

اس کی آواز میں جانے کیا تھا، وہ خاموش رہی۔

"اچھا یہ بتاؤ، سب لوگ کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ جگنو وہ میری دوست ہے نا ذشے، اس کے شوہر نے دوسری کرلی ہے۔"

"اچھا......یہ تو بہت برا ہوا۔"

"ہاں جگنو......مجھے بہت افسوس ہے۔"

"کیا میاں بیوی کے تعلقات ٹھیک نہیں تھے؟"

"نہیں جگنو......ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اعظم نے اپنی پسند سے شادی کی تھی، میاں بیوی میں بڑی محبت تھی، مگر دوسری شادی کرتے اسے دیر نہیں لگی۔ بہت ہی دکھ ہے، جگنو یہ مرد بھی سمجھ میں نہ آنے والی چیز ہے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے دیا، مرد بے چارہ تو بہت سیدھی سادی قسم کی چیز ہے، مگر بعض اوقات عورت ہی ساری شرم بالائے طاق رکھ کر مرد کے پیچھے پڑ جاتی ہے، جس پر مجبوراً انہیں ایسا قدم اٹھانا پڑتا ہے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

آج بھی اس نے جب اسے خدا حافظ کہا تو صبح کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ اس کے بعد دیا نے وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر گہری نیند سو گئی کیونکہ اگلے دن اتوار تھا۔ کالج سے چھٹی تھی۔

☆......☆......☆



دیا کا دل بجھ کر رہ گیا۔ جگنو کے ساتھ جو وقت گزر رہا تھا بہر کیف وہ زندگی کا بہترین و
تھا، ایسے خوبصورت لمحوں کے بارے میں تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، اس نے تو کبھی تصو
نہیں کیا تھا کہ زندگی کبھی اس طرح مہربان بھی ہو سکتی ہے، اسے تو کبھی امید ہی نہیں تھی کہ وقت
کے لیے اپنے دامن میں ایسی سچی...... انمول اور لازوال خوشیاں بھی سمیٹ کر لا سکتا ہے، وہ
خوش تھی کہ اس نے محبت کی تھی۔ اگر وہ محبت کے بغیر مر جاتی، تو وہ کبھی نہ جان پاتی...... کہ زند
خوبصورت بھی ہو سکتی ہے۔ لمحے اتنے قیمتی بھی ہو سکتے ہیں۔

اک شام سہانی روشن سی
اک چاند تھا میرے آنگن میں
وہ چاند تھا تنہا الجھا سا
کچھ روٹھا سا کچھ اپنا سا
وہ بالکل میرے جیسے تھا
کچھ نازک سا کچھ کومل سا
کچھ خواب تھے اس کی آنکھوں میں
جو مجھ کو سنایا کرتا تھا
میں پل دو پل کو آیا ہوں
وہ مجھ کو بتایا کرتا تھا
پر یہ دل تو پاگل کب مانے
ہجر ہے اٹل یہ کب جانے

یہ پیار اسی سے کرتا تھا
دل جان سے اس پہ مرتا تھا
پھر رات ذرا کچھ اور بڑھی
وہ چاند بھی آخر ڈوب گیا
میں تنہا تھا میں تنہا ہوں
دل پھر سے میرا ٹوٹ گیا

جگنو نے جتنی اسے محبت دی تھی اس سے زیادہ تو وہ اپنے خدا سے مانگ ہی نہیں سکتی تھی، کیسی خوشیاں اسے خدا نے بن مانگے ہی دے دی تھیں۔

ان خوشیوں سے اس کی روح تک سرشار تھی۔

ان خوشیوں میں وہ سرتاپا بھیگ چکی تھی۔

چور چور ہو چکی تھی۔

وہ جب بھی بازار جاتی کوئی بھی اچھی چیز دیکھتی تو بے اختیار جی چاہتا جگنو کے لیے خرید لے اور وہ خرید لیتی۔ اسے بے پناہ خوشی ہوتی، جگنو اسے منع کرتا لیکن وہ مانتی کب تھی۔

اگلے دن اس نے جگنو کو کال کی نہ کوئی میسج۔ وہ خود کو آزما رہی تھی۔ بہت دیر یوں ہی گزر گئی، ابھی وہ بستر سے نکلی بھی نہ تھی کہ جگنو کا فون آ گیا۔

مسرت سے اس کا دل دھڑک اٹھا۔

''دیا! تم کتنا جھوٹ بولتی ہو...... کہ تم جگنو سے بات کرنا نہیں چاہتیں۔

لاشعوری طور پر تم صبح سے اس کی منتظر ہو۔

دل کی گہرائیوں سے تم چاہ رہی تھی کہ اس کا فون آئے اور تم اس کے ساتھ باتیں کرو۔

اس نے مسکرا کر اسے ہیلو کہا...... تو جگنو کی آواز میں مسرتوں کے پھول کھل اٹھے۔

''دیا کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں جگنو۔''

''میرے فون کا انتظار کر رہی تھی؟''

''نہیں جگنو آپ فون نہ کرتے تو اچھا تھا۔''

اس کی آواز میں نہ جانے کیا تھا۔ جگنو تڑپ اٹھا۔

"ایک تو میں اتنی دور کلور کوٹ بیٹھا ہوں، تمہاری صورت کو تو آنکھیں ترس گئی ہیں اور اب تم چاہتی ہو کہ تمہاری آواز بھی نہ سن سکوں۔"

دیا خاموش رہی۔

"بولو نا دیا۔"

"کیا بولوں جگنو۔ آپ میری بات مانتے کب ہو؟"

"تم جو بات مجھ سے منوانا چاہتی ہو، وہ میں نہیں مان سکتا۔ سوری......" وہ شاید مسکرا رہا تھا۔

دیا خاموش رہی۔

"کچھ بولو گی نہیں؟"

"کیا بولوں؟"

"کچھ بھی......"

"بتایئے کیا بولوں۔ کیا سننا چاہتے ہو آپ؟"

"کچھ بھی دیا کچھ بھی۔ بس بولتی رہو، تمہیں سننا اچھا لگتا ہے مجھے۔"

وہ پھر خاموش ہو گئی۔

"کیا چاہتی ہو دیا......؟"

"کچھ نہیں۔"

"کوئی بات ہوئی ہے؟"

"جگنو میں اس وقت بہت اداس ہوں۔"

"وہ تو ظاہر ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب تمہاری آواز سے محسوس ہو رہا ہے تمہاری اداسی کا۔"

"وجہ نہیں پوچھو گے؟"

"بتا دو۔"

"ہمارے بچھڑنے کا وقت آ رہا ہے جگنو۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"ایسا مت کہو دیا پلیز۔" وہ تڑپ ہی تو گیا تھا۔

"حقیقت سے آنکھیں مت پھیرو۔ وہ وقت آنے والا ہے جب ہم ہمیشہ کے لیے سچ مچ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائیں گے۔ پھر کبھی نہ مل سکیں گے، ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں، ایک دوسرے کی آواز نہ سن سکیں۔"

"ایسی باتیں کیوں کرتی ہو دیا۔ یہ تو دل دکھانے والی باتیں ہیں سب۔ تم تو کہا کرتی ہو مایوسی کفر ہے۔"

"ہاں جگنو۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے دیا۔"

"بہت فرق پڑتا ہے جگنو۔"

"دیا میری جان......"

جگنو کی آواز جذبات سے بھاری اور بوجھل تھی......اور دیا کا دل دھڑک رہا تھا۔

چند کلیاں نشاط کی چن کر
مدتوں محوِ یاس رہتا ہوں
تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں

"آج تو شاعری ہو رہی ہے۔" دیا ہنسی۔

"شاید تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔ تمہارا نقطہ نظر بھی درست ہے مگر میرا خیال ہے محبت کرنے والے۔"

"لیکن میں تو آپ سے محبت نہیں کرتی ہوں جگنو۔" وہ ایک دم شوخ ہو گئی۔

"یار! ایسا نہ کہو......پلیز دیکھو، خدا بھی کہتا ہے میرے بندوں سے پیار کرو اور میں تو خدا کا بہت پیارا بندہ ہوں۔ مجھ سے محبت کرو دیا۔"

آہ!

کیا بات کہی تھی اس نے۔ دیا کی رگ رگ میں اس کی محبت سوز بن کر تڑپ رہی تھی۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ جسم کانپ رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بے اختیار اُمڈے چلے آ رہے تھے اور اس کے ہاتھ پسینے سے تر ہو گئے تھے۔

"دیا چپ کیوں ہو؟"

"آپ باتیں ہی ایسی کرتے ہو؟"

"کیسی باتیں۔" وہ شرارت سے ہنسا۔

"جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔" دیا بھی ہنسی پھر اس نے بات بدل دی۔

"چلو ٹھیک ہے اب میں اٹھتی ہوں۔ پھر بات ہوگی۔"

"او کے۔ اپنا خیال رکھنا۔"

ایک دوسرے کو خدا حافظ کرتے ہوئے کال ڈراپ کر دی۔ اور وہ ہنستے ہوئے اٹھ گئی۔

پھر وہ سارا دن مصروف رہی لیکن بار بار اسے جگنو کا ہی دھیان آتا رہا، اس کی باتوں پر لب خود بخود مسکرانے لگتے۔ ابھی بھی کسی کی بات پر وہ مسکرا رہی تھی کہ بھابی نے آلیا۔

"کیا بات ہے دیا...... اکیلے اکیلے ہی مسکرایا جا رہا ہے اور جانتی ہو یوں اکیلے مسکرانے کی علامت کیا ہوتی ہے؟"

"کیا ہوتی ہے بھابی......؟"

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے، ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ ضروری ہے اور دوسری صورت میں......"

"آصفہ بھابی نے معنی خیز نظروں سے اس کے چہرے پر پھیلے قوس وقزح کے رنگوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"دوسری صورت میں...... میری گڑیا کی شادی کر دی جائے اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش باش رہے اور وہ ہی تمہارا دماغی توازن درست رکھے گا۔"

"میرا خیال ہے آپ کی دوسری صورت زیادہ مفید ٹانک ہے تو پھر نیک کام میں دیر کیسی......"

"دیا کی بچی کتنی جلدی ہے تمہیں شادی کی؟"

"جلدی ہو تب بھی آپ پریشان، دیر سے ہو تو بھی آپ لوگ پریشان۔ صرف وہ بات بتا دیں جس بات سے پریشانی نہ ہوتی ہو۔"

"اور شادی کے بعد بھی پریشانی، جانے سسرال والے، لڑکا کیسے نکلیں؟" بھابی نے اس کی ٹھوڑی اوپر کرتے ہوئے کہا۔

"جب چاروں طرف ہی پریشانیاں ہیں تو پھر اس پریشانی کی گٹھڑی کو اٹھا لینا چاہیے۔"

"واہ خوب کیا حل نکالا ہے پیاری نند صاحبہ نے۔"

"دیکھا کیسا لاجواب حل نکالا ہے۔"

"تو پھر اپنے جگنو صاحب سے کہو اپنے والدین کو بھیجے۔ اس سے پہلے کہ وہ اڑنے کی تیاری کرے۔"

"بھابی جگنو ایسا نہیں ہے اور آج کل کے لڑکوں سے ہٹ کر ہے۔ بہت مخلص، بہت احساس کرنے والا۔"

"اور پیار بھی بہت کرنے والا۔"

"جی بالکل، درست فرمایا۔"

"تو پھر کب آرہے ہیں اس کے والدین؟"

"جب آپ کے سسر صاحب رضامند ہو جائیں گے۔"

"اگر وہ راضی نہ ہوئے تو؟"

بھابی نے اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ حقیقت بیان کر رہی تھی ناممکن تھا کہ وہ دیا کی شادی کے لیے رضامند ہو جاتے اور خاص کر گھر والوں کے لائے ہوئے رشتے پر، وہ اپنی مرضی اور پسند سے کرتے، تینوں بچوں کی شادیاں انہوں نے اپنی مرضی سے کی تھیں، کسی سے مشورہ تک نہیں لیا تھا۔

"تو آپ کس لیے ہیں، میری ملازمت کی طرح میری شادی کا مقدمہ بھی لڑیں، اگر جگنو کا پیار دل میں پیدا نہ ہوتا تو کبھی شادی کے لیے نہ کہتی، مگر اب۔"

اس نے نگاہیں جھکالیں اور اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"قسمت ہاتھوں میں نہیں اوپر لکھی ہوتی ہے اور وہ ہی بہتر جانتا ہے۔" انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی۔" اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا، وہ ایک دم ہی اداس ہو گئی تھی۔ جگنو سے ایک پل کی دوری عذاب لگتی تھی۔

اتنے میں بھابی کا فون بجنے لگا تو وہ بات کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں اور

وہ سوچوں میں گھر گئی۔

نگاہ میری ترستی ہے مجھے تم یاد آتے ہو
محبت جب تڑپتی ہے مجھے تم یاد آتے ہو
سما جاتا ہے آنکھوں میں تیرے جذبوں کا بھیگا پن
کہیں بارش برستی ہے، مجھے تم یاد آتے ہو
زمانے کے سوالوں کو میں ہنس کر ٹال دوں لیکن
نمی آنکھوں کی کہتی ہے مجھے تم یاد آتے ہو

☆......☆......☆

جگنو کے فون کا انتظار طویل ہو کر اتنا بھاری ہو گیا کہ ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو گیا۔تب اس نے بے قرار اور بہت مجبور ہو کر جگنو کا نمبر گھمایا۔

اس کی خوبصورت اور بھاری آواز ابھری۔

''ہیلو جگنو۔''

وہ رو دی۔

''دیا کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو؟''

وہ ایک دم ہی پریشان ہو گیا، وہ کیوں رو رہی تھی۔

''دیا بولو کیا بات ہے پلیز۔''

جگنو کا دل دھڑکنے لگا کیا بات ہو گئی کہ وہ رونے لگی۔

''آپ نے فون کیوں نہیں کیا......؟''

''میں اپنا صبر آزما رہا تھا۔''

''اور میں......آج تین دن بعد آپ کی آواز سنی ہے۔''

''میری بات کا اتنا برا منایا آپ نے؟''

اس کی آواز میں گلہ تھا۔

''تم نے ہی کہا تھا نہ اب ہم بات نہیں کریں گے اور اس روز ہماری آخری بات چیت تھی۔''

''ہاں کہا تھا لیکن رہ نہیں پائی۔''

''چلو تین دن تک تم نے میٹھی اور گہری نیند لی اور میں تمہیں تصور میں سوتے دیکھ رہا تھا۔''

''جگنو جس کے مقدر میں میٹھی اور گہری نیند نہ ہو، وہ کیا کرے؟''

''خدا نہ کرے دیا۔''

''مگر میں آج کتنا خوش ہوں، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تین دن بعد تم مجھے فون کرو گی۔''

''اچھا۔''اس نے ایک گہری سانس لی۔

''آپ کیا کر رہے ہو؟''

''کام......''

''کون سا کام؟''

''ہے ایک کام۔''

''مجھے نہیں بتاؤ گے؟''اس نے بہت مان سے کہا۔

''بتاؤں گا دیا بتاؤں گا۔تمہیں نہیں بتاؤں گا تو کسے بتاؤں گا،تمہارے سوا اور کون ہے میرا۔''

''جگنو ایسا نہیں کہتے،آپ کے ممی پاپا ہیں۔''

''ہاں۔''وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''آ کر بتاؤں گا۔''

''کب آ رہے ہو؟''

''بتا دوں گا۔''

''جگنو......''

''جی جان جگنو۔''وہ ایکدم ہی شوخ ہو گیا۔

''جانتے ہو آج پندرہ دن ہو گئے ہیں آپ کو گئے ہوئے اور واپسی کا کوئی ارادہ نہیں۔''

''تم آنکھیں کھولو گی تو آ جاؤں گا،بس اب سو جاؤ رات بہت بیت چکی ہے۔''

''آپ اٹھ نہیں رہے؟''

"تم سو جاؤ۔" اس نے جواب گول کرتے ہوئے سونے کی تاکید کی اسے۔

"مجھے نیند نہیں آئے گی، تین دن سے ایک لمحے کو نہیں سو پائی۔"

"تم کوشش تو کرو نا۔"

"کہا نا مجھے نیند نہیں آ رہی جگنو۔"

"نیند بھی کوشش سے آتی ہے بھلا؟"

"ہاں کیوں نہیں، مجھے بچپن میں امی نے بتایا تھا کہ اگر نیند نہ آئے تو الحمد شریف پڑھنا چاہیے اور پڑھتے پڑھتے نیند آ جاتی ہے، واقعی تم آزما کر تو دیکھو۔"

"کیوں، آپ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہ رہے......؟"

"دیا...... دیا...... کیسی باتیں کرتی ہو، میں تو تمہاری وجہ سے۔"

"خدا حافظ جگنو۔"

دیا نے اس کی پوری بات سنے بغیر کال ڈراپ کر دی۔ پتہ نہیں کیوں اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔

اور جگنو نے بھی دوبارہ کال یا میسج کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

"افوہ کس قدر خوش تھا جگنو۔ وہ دن کیسا ہوگا جب وہ سامنے ہوگا اور وہ خوب صورت گھڑی ان کی زندگی میں آئے گی بھی کہ نہیں۔"

پتہ نہیں......؟

کون جانے......؟

مختلف اندیشوں نے اسے پریشان کر دیا مگر وہ سارے خیال جھٹک کر لیٹ گئی۔ وہ وجہ جاننے کے لیے بے چین تھی مگر جب اسے وجہ معلوم نہ ہو سکی تو جانے کیوں اس کا دل بھر آیا۔ اسے خود پر بے تحاشا ترس آیا۔ اس سے پہلے جگنو نے کبھی ایسا نہ کیا تھا مگر آج......؟ اس عارضی دوری پر اس کا دل بہت کڑھا۔

"اے اللہ ہمارے مقدر میں دائمی مسرتیں لکھ دے۔"

اس کے دل سے دعا نکلی اور آنکھیں بھیگ گئیں۔

☆......☆......☆

کئی دن سے وہ کالج نہیں جا رہی تھی۔ بس دل اداس سا تھا، جب سے جگنو کلور کوٹ گیا

تھا۔ دل یکدم ہی ویران اور پریشان رہنے لگا تھا۔ بس کچھ دنوں کی چھٹیوں پر تھی اور مسلسل سوچوں میں گھری رہتی۔ ایک ایک پل گنتی گنتے ہوئے گزارتی آج اتنے دن ہو گئے آج اتنے ہفتے، اب جگنو آنے والا ہے پھر اس کا دل عجیب سی بے چینیوں میں گھر گیا تو اس نے ڈھیروں خیرات کی، صدقے دیئے۔

وہ کرن کی طرف جانے کا سوچ رہی تھی کہ اتنے میں کرن کی کال آ گئی۔

"بہت دن ہو گئے۔ یار چکر ہی لگا لو، میں بھی چکر نہیں لگا سکی۔ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ہوا آنٹی کو......؟"

"شوگر لو اور بلڈ پریشر ہائی۔ بس اسی وجہ سے بہت پریشان رہی ہوں۔ آ جاؤ یار۔ ملنے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔"

"ہاں میں بھی آنے کا سوچ رہی ہوں۔ میرا اپنا دل بہت اداس ہے۔ شام کو چکر لگاؤں گی۔"

"شام کو نہیں ابھی آ جاؤ۔" اس نے اصرار کیا۔

"کیوں خیر ہے کوئی خاص بات؟"

"ہاں خیریت ہے، کوئی خاص بات نہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر میں دوپہر تک آتی ہوں۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"او کے خدا حافظ ڈیئر۔"

دونوں طرف خدا حافظ کہنے کا تبادلہ ہوا اور پھر فون بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ جانے کی تیاری کرنے لگی۔

☆......☆......☆

اس نے بلیو پرنٹڈ سوٹ پہنا، گھنے سیاہ لمبے بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا اور کانوں میں گولڈ کے دل نما ٹاپس پہنے جو جگنو نے اسے سالگرہ پر دیئے تھے۔ ہلکی سی خوشبو کا پرفیوم چھڑکا، وہ بہت ہلکی خوشبو کا پرفیوم استعمال کرتی تھی، اسے بہت تیز خوشبو پسند نہیں تھی۔ لائٹ ٹی پنک رنگ کی لپ اسٹک لگائی، چند منٹوں میں وہ تیار ہو چکی تھی۔ سادہ سے حلیے میں وہ ہمیشہ سے زیادہ اچھی لگ

رہی تھی۔

وہ اقبال بھیا کے ساتھ کرن کے ہاں پہنچی، وہ اسے ڈراپ کر کے لوٹ آئے اور دیا کو تاکید کی آنے سے پہلے کال کر دے وہ اسے پک کر لیں گے۔

جگنو کی گاڑی دیکھ کر وہ بے تابی سے آگے بڑھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

جگنو کی محبت کے اس انداز پر دیا کی آنکھیں بھر آئیں، وہ بھی کیسی پاگل تھی جو اس کا دل اندیشوں میں گھر گیا، اب جگنو کی محبت پر رشک آنے لگا۔ اس کے دل میں خوشیوں کے چراغ جل اٹھے۔

وہ جگنو کو دیکھ کر رو دی۔ تو وہ پریشان ہو گیا۔

''کیا ہوا دیا......؟''

وہ روتی رہی۔

''یہ آنسو کیوں......؟''

وہ سوں، سوں کرتی رہی۔ کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

''کچھ بتاؤ گی؟''

''کیوں دھوکہ دیا مجھے......؟''

''ہیں، دھوکہ، کون سا دھوکہ اور کب دیا؟''

''بتایا کیوں نہیں تھا کہ آ رہے ہیں؟''

''ہاہاہاہا......'' جگنو کا قہقہہ بے ساختہ بہت گونجدار تھا۔

''بتا دیتا تو سرپرائز کیا رہ جاتا؟'' وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔

''اور کوئی گزر جاتا تو......؟''

اس نے پلکیں جھپکتے ہوئے کہا۔

''ایسے ہی گزر جاتا، ہم گزرنے دیتے تو گزرتا۔ تم کیا جانتی ہو اتنا ہی بے خبر تھا تم سے؟''

''تو پھر......تو پھر......؟''

''تو پھر بہت چاہتا ہوں، بہت پیار کرتا ہوں۔ اتنا کہ اپنی زندگی بھی تم پہ نچھاور کر دوں اور تم کہہ رہی ہو کہ گزر جاتی۔''

''ہاں تو اور کیا......؟''

''پہلے آنسو صاف کرو پھر بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں؟''

''وہ ہی جو سب کچھ تم بتانے کے لیے بے چین ہو رہی تھیں۔''

''کچھ نہیں ہے میرے پاس بتانے کیلئے''

وہ غصے سے بولی۔

''دیا......؟''

وہ خاموش رہی۔

''دیا......'' اس نے زور دیتے ہوئے کہا۔

''جی''

''ادھر دیکھو......''

اس نے نظریں اٹھائیں اور جگنو کو دیکھا تو وہ پیار بھری مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا اسے، تو نجانے اسے کیا ہوا کہ وہ بھی روتے روتے ہنس دی اور ہنستی چلی گئی۔ جگنو نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور تھپکنے لگا اور پھر دونوں بڑے پیار سے باتیں کرنے لگے۔

یہ ناراضگی تھی اس کی، بس اتنی سی۔ اس سے زیادہ وہ خفا رہ ہی نہیں سکتے تھے۔

☆......☆......☆

''ہم انسان بھی عجیب ہیں، جانتے بوجھتے ان ہرجائی لمحوں کا حساب رکھتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ساری ساعتیں، سارے پل، سارے خوب صورت لمحے بے وفا ہیں۔ ہاتھ نہیں آتے، بن چاہے چپ چاپ گزر جاتے ہیں اور ہم سوچتے ہی رہ جاتے ہیں کہ کیا واقعی ہم نے سرمئی شامیں، کہر آلود حسین صبحیں، دھنک رنگ ڈھیروں دن گزار دیئے۔ کیا واقعی؟''

اور پھر

جب کچھ کھونے کا احساس ہوتا ہے تو دل بے ساختہ روٹھتا ہے کہ اتنی کم زندگی میں بہت سے لمحے ماہ و سال، ساعتیں سب وقت کی گرد میں دھندلا چکے ہیں اور پیچھے مڑ کر دیکھیں تو صرف دھند میں لپٹے ہوئے خواب ہی دکھائی دیتے ہیں۔''

سوچتے سوچتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دل گھبرا رہا تھا۔ اس نے کرن کی طرف جانے کا سوچا وہاں جا کر وہ سب کچھ بھول جاتی تھی چاہے کچھ دیر کے لیے ہی سہی، اس کی خاص وجہ جگنو کا

وجود تھا جسے دیکھتے ہی بھیگی آنکھیں مسکرانے لگتیں اور اسے دیکھ کر یوں لگتا جیسے گلاب کے پھول پر شبنم مسکرا رہی ہو۔

جگنو کو سامنے دیکھ کر اس کا سارا وجود مہک اٹھتا اور لفظ خود بخود جملوں میں ڈھلنے لگتے۔

جس روز سے ابا کی عدالت میں جگنو کا مقدمہ پیش کیا گیا تھا، اس کا دل یوں ہی گھبرانے لگا تھا اور بے وجہ ہی آنکھیں بھیگنے لگتیں۔ اسے پتہ نہیں کیوں یقین نہیں تھا کہ ابا جگنو کا پرپوزل منظور کریں گے، وہ تو ہمیشہ سے اپنی من مرضی کرتے آئے تھے اور کسی دوسرے کو کب اجازت دیتے تھے کہ کوئی ان کو مشورہ دے اور آج تو پتہ نہیں کیوں اتنی شدت سے دل دھڑک رہا تھا کہ وہ بات بات پر کھوسی جاتی۔

اپنی کیفیت کا ذکر تو بھابی سے نہیں کیا تھا ہاں کرن کے گھر جانے کا ضرور پوچھا۔

''بھابی کرن کی طرف ہو آؤں؟''

''کیوں، خیریت؟''

''جی خیریت۔ بس دل کو ہول آ رہے ہیں نہ جانے کیوں، اس کی طرف ہو آؤں، بہل جاؤں گی۔''

''تو یوں کہو نا دیدار یار کر آؤں۔''

انہوں نے اسے چھیڑا۔

''بھابی یہ بات نہیں، آپ یقین کریں میں......!''

''کر لیا یقین دیا۔ جاؤ ہو آؤ۔''

انہوں نے اسے پیار کرتے ہوئے اجازت دی۔

''مگر امی جان......''

''ہاں وہ سو رہی ہیں، ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تم جاؤ میں بتا دوں گی ان کو۔''

''میں مصطفیٰ بھیا کا انتظار کر لیتی ہوں آنے والے ہی ہیں۔''

''اس کا معلوم نہیں کب آئے، ہاں ابھی تمہارے بڑے بھیا کا فون آیا تھا وہ چن میں پہنچنے والے ہیں کچھ چیزیں منگوائی تھیں وہ لے کر تم تیار رہو جیسے ہی وہ آئیں تم ان کے ساتھ کرن کے گھر چلی جانا۔''

''ٹھیک ہے بھابی، ویسے بھی جب تک میں جاؤں گی وہ سو کر اٹھ چکی ہوگی، میں

کالج گئی ہی نہیں۔''

''جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

''او کے۔''

وہ ان کے کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ جتنی دیر میں وہ تیار ہوئی اتنے میں بھیا آ گئے۔ صرف چند منٹ ہی تو لگے۔ تھے اسے تیار ہونے میں سادے سے حلیے میں بھی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی، شاید جگنو کی محبت کا اعزاز تھا۔

وہ کرن کے گھر پہنچی تو وہ، جگنو اور اس کی بہن لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، اسے دیکھ کر کرن کی بہن مسکرائی تو ان دونوں نے بھی اس طرف دیکھا تو جگنو کے چہرے پر شگوفے سے کھل گئے، یوں اچانک دیا کو سامنے دیکھ کر آج اس کا کتنا دل تھا دیا سے ملنے کو، مگر کرن نے بتایا تھا وہ کالج بھی نہیں آئی۔ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، تب سے اس کا دل مچل رہا تھا، اسے دیکھ لے۔

اس کی طبیعت کا سنتے ہی جگنو نے فون کیا تھا، کچھ دیر وہ باتیں کرتے رہے تھے مگر پھر دیا کی والدہ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی، اس لیے اس نے جلدی ہی کال ڈراپ کر دی اور اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا، دیا سے کہ وہ نہ جانے کیوں اتنی شدت سے اس سے ملنا چاہ رہا ہے۔

کبھی کبھی یوں بن مانگے بھی اس طرح دعائیں قبول ہوتی ہیں، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ہاں مگر اسی لمحے اس کے دل سے یہ دعا بھی نکلی تھی۔

''کاش ہمارے ملن کی دعا بھی یوں ہی قبول ہو جائے۔''

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی ان کی طرف آ رہی تھی۔

جب وہ لان کی سیڑھیاں اتر رہی تھی تو جگنو احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔ شروع سے ہی جگنو کی یہ عادت تھی، اس کو سامنے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہو جاتا اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا اور حال پوچھا۔

سب ٹھیک کے جواب پر کرن کے اشارے پر وہ جگنو کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے دیا تم ٹھیک تو ہو؟''

اس کی افسردہ سی صورت دیکھ کر فوراً جگنو نے پوچھا۔

''جی میں ٹھیک ہوں، کرن مجھے پانی پلاؤ۔''

جگنو کو جواب دے کر اس نے کرن کو پانی کا کہا تو کرن کی بہن نیلم اس کے لیے پانی لینے دوڑی۔

''دیا تم ٹھیک نظر نہیں آ رہی ہو، سب ٹھیک تو ہے؟''

جگنو کے دل کو کسی نے مٹھی میں بند کر لیا تھا اور اب اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا۔ وہ یوں ذبح تو ہو سکتا تھا مگر دیا کو کچھ ہو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

''عجیب سی طبیعت ہو رہی ہے، ہارٹ بیٹ تیز اور گھبراہٹ، ایسے جیسے کوئی ان ہونی ہونے والی ہو۔''

''مثلاً......؟'' کرن نے پوچھا۔

''پتا نہیں کیا۔''

اتنے میں نیلم ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر آ گئی تو اس نے ایک سانس میں ہی غٹا غٹ سارا پانی پی لیا۔ اس پل جگنو نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے نظر آئے تو اس لمحے اس کا دل اندیشوں میں گھر گیا۔

جگنو نے سختی سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں، اس کے ہاتھوں کی سبز رگیں تن گئیں اور خون کی گردش چند لمحوں کے لیے رک گئی، اس پل جگنو ضبط کی آخری حدوں سے گزر رہا تھا۔

''دیا چائے پیو گی، منگواؤں؟''

''نہیں کرن، کچھ نہیں۔''

''پھر کچھ بتاؤ کیا بات ہے؟''

''کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اس نے پلکیں موند کر ٹیک کرسی کی پشت سے لگا لی۔ کرن نے پریشانی سے دیا کو دیکھا اور پھر دوسری نگاہ جگنو کو۔ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور نیلم کو یہاں سے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں کو مکمل تنہائی دینا چاہتی تھی تا کہ بھی الجھن ہے وہ کھل کر جگنو سے شیئر کرے ان کی موجودگی میں شاید وہ کوئی بات نہیں کر پائے گی۔ وہ دونوں لان سے چلی گئیں۔ دیا اور جگنو تنہا رہ گئے۔ دیا اس ساری کارروائی سے بالکل بے خبر تھی۔

دیا کی آنکھوں سے موتیوں کے قطرے لڑھکتے گالوں پر آ رہے تھے۔

''دیا......''

جگنو کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور جلدی سے رگڑ ڈالیں۔

وہ دیا کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر چپ نہ رہ سکا اور پوچھ بیٹھا۔

''کیا بات ہے دیا......تم خوش نظر نہیں آ رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟ مجھے نہیں بتاؤ گی؟''

''پتہ نہیں کیوں آج دل بہت گھبرا رہا ہے جیسے کوئی اَن ہونی ہونے والی ہو، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ایسا کیا ہے؟''

''اوہ مرے خدا۔'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''جو بھی خیال تمہارے ذہن میں ہے کہہ دو سب۔''

''آپ کو کیوں یقین نہیں آ رہا جگنو۔ اپنے احساسات کی مجھے خود کچھ خبر نہیں، کیا ہونے والا ہے، میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔''

''کیا غم ہے تمہیں دیا؟''

''ابا تمہیں مجھ سے چھین لیں گے جگنو، چھین لیں گے وہ۔''

''تو یہ بات ہے جو تم پریشان ہو رہی ہو، مگر سمجھ نہیں آ رہی اور میرے احساس دلانے پر تمہیں سمجھ آ گئی، اک خوف جو تمہارے دل میں ہے زبان پر آ گیا۔''

''ہاں جگنو بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔'' حزن و ملال میں ڈوبی اداس مسکراہٹ جگنو کا دل چیر گئی۔

''مگر ابھی تو بہت وقت ہے، ہو سکتا ہے فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے؟''

''نہیں جگنو ابا لاہور گئے ہوئے ہیں اور ان کے آنے پر آپ کا پرپوزل ان کی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور میری دھڑکنیں عجیب سے انداز میں دھڑکتے ہوئے مجھے ان ہونی کی خبر دے رہی ہیں۔''

''کیسی خبر دیا؟''

''ابا نہیں مانیں گے آج تک یہی تو ہوتا آیا ہے، اپنی مرضی اور پسند سے رشتہ کیا ہے انہوں نے۔''

''مگر تمہارا دل اچھی خبر کیوں نہیں دے سکتا؟''

جگنو نے دیا کو ہنسانے کی خاطر کہا جبکہ وہ اندر سے حد درجہ زخمی تھا اور اس کے دل کو بھی

خوف اور وسوسوں میں گھر لیا لیکن وہ دیا پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ تو وہ رو رو کر پاگل ہو جاتی اور یہ جگنو کو گوارا نہیں تھا۔

''آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے جگنو نگر میں......''

وہ بات پوری نہ کر سکی اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی۔ جگنو کی جان پہ بن آئی، وہ اسے چپ کرانے لگا مگر وہ چپ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

جگنو کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے، وہ خود کو بے بسی کی انتہاؤں پر کھڑا محسوس کر ... تھا اور تہی دست بھی کہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، زندگی میں آج تک اتنا بے بس اس نے خود کو کبھی نہیں ... کیا ہوگا، دیا کے جانے کے بعد وہ مختلف سوچوں میں گم رہا لیکن کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا اس کو۔

ابا کسی کام سے لاہور گئے ہوئے تھے۔ بھابی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آ... ہی گھر انوائٹ کر لیا تھا۔ انہیں جگنو واقعی ہی بہت پسند آیا تھا۔ دیا نے جیسا انہیں جگنو کے بار... میں بتایا تھا، اس سے کہیں بڑھ کر پایا تھا۔ جگنو سے انہوں نے رسمی باتوں کے علاوہ جو معلومات ... تھیں وہ حاصل کر لی تھیں۔ مگر ان کا ذہن کھٹک گیا تھا۔ ابا کبھی دیا کی پسند سے شادی نہیں کر... گے۔

آصفہ بھابی نے شوہر اور دیور سے جگنو کا ذکر کیا تھا اور ان دونوں کو دیا کا بتاتے ہو... تاکید بھی کی تھی کہ ہر ممکن کوشش یہ ہی کی جائے کہ ابا جگنو کے پرپوزل کے لیے مان جائیں، ... ازلی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں، دونوں بھائیوں نے حامی بھری تھی اپنی کوشش کر... مگر امید کسی کو بھی نہیں تھی کہ وہ مان جائیں گے۔

جب جگنو کا پرپوزل ان کے سامنے رکھا گیا تو پہلے رشتوں کی طرح یہ رشتہ بھی ... نے بنا ملے جانے رد کر دیا۔ اقبال کا اصرار، مصطفیٰ کی تکرار اور مصطفیٰ کا اس کی خاطر ابا سے الجھ... گھر چھوڑنے کی دھمکی دینا، سب کچھ حیرت انگیز تھا گھر میں زلزلہ ہی آ گیا تھا، کتنی دقتوں ... نے مصطفیٰ کو اپنے ارادے سے باز رکھا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر کہ وہ جگنو سے شادی نہیں کرے گی۔ ایسی خوشی کے لیے متحمل کیسے ہو سکتی تھی جس کا راستہ باپ اور بھائی کے درمیان پڑنے والی ... ہو کر گزرتا ہو۔

دیا آج ناکام ہو گئی تھی، ہار گئی تھی ایسی ٹوٹی کہ کرچی کرچی ہو گئی۔

آج اس کی محبت کا تاج محل سرنگوں ہو گیا تھا۔

وہ کتنی دیر سوچتی رہی تھی، مسافتوں کا کرب چہرے سے عیاں تھا، اس نے اپنے اندر جھانکا تو یہاں سے وہاں تک خاموشی کی ایک دبیز چادر تنی ہوئی تھی اور دل میں جذبوں کا شور برپا تھا۔ وہ بے تابی سے موبائل کی طرف لپکی اور اس نے جگنو کا نمبر ڈائل کیا۔

''ہیلو جگنو مجھے آپ کی ضرورت ہے پلیز۔''

اور اس کے ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ وہ فون پہ ہی سسک پڑی۔ آگے اس سے کچھ بولا نہیں گیا اور جگنو موبائل پکڑے پریشان ہو کر سوچنے لگا۔

''کیا دیا کی طبیعت خراب ہے! وہ رو کیوں رہی تھی؟''

وہ پریشان ہو گیا تھا، اس کے رونے سے جگنو کو شاک پہنچا تھا جو کسی سے محبت کرتے ہیں وہ اسے کبھی دکھی نہیں دیکھ سکتے۔ وہ بھی تو دیا کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ ہی تو اس کی محبتوں کا مرکز تھی۔

وہ کتنا مجبور اور بے بس تھا، اس کے پاس جا سکتا تھا نہ اس کے آنسو پونچھ سکتا تھا، وہ تو اسے یہ بھی نہیں کہہ سکا تھا کہ

''دیا روؤ نہیں، مجھے تمہارے رونے سے تکلیف ہو رہی ہے۔''

وہ بار ہا اسے کال کرتا رہا مگر اس نے کال پک نہیں کی، وہ اور بھی پریشان ہو گیا، کرن سوئی ہوئی تھی، اس وقت اس نے کرن کو جگانا مناسب نہیں سمجھا، صبح تک اس کا ذہن مختلف منفی اور مثبت سوچوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ وہ رات بھر ایک پل کے لیے بھی نہ رہ سکا تھا۔ وہ انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔

روز تاروں کی نمائش میں خلل پڑتا ہے
چاند پاگل ہے اندھیرے میں نکل پڑتا ہے
اک دیوانہ مسافر ہے میری آنکھوں میں
وقت بے وقت ٹھہرتا ہے چل پڑتا ہے
اپنی تعبیر کے چکر میں میرا جاگتا خواب
روز سورج کی طرح گھر سے نکل پڑتا ہے
روز پتھر کی اہمیت میں غزل لکھتے ہیں
روز شیشوں سے کوئی کام نکل پڑتا ہے
اس کی یاد آئی ہے دھڑکنو ذرا آہستہ چلو

دل کی دھک دھک سے یادوں میں خلل پڑتا ہے

☆......☆......☆

صبح اٹھا تو اس کی آنکھیں شب بے داری کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ وہ بہت پریشان پژمردہ دکھائی دے رہا تھا، اس کی حالت دیکھ کر کرن نے پوچھا۔

"جگنو آپ ٹھیک ہیں، کوئی پرابلم ہے تو بتائیں پریشان دکھائی دے رہے ہیں؟"

"رات بھر سو نہیں سکا۔" اس نے عذر تراشا۔

"نہیں بتائیں گے بات کیا ہے؟"

"بات تو مجھے معلوم نہیں، مگر رات دیا کی کال آئی وہ رو رہی تھی پھر فوراً ہی اس نے کال ڈراپ کر دی، میں نے اسے بہت کالز کیں، لیکن اس نے ریسیو ہی نہیں کی۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا وہ رو کیوں رہی تھی بس اتنا ہی کہا تھا اس نے جگنو مجھے آپ کی ضرورت ہے۔"

"آپ نے مجھے نہیں بتایا میں معلوم کرتی ہوں اس سے۔" اس نے شکوہ کیا۔

"تم سو رہی تھیں نیند کے خیال نہیں سے جگایا۔"

اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر اس کیفیت دیکھتے ہوئے لبوں کو بھینچ لیا اور تھوڑے وقفے بعد بولی۔

"آپ پریشان نہ ہوں میں ملتی ہوں اس سے کالج میں، پھر بتاؤں گی آپ کو۔"

"کرن، کیا میری ملاقات نہیں ہو سکتی دیا سے؟"

اس نے بڑی آس سے پوچھا۔

"ایک بار ملنے دیں اس سے، پھر میں اپنے ساتھ ہی گھر لے آؤں گی۔"

"او کے میں انتظار کروں گا۔"

اس کے کالج جانے کے بعد وہ کرن کی کال کا منتظر رہا۔ اس کا رواں رواں انتظار گیا اور انتظار کے لمحات طویل ہوتے گئے، اس نے پھر دیا کو کال کی مگر بیل بجتی رہی۔ دیا نے کال ریسیو نہیں کی۔ بہت انتظار کے بعد کرن نے بتایا کہ دیا آج کالج نہیں آئی، وہ دیا کے گھر جا ہے، وہیں جا کر بتا سکے گی بات کیا ہے۔

اس نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"او کے۔"

اسی دوران اس نے ممی کو کال کی۔ اس کے لہجے کی لرزش انہیں چونکا گئی۔

"ممی آپ پاپا سے بات کریں مجھے دیا سے شادی کرنی ہے جتنی جلدی ہو سکے۔ ممی آپ اوکاڑہ آ جائیں، آپ دیا کا ہاتھ مانگ لیں اپنے جگنو کیلئے۔ وہ چودھویں کے چاند جیسی حسین اور پاکیزہ ہے، وہ آپ کے جگنو کی زندگی ہے، ممی آ جائیں پلیز۔ ورنہ آپ کے بیٹے کو کچھ ہو جائے گا۔"

اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے، وہ خاموش ہو گیا۔

"جگنو بیٹا ایسا مت بولو پلیز، خود کو سنبھالو۔"

"ممی بس آپ آ جائیں۔"

"میرے چاند، میرے بیٹے، وہ ہی ہو گا جو تم چاہتے ہو، میں منالوں گی تمہارے پاپا کو اور میں مر کر بھی ایسا نہیں ہونے دوں گی کہ کوئی میرے بیٹے کی خواہش پوری نہ ہونے دے اور میرے جگنو کی دیا کو چھیننے کی کوشش کرے، تم اپنے پاپا کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ، جیسے بھی ہو میں ان کو منالوں گی، یہ میرا تم سے وعدہ ہے جگنو بیٹا۔ میں کل ہی اوکاڑہ پہنچ رہی ہوں، تم پریشان نہ ہو، بلکہ تمہارے پاپا کو بھی ساتھ لے کر آؤں گی۔"

انہوں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کال ڈراپ کر دی، اب اسے فکر تھی تو صرف دیا کی طرف سے، کیا ہونے والا تھا اور کیا نہیں۔

☆......☆......☆

وہ دیا کا سوچ سوچ کر پریشان تھا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے وہ آہستہ سے اٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا، مگر کسی پل سکون نہیں تھا اس کو۔ اسے خود سے زیادہ دیا کی فکر تھی، وہ تو رو رو کر مر جائے گی۔

وہ خود بھی رو رہا تھا اور اس نے سارے آنسو، سارے زخم، سارے دکھ اپنے دل میں چھپا لیے تھے، وہ آنے والے لمحوں کو سینے سے لگائے بے چین ہوا تھا۔ کیا فیصلہ ہو گا؟

وہ دیوانوں کی طرح دیا کو چاہتا تھا اور اس کے لیے اس کو اپنانے کی خاطر، ساری دنیا سے اپنے والدین سے بھی لڑ سکتا تھا۔ ان سے بھی منہ موڑ سکتا تھا۔

وہ خود کو جھوٹی تسلیاں، دلاسے نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے دل کے نہاں خانوں میں خلش، چبھن ہو رہی تھی جو اسے اداس کر رہی تھی۔ غم زدہ کر رہی تھی۔

اسے دیا بڑی شدت سے یاد آئی مگر صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اس کی سوچوں نے جگنو کے کھلتے چہرے کو مرجھا کر رکھ دیا۔ اس کی بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں ٹھہری اداسی اور غم چھلک رہا تھا۔ عجیب سی اداسی نے اس کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔

ایک اداسی، غم اور دکھ نے اس کے دل میں گھیراؤ کر لیا تھا۔

اس کی قسمت کا فیصلہ سنا کر اسے زندگی بھر کی ذہنی بے آرامی دے کر اذیتوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ کتنی بدنصیب تھی وہ، زندگی کے پردے پر چلتے ہوئے اس خوبصورت ڈرامے کا کتنی جلدی ڈراپ سین ہو گیا تھا جسے ابھی اس نے جی بھر کر دیکھا بھی نہ تھا، کہ وہ مجرم گردانی گئی۔

ایک ہی رات میں ہجر وفراق کی ہزاروں مسافتیں طے کر بیٹھی تھی اور اب سر جھکائے پشیمانی، حیرانی اور دکھ کی ملی جلی کیفیات پہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

محبت کے جرم کی سزا شروع ہو چکی تھی۔ جگنو کے بنا وہ اجنبیوں کی طرح ہو گئی۔ وہ ہراساں سی کسی سہمی ہوئی ہرنی کی طرح وحشت زدہ لگ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا اس قیامت کی خبر جگنو کو بھی دے، اس کے کانوں میں بھی جدائی اور ہجر کا صور پھونک دے۔ اس سے کہے میں ہار گئی، ابا کے اصولوں اور رسم ورواج کے حصار کو توڑنا میرے بس کی بات نہیں رہی، میں اب کبھی نہیں مل سکوں گی اور جگنو اپنا آپ انتظار کی آگ میں جلاؤ گے تو خود راکھ ہو جاؤ گے۔ میں نہیں آ سکوں گی مجھ میں ہمت ہی نہیں ہے آپ کا سامنا کرنے کی، اسے بتانے کی۔''

شام سے رات ہو گئی اس نے جگنو سے بات نہیں کی بلکہ اپنا موبائل آف کر دیا۔ اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

''وہ منتظر ہوگا، مجھ سے بات نہ ہو سکی تو پاگل ہو جائے گا، خدایا میں کیا کروں، کس طرح اسے یہ خبر سناؤں۔''

وہ اذیت ناک سوچوں میں گھری ہوئی تھی۔ اس نے موبائل آن کیا، تب ہی بیل ہونے لگی۔ اس نے دیکھا جگنو کالنگ، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

اس نے بیل بجنے دی۔ بیل مسلسل ہو رہی تھی مگر وہ کیا کرتی کہاں سے لاتی اتنا حوصلہ کہ کال پک کرتی۔

وہ بے بسی کے اندھیرے میں غرق ہوتی چلی گئی، کوئی بیسویں بار کال آ رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہو گئیں، وہ خاموشی کی زبان میں چیخ پڑی۔

''مجھے بھول جاؤ جگنو بھول جاؤ، میں تو بہت کمزور ثابت ہو رہی ہوں۔ بغاوت نہ کر پاؤں گی، ابا سے ٹکرانے کا مجھے نہ حوصلہ ہے نہ ہمت، میں بہت ناتواں ہوں جگنو بہت ناتواں۔''

بیل اور میسجز مسلسل آ رہے تھے۔ اس نے جگنو کا نام موبائل اسکرین پر چمکتا دیکھا۔ وہ گھبرا کر رو پڑی۔ پھر بازوؤں کے حصار میں چہرہ چھپا کر خود کو جگنو کی یادوں میں گم کر دیا۔

کرن دیا کے گھر پہنچ گئی۔ وہاں پہنچی تو سامنے کوئی نہیں تھا، اندر کمرے میں بچوں کے کھیلنے اور ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ سیدھی دیا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دیا کروٹ بدلے لیٹی ہوئی تھی، اس کی طرف دیا کی پشت تھی، وہ اس کے قریب جا کر بولی۔

''جگنو کو فون کر کے پریشان کر دیا اور خود اب آرام کے مزے لے رہی ہو۔''

آگے بڑھ کر اس نے دیا کا ہاتھ پکڑ کر چہرہ اپنی طرف گھمایا تو دھک سے رہ گئی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور ہونٹ ہلکی ہلکی سسکیوں سے لرز رہے تھے وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے دیا رو کیوں رہی ہو؟''

اس نے پیار سے پوچھا تو وہ ایک دم اٹھ کر اس سے لپٹ گئی اور زور زور سے رونے لگی۔

''آخر ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''میں ہار گئی کرن، ہار گئی۔''

وہ ایک بار پھر بلک پڑی۔

''میں نے اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنا چاہی تھی۔ خوابوں کی تکمیل چاہی تھی اور میرے خوابوں کا تاج محل چکنا چور ہو گیا۔ ہم کبھی نہیں مل سکتے کرن، ہم جدا ہو گئے۔ ابا نے ہمیشہ کے لیے جگنو مجھ سے چھین لیا۔''

''دیا......''

کرن کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''کیا کہہ رہی ہو دیا تم؟''

وہ ہلکی آواز میں چیخی۔

''ہاں دیا یہی سچ ہے، یہی حقیقت ہے، اسی تلخ حقیقت کہ اس سے فرار حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''

پھر اس نے کرن کو سب بتا دیا۔ ابا کی ناہاں میں نہیں بدلے گی اب کبھی بھی۔ کرن

سوچتی ہوئی آئی تھی جگنو کو کیا بتائے گی۔"

اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا۔

دُور تجھ سے گزری ہر گھڑی لکھ رہا ہوں
جو بیتی ہے مجھ پر وہ سبھی لکھ رہا ہوں
تم نے غموں میں الجھایا بہت
میں نام تیرے اپنی ہر خوشی لکھ رہا ہوں
یہ عمر بھر کا بندھن ہے، دو چار دن کا نہیں
دل میں جتنی ہے چاہت سبھی لکھ رہا ہوں
کرو میری بات کا یقین اگر کرتی ہو تو
میں تیرے لیے جو کچھ بھی ہوں، ابھی لکھ رہا ہوں
نہیں کمی کسی لفظ کی میری اس غزل میں
میں فقط اپنی غزل میں تیری کمی لکھ رہا ہوں

وہ پلکیں موند کر بیٹھا تھا کہ نیند آ گئی رات بھر جاگتا جو رہا تھا۔

آنکھ کھلتے ہی مانوس سا احساس ہوا، کرن اس کے قریب بیٹھی تھی اس نے کرن کے چہرے پر نظریں ٹکا دیں۔ جگنو کو کسی ان ہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

"دیا ٹھیک ہے نا کرن؟"

اس نے بے تاب لہجے میں پوچھا۔

"ہاں دیا ٹھیک ہے بس بخار ہے!"

"کیا ہوا اُسے وہ رو کیوں رہی تھی؟"

"جگنو دیا کے ابا نے انکار کر دیا ہے اور اب وہ کبھی نہیں مانیں گے۔"

دھیرے دھیرے اس نے جگنو کو ساری حقیقت بتا دی۔ خبر اتنی اذیت ناک تھی کہ اسے اردگرد کی چیزیں گھومتی نظر آئیں۔

"لیکن میں دیا سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے بے چینی سے کہا۔

"مگر ابھی یہ ممکن نہیں جس کیفیت سے وہ گزر رہی ہے اسے سمجھنے میں بہت وقت لگے گا اور شاید کبھی بھی نہ سنبھل سکے۔"

"کرن جیسے بھی ہو مجھے ایک بار صرف ایک بار دیا سے ملنا ہے۔ پلیز اسے میرا پیغام دے دو۔"

"ملنے کا تو نہیں کہہ سکتی ہاں فون پہ بات ہو سکتی ہے، وہ خود آپ کو کال کرے گی۔ اس نے کہا ہے مجھے۔"

اس نے جگنو کو بہت کھوکھلی تسلی دی۔ ان دونوں کی کیفیات اس کے سامنے تھیں۔ وہ خود بھی ان کے لیے دکھی تھی مگر کتنی بے بس کہ کچھ نہیں کر سکتی تھی ان کیلئے۔"

"میں نے ممی سے بات کی تھی وہ کل آ رہی ہیں۔ میں ابھی ان کو منع کر دیتا ہوں، لیکن میں ہار قبول نہیں کرتا، میں ساری کوششیں دیا کو حاصل کرنے کے لیے لگا دوں گا، میں دیا راؤ کو حاصل کر کے رہوں گا چاہے عمر کے کسی حصے میں بھی کیوں نہ حاصل کروں۔" اس نے عزم سے کہا۔

"انشاءاللہ۔"

کرن نے آنکھوں کی نمی پونچھتے ہوئے کہا۔

حالات نے ایک نئی کروٹ لی تھی۔ فیصلہ تو ہر حال میں ہونا ہی تھا اور فیصلے کا کل اختیار ابا کے پاس تھا اور آج تک وہ اپنے اختیار کا استعمال کرتے آئے تھے، وہ صرف اپنی من مرضی کرتے تھے۔

کسی کی زندگی آباد رہتی ہے یا برباد ہوتی ہے، انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

ان کے فیصلے کا دیا پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ برداشت نہیں کر پائی اور بیمار ہو گئی۔ کرن روزانہ اسے دیکھنے آئی، ایک دن اس نے کہا دیا جگنو سے بات کر لو۔ تو اس نے روتے ہوئے کہا۔

"کرن مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ جگنو سے بات کر سکوں، مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔"

کرن نے اسے بولنے دیا ابھی وہ جس اذیت سے گزر رہی تھی وہ دل سے نہیں دکھ سے کہہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

آج وہ جگنو سے ملنے کے لیے کرن کے گھر گئی۔ اس نے بیل پر انگلی رکھ دی۔

"او دیا آؤ...... آؤ۔"

کرن اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لان میں لے گئی جہاں ایک کرسی پر جگنو راؤ بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔

''السلام علیکم!''

اس نے سلام کیا اور دیا کے سلام کے جواب میں وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔ اسے دیکھ کر دیا کی آنکھیں بھر آئیں۔

''اچھا تم لوگ باتیں کرو، میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' کرن کہہ کر چلی گئی۔

''کیسی ہو دیا؟''

وہ افسردگی سے بولا۔

''آپ کے سامنے ہوں۔''

یوں تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی جس پر رویا جاتا لیکن یہ اپنی ہی بے بسی کا احساس تھا جس نے اس کی آنکھوں کو لبریز کر دیا اور آنسو جھر جھر بہنے لگے۔

''دیا روؤ نہیں پلیز تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔''

جگنو کا لہجہ بھی ٹوٹ رہا تھا۔ وہ بمشکل خود پر کنٹرول کیے ہوئے تھا۔

''دیا ہم بچھڑ کر بھی بچھڑ نہیں پائیں گے، ہمارے دل ہمارے خیالات ہماری خواہشیں ایک ہی رہیں گی۔ زندگی کے کسی موڑ پر ہمیں ایک ساتھ ہونے کا موقع ملا تو ہم اسے گنوائیں گے نہیں۔''

جگنو کے لہجے میں آس تھی، امید تھی۔ شاید وقت انہیں کبھی ایک کر دے۔

''ٹھیک ہے جگنو مگر آج کے بعد ہمارا ہر رابطہ ختم، جب راستے الگ ہو گئے ہیں تو رابطے میں رہ کر اذیت ہی ہو گی۔''

''ٹھیک ہے دیا میں کبھی اپنا نمبر تبدیل نہیں کروں گا اور کسی وجہ سے تبدیل ہوا بھی تو میں تمہیں اپنا نیا نمبر سینڈ کر دوں گا۔ تم وعدہ کرو کبھی اپنا یہ نمبر تبدیل نہیں کرو گی اور مجھے پکارو گی، جھوٹی انا کو بیچ میں نہیں آنے دو گی۔''

''وعدہ جگنو۔''

ایک بار پھر اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور آخری بار وہ اس کو اپنے دل میں اتار لینا چاہتی تھی۔ اس نے ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔

''دیا میں تمہاری پکار کا انتظار کروں گا۔''

''آئی لو یو، جگنو، آئی لو یو۔''

پھر وہ رکی نہیں اور بھاگتی ہوئی گیٹ عبور کر گئی۔ وہ گھبرا کر اسے جاتا دیکھتا رہا جیسے اس نے بہت کچھ پا کر سب کچھ کھو دیا ہو۔

اس لمحے جگنو نے فیصلہ کر لیا وہ نیویارک چلا جائے گا، اپنے دوست کے پاس اور پھر وہیں سیٹ ہو جائے گا اور مڑ کر کبھی پاکستان کا رخ نہیں کرے گا۔

کبھی اس کا چہرہ گلاب ہوا کرتا تھا
سب کی نظروں کا وہ خواب ہوا کرتا تھا
چاند ستارے اس کے سامنے ماند پڑتے تھے
وہ تو خود مہتاب ہوا کرتا تھا
لہجہ ایسا تھا جیسے کھلتی ہوئی کلی
اپنی باتوں میں وہ لاجواب ہوا کرتا تھا
پھر یوں ہوا اسے عشق ہو گیا کسی سے
محبت لفظ جس کے لیے مذاق ہوا کرتا تھا
پھر ٹوٹ کے بکھرا ایسا کہ سنبھل نہ پایا
وہ جو اپنی مثال ہوا کرتا تھا

☆......☆......☆

دیا سفید کڑھائی والی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ اسے دیکھ کر جگنو بے اختیار مسکرایا اور دیا مسرت سے کھل اٹھی۔ جگنو کی ممی بھی اس کی منتظر تھیں۔

اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

دیا کو انہوں نے گلے سے لگا کر اس کی پیشانی چوم لی اور اسے پیار کرتے ہوئے ان کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ وہ خوب صورت اور پروقار لڑکی ان کے بیٹے کی محبت تھی اور وہ اسے متاع عزیز سمجھ کر سینے سے لگائے کھڑی تھیں، پتہ نہیں کیوں دیا کی پلکیں بھیگتی جا رہی تھیں۔ ان کی محبت کے اس انداز نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔

پھر کرن شوخی سے مسکرائی۔

"ممانی ہماری کوئی اہمیت نہیں۔"

"ارے۔" فریدہ نے اس کو بھی گلے سے لگالیا۔ دیر تک انہوں نے دیا کو دوبارہ اپنے پاس بٹھالیا اور بہت پیار کرتی رہیں۔ وہ بار بار اسے حسرت سے دیکھ رہی تھیں، پیار کر رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو ایک پل خود سے دور نہ کرتیں اس کو۔

کرن نے زبردست کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا۔

کھانا بہت پر اہتمام اور بے حد لذیذ، کرن نے خود بنایا تھا اور اب بہت شوق اور محبت سے ان کو کھلا رہی تھیں اور پھر جگنو نے سب کے لیے کافی بنائی جو کہ بے حد لذیذ تھی۔

"اللہ جگنو آپ تو کافی ماہر لگتے ہیں، آج سے پہلے تو یہ ہنر نہیں دکھایا۔"

جگنو مسکرایا۔

"میں تو کھانا بھی بہت اچھا بنالیتا ہوں، کبھی میرے ہاتھ کا کھانا کھا کر دیکھئے۔"

"اچھا پھر تو آپ کی بیگم کو بہت آرام ملے گا۔"

تو ایک دم ہال میں سناٹا سا چھا گیا۔ بے ساختہ کرن کی زبان سے وہ بات نکل گئی تھی جو کہ ناممکن تھی، شرمندگی کے احساس نے اسے آلیا۔

اور تب جانے کس احساس کے تحت دیا نے وہ بات چھیڑ دی۔ اور وہ سوچ کر آئی تھی کہ ممی سے یہ بات ضرور کرے گی کیونکہ جگنو سے وہ بارہا کہہ چکی تھی لیکن وہ اس کی بات سے انکار کر دیا تھا۔

"ممی آپ جگنو کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں؟"

جگنو اور ممی نے بیک وقت اسے چونک کر دیکھا۔ وہ یہ کیا کہہ رہی تھی؟

"دیا بیٹی میں اسے مجبور تو نہیں کر سکتی، مگر جب اس کا دل چاہے گا تو کرے گا۔"

"آپ کا جی نہیں چاہتا ممی۔"

آہ کیسا سوال تھا، ممی کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"دیا پلیز۔" جگنو کو اس کے انداز پر تکلیف ہو رہی تھی اور تکلیف سے تو وہ بھی گزر رہی تھی مگر اپنے لیے وہ اس کی زندگی برباد نہیں کر سکتی تھی۔

"کیوں نہیں چاہتا دیا بیٹی۔ مگر جب تک اس کی خواہش نہ ہو میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"آپ انہیں مجبور تو کر سکتی ہیں۔"

"میں اسے مجبور نہیں کرنا چاہتی بیٹی...... میں جانتی ہوں میری بات نہیں ٹالے گا، ضرور مان جائے گا مگر میں اسے خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔"

کیسی ماں تھیں وہ، دیا کے دل میں ان کے لیے ایک دم ہی ڈھیروں احترام اتر آیا۔

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ممی بعض کام مجبوراً بھی تو کیے جاتے ہیں، اسی میں سب کی بھلائی ہوتی ہے۔"

"ہاں بیٹی یہ تو وہ خود بھی جانتا ہوگا۔"

"جگنو بھائی آپ بھی تو کچھ بولئے۔" کرن نے کہا۔ جب وہ بہت پیار میں ہوتی تھی جگنو بھائی کہہ کر پکارتی تھی۔

"کیا بولوں......؟ کیا آج کی عدالت اسی لیے لگائی گئی تھی؟"

اس نے دکھ بھری نظروں سے دیا کی طرف دیکھا۔

"یہی سمجھ لیں۔" کرن نے دیا کی آنکھوں میں موتی چمکتے دیکھے تو فوراً اس کی حمایت میں بولی۔

دیا نے تشکر بھری نظروں سے کرن کی طرف دیکھا اور ان موتیوں کو اندر ہی اتار لیا اور اس کوشش میں اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

"دیا میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ جب تم دوبارہ مجھے مل گئیں۔ زندگی میں کبھی بھی موقع ملا میں تم سے شادی کرلوں گا۔"

وہ کچھ بولنے کے قابل کہاں رہی تھی۔ نظر جھکا کر ہاتھوں کے ناخنوں کو دیکھنے لگی، جگنو کی اتنی گہری بات...... تکلیف کے مرحلے سے تو وہ بھی گزر رہی تھی اور یہ کس دل سے کہہ رہی تھی وہ ہی جانتی تھی۔ بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی تو بولی۔

"کیا ممی کی خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے......؟"

"میں اپنی ماں کی خاطر جان بھی قربان کر سکتا ہوں لیکن انہوں نے کبھی میری پسند پر اپنی خواہش کو ترجیح نہیں دی۔ ممی میرے دل کا حال جانتی ہیں کہ کون مالک ہے ان کے بیٹے کے دل کا۔" وہ افسردگی سے مسکرایا۔

"کیوں ممی......؟"

"ہاں بیٹی میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار اس لیے نہیں کیا کہ میں گنہگار نہیں بننا

چاہتی۔"

"ممی۔" جگنو تڑپ اٹھا۔

"ممی اگر آپ چاہتی ہیں تو خدا کی قسم میں آج ہی شادی کرلوں گا، دیا بھی موجود ہے، سادہ سے حلیے میں معصوم سی دلہن۔"

دیا کے دل میں دکھ کی لہریں پھیل گئیں اور وہ اس درد کو دبانے کی خاطر رخ پھیر گئی۔

"دیا کچھ بولو نا؟" کرن نے اسے اکسایا۔

"میرا خیال ہے ممی آج ہی جگنو سے انگوٹھا لگوا لیجئے، یہ شادی کے لیے راضی تو ہوئے"

دیا آنسو بھری آنکھوں سے مسکرائی۔

"کسی اور سے نہیں بس تم سے۔"

"شادی کے لیے تو راضی ہوئے نا پھر کوئی بھی ہو۔"

خدایا وہ کس دل سے یہ ساری باتیں کررہی تھی۔ وہ سمندر جیسی گہری لڑکی، جو بظاہر مسکرا رہی تھی کبھی بھیگی پلکوں کے ساتھ اور کبھی آنسوؤں کو پیتے ہوئے۔ مگر اندر ہی اندر ان باتوں کے خنجر اسے زخمی کررہے تھے اور یوں ماحول ایک دم ہی بوجھل ہوگیا تھا۔ ممی نماز کے لیے اٹھ گئیں۔ کرن اخبار دیکھنے لگی۔

دیا اور جگنو خاموش بیٹھے تھے۔

"جگنو خاموش کیوں ہو؟"

اس نے اس خاموشی سے گھبرا کر جگنو سے پوچھا۔

"تمہارے ترکش کے سارے تیر ختم ہوگئے کہ ابھی کچھ باقی ہیں......؟"

"نہیں ابھی آخری تیر باقی ہے۔" وہ دکھ بھری مسکراہٹ سے مسکرائی۔

"تو پھر بسم اللہ اسے بھی آزما لیجئے۔"

"تو پھر سنو...... آج یہ ہماری آخری ملاقات ہے، اس کے بعد ہم کبھی نہیں ملیں گے۔"

"دیا......؟"

جگنو حیرت اور صدمے سے ساکت ہوگیا۔

"ہاں جگنو...... جگنو آپ وعدہ کرو مجھے بھولنے کی کوشش کرو گے اور میں آپ سے کسی

قسم کا رابطہ نہیں رکھوں گی۔"

"اچھا......"

وہ دکھ سے مسکرایا۔

"کچھ اور......"

"بس اور کچھ نہیں۔" دیا لبوں کو کاٹتے ہوئے مسکرائی۔

اور جگنو ایک دم ہی غصے میں آگیا۔

"بہت خوش ہو رہی ہو؟"

"ناخوش ہونے کی بھی کیا وجہ ہے؟" وہ ہنسی

جانے کس دل سے وہ یہ ساری باتیں کررہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔

"ظالم لڑکی جانتی ہو نا......"

وہ پتہ نہیں کیا کہے جارہا تھا مگر کرن کی موجودگی کا احساس کرکے رک گیا۔

"میرا خیال ہے جگنو بھیا میں ممی کے پاس جاتی ہوں، آپ اپنی باتیں مکمل کر لیجئے۔"

"نہیں کرن تم بیٹھو۔ مجھے کچھ نہیں کہنا، میں جارہا ہوں۔"

وہ ایک دم اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد دیا کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

مگر وہ کرن کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"ضبط کے اتنے کڑے پہرے مت بٹھاؤ دیا کہ صبر کرتے کرتے تم بکھر جاؤ اور پھر کوئی سمیٹنے والا نہ ہو۔"

"یہ سب تو ہو چکا کرن، کیا باقی رہ گیا ہے۔"

اس نے بھیگی پلکیں صاف کرتے ہوئے کہا۔ اتنے میں ممی نماز پڑھ کر آگئیں۔

انہوں نے جگنو کا پوچھا تو کرن نے بتادیا اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کافی دیر تک وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں مگر وہ دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے جگنو کی موجودگی میں دیا کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اب مایوسی کی تاریکیوں سے گہنا رہا تھا۔ وہ جانتی تھیں ان کے بیٹے کا بھی یہی حال ہوگا مگر وہ دونوں کے لیے کچھ نہیں کرسکتی تھیں، اس لیے خاموش تھیں۔

اور شام کی چائے بھی اسی ماحول میں پی گئی۔

جگنو نے چائے پینے سے انکار کر دیا۔ کرن اسے چائے دینے کے لیے اس کے کمرے میں گئی تو اس نے دیکھا وہ آنکھوں پہ بازو رکھے سونے کی تیاری کر رہا تھا یا سچ مچ سو چکا تھا یا پھر......؟''

اور پھر شام اتر آئی جب اس نے گھر جانے کا کہا۔

جگنو اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔

جب وہ اپنی چادر اوڑھ کر کھڑی ہوگی تو کرن بولی۔

''میں جگنو کو تمہارے جانے کا بتا آؤں۔''

اور جب وہ ممی سے گلے مل رہی تھی تو اس کا دل بھر آیا۔

''بیٹی تم جگنو سے نہیں ملو گی۔''

وہ خاموش رہی۔

''اسے خدا حافظ کہہ آؤ بیٹی ورنہ وہ ساری رات کڑھتا رہے گا۔''

دیا کا دل چاہے وہ کہے۔

''آپ ساری رات کی بات کرتی ہیں اور یہاں تو ساری عمر جلنا اور کڑھنا ہے۔''

مگر وہ بنا کچھ کہے جگنو کے کمرے میں چلی آئی۔

اس نے دیکھا وہ بیڈ کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھا تھا اور نظریں سامنے گھڑیال پر لگی تھیں اور وہ خود سے دیا سے، روٹھا روٹھا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

''جگنو......؟''

اس نے پکارا۔ جگنو نے اس کی طرف دیکھا۔

''میں جا رہی ہوں۔''

وہ خاموش رہا۔ اس نے دیا کے چہرے سے نظر ہٹالیں۔

''خاک بھی نہیں سن رہے آپ، مجھے معلوم ہے۔''

جگنو نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، وہ اس کے بے حد قریب تھی۔ اس کی معطر سانسیں اس کے رخساروں کو چھو رہی تھیں اور ان کی نظروں میں جانے کیا تھا، کہ دیا کا دل آنسو بن کر بہنے لگا، وہ ہار گئی، اسے خود پہ اختیار نہ رہا۔

''دیا......'' اس کی آواز آنسوؤں سے بوجھل تھی۔ دیا کا سارا وجود لرز رہا تھا۔

''آہ وہ الوہی لمحے تھے۔ وہ ملکوتی لمحے......وہ آسمانی لمحے...... پوری کائنات ان کے اس ملاپ پر رو رہی تھی۔ وصل کے اس انداز پر گریہ کناں تھی......آسمان پر فرشتے بھی ان کے لیے مغموم تھے اور تقدیر سر جھکائے کھڑی تھی۔

پھر جیسے دیا کو ہوش آ گیا۔

''جگنو......میں جا رہی ہوں۔ خدا حافظ۔''

''نہیں دیا......'' وہ جیسے پاگل ہو اٹھا۔ وہ رو رہا تھا۔ بے تحاشا بچوں کی طرح اور اس کا دل پارے کی مانند لرز رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں......دیا ڈر گئی۔ اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا...... تو؟''

''جگنو......جگنو ہمت کرو نا۔ میں نے جو ساری باتیں کیں، میں ان کے لیے بہت شرمندہ ہوں مگر آپ بتاؤ اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے، آپ تو مرد ہیں جگنو اور مردوں کے حوصلے بڑے ہوتے ہیں آپ مجھے دیکھیں......''

پھر وہ یکدم خاموش ہو گئی۔

اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''اب مجھے اجازت دو، ممی باہر کھڑی ہیں۔ وہ کیا سوچیں گی۔''

''اچھا دیا......جاؤ۔ خدا حافظ۔''

دیا نے ایک نظر جی بھر کر اسے دیکھا اور پھر اس کے کمرے سے چلی آئی۔

اقبال بھیا آ گئے تھے۔ وہ ممی کے گلے لگی۔ آنسوؤں کو بہنے سے بمشکل روکا اور پلکیں بند کر کے نمکین پانی کے قطروں کو اندر اتارا، انہوں نے اسے پیار کیا۔ اپنی بازوؤں میں بھینچ لیا۔

''دیا بیٹی سب جو تم جگنو کو کہہ رہی تھیں اگر خود اس پر عمل کرو تو......؟''

اس نے آنکھیں پٹپٹا کر انہیں دیکھا۔

''تم شادی کر لو بیٹی۔''

''ممی اپنے ہاتھوں سے مار دیجئے مگر شادی کا مت کہیے۔'' وہ بلک پڑتی اگر وہ اسے سینے سے نہ لگاتیں۔

''اچھا بیٹی۔'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارا پہلا تحفہ ہے جو میں اس وقت تمہیں دیتی جب تم جگنو کی بیوی بن کر میرے

آنگن میں اترتی لیکن شاید ایسا ممکن نہیں، ویسے تو سب کچھ تمہارا ہی ہوتا لیکن یہ چھوٹا سا تحفہ تم قبول کرو تو۔''

انہوں نے بہت خوب صورت پیکنگ میں چھوٹا سا ڈبہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اس میں کیا ہے؟''اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''کنگن''

''ممی۔''

''کچھ نہیں کہو گی بیٹی۔ یہ تمہارے لائق تو نہیں ہے لیکن رکھ لو، میں انہیں اپنے ہاتھوں سے تمہیں پہناتی مگر بہت ساری خواہشیں پوری نہیں ہوتیں، بس یہ میری تشنہ آرزو ہے مگر تم اسے قبول کرلو تو تمہارا احسان ہوگا۔''

''ممی۔''اس نے وہ ڈبہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

دیا ان سے لپٹ گئی اور پھر خدا حافظ کئے بنا گیٹ سے باہر نکلتی گئی۔

☆......☆......☆

رات کو سونے کے لیے لیٹی تو پتہ نہیں کیوں اس کا جی چاہ رہا تھا وہ جگنو کو فون کر کے اس کا حال پوچھے۔ اس کے سرہانے پڑا ہوا سیل اسے بے چین کئے دے رہا تھا اور جب یہ بے چینی حد سے بڑھ گئی تو وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی لیکن کسی پل سکون نہیں تھا، وہ پھر سے بستر پر آ گئی۔

ادھر جگنو بھی جاگ رہا تھا۔ دیا چلی گئی تھی مگر ان کو تڑپنے کے لیے تنہا چھوڑ گئی تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے دیا کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ تسلیم کر لیا تھا مگر بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ممی بھی ان کے کمرے میں نہیں آئی تھیں۔ وہ جانتی تھیں۔ ان کا بیٹا بسمل کی مانند تڑپ رہا ہوگا۔ اور وہ یہ تماشہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ کرن نے کھانے کا پوچھا جگنو نے انکار کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھیں اسے بھوک کہاں رہی ہوگی؟ ان سے بھی ایک لقمہ نہیں لیا گیا۔ اس لیے وہ وضو کر کے عشاء کی نماز کے لیے کھڑی ہوگئی تھیں۔

جگنو کا بار بار دل چاہ رہا تھا دیا کو کال کر کے اس کا حال پوچھے۔ وہ جانتا تھا اس کا حال بھی اس سے کم نہیں ہوگا، وہ آج خود پر ظلم کی انتہا کر دے گی۔

اپنے اس فیصلے کو خود سے منوانے کے لیے خود پر جبر کے سارے پہرے بٹھا دے گی۔

آج کی رات
یہ کیسے ہوسکتا تھا آج کی رات اسے بھی نیند آ جائے
آخر ان کی محبت کوئی مذاق نہیں تھا......؟
ایک دوسرے کو بھلانا آسان کام تو نہیں تھا......؟
یوں ایک دوسرے سے منہ موڑنا کوئی کھیل تو نہیں تھا۔

وہ کروٹ کے بل لیٹ گئی اور جیسے خود سے ہار گئی۔ اپنی ذات کے حصار کے اندر چکنا چور ہوگئی تھی۔ اس کا پورا وجود اس سے احتجاج کر رہا تھا اور آنسو تھے کہ اُمنڈے چلے آ رہے تھے۔

اب وہ بیڈ پر اوندھی پڑی رو رہی تھی۔ وہ بالکل تنہا تھی اور اس کی تڑپ دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔

اب تو ایسی بے شمار راتیں اس کے نصیب میں آئیں گی۔ جب نیند اس سے رُوٹھ جائے گی، قرار چھن جائے گا، چین لُٹ جائے گا۔ دل ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپتا ہوگا، اب یہی آنسو تو اس کے عمر بھر کے ساتھی تھے اور یہ آخری سہارا تھا، کم از کم رو کر دل کو سکون تو مل جاتا تھا۔

وہ بہت خاموش تھی۔

افسردہ تھی۔

اور جانے کیا سوچ رہی تھی......؟

میرا عشق ہو
تیری ذات ہو
پھر حسن وعشق کی بات ہو
کبھی میں ملوں، کبھی تو ملے
کبھی ہم ملیں ملاقات ہو
کبھی تو ہو چپ، کبھی میں ہوں چپ
کبھی دونوں ہم چپ چاپ ہوں
کبھی گفتگو، کبھی تذکرے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



کوئی ذکر ہو، کوئی بات ہو
کبھی ہجر ہو تو دن کو ہو
کبھی سوال ہو تو رات ہو
کبھی میں تیرا کبھی تو میرا
کبھی اک دوجے کے ہم رہیں
کبھی ساتھ میں، کبھی ساتھ تو
کبھی اک دوجے کے ساتھ ہو
کبھی صعوبتیں، کبھی رنجشیں
کبھی دوریاں، کبھی قربتیں
کبھی الفتیں، کبھی نفرتیں
کبھی جیت ہو، کبھی ہار ہو
کبھی پھول ہو، کبھی یاد ہو
نہ نشیب ہوں، نہ اداس ہوں
صرف تیرا عشق ہو
میری ذات ہو

☆......☆......☆

سانس روکے وہ سیل کان سے لگائے بیٹھی تھی۔

''ہیلو۔'' گھمبیر آواز نے دیا کا دل مٹھی میں لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے آنسوؤں اور سسکیوں پر قابو پایا اور اب وہ خود کو ہر قسم کی صورتحال کے لیے تیار کرنے میں لگی تھی۔

''ہیلو۔ جگنو اسپیکنگ۔'' یہ دوسری بار کی آواز اسے صدمے اور دکھ کی انتہائی منزلوں پہ لے آئی۔

''جگنو'' اس کے لبوں سے سسکی نکلی۔

''ہاں دیا میں، تمہارا جگنو۔''

''خیریت تو ہے جگنو؟''

''خیریت ہی نہیں ورنہ......''

''دیا مجھے سہارا چاہیے میں لٹ گیا ہوں۔ ڈر ہے اسی بے سروسامانی میں مر نہ جاؤں، کیا تم پر میرا اتنا بھی حق نہیں تھا کہ اپنا درد سنا دیتیں۔ کیا تمہارے دکھ میرے دکھ نہیں تھے، کیا ہم ایک دوسرے کا دکھ درد نہیں بانٹ سکتے تھے؟''

''میں کیا کر سکتی ہوں جگنو۔''

''درد کا علاج۔''

''بہادر بنو جگنو۔ یوں کیسے جی پاؤ گے۔''

''دیا سب لوگ مجھ سے شادی نہ کرنے اور اداسی کا سبب پوچھتے ہیں، کیا جواب دوں ان کو، کیا کہوں۔ بتاؤ کیا کہوں کہ خوشیوں کا وہ خزانہ میں نے زندگی کے کس موڑ پر کیسے اور کیونکر کھو دیا۔'' اس کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔

ایک ٹھنڈی آہ ایئر مائیک سے دیا کے کانوں میں آئی۔

''کہہ دیجئے جسے چاہا تھا، اپنی زندگی بنایا تھا۔ وہ ایک حادثے میں مر گئی۔''

''نہیں، نہیں دیا ایسا نہیں کہو۔''

''اور کیا کہوں میری سمجھ میں تو یہی بات آئی ہے۔''

''ویسے لوگوں کو کسی کی ذاتیات میں دخل دینے کا حق کیسے ہے۔''

''دنیا اسی کو کہتے ہیں جو ہمارے مخلص دوست ہوتے ہیں، باز پرس کا حق رکھتے ہیں۔''

''ٹھیک تو پھر جو دل میں آئے کہہ دیجئے۔''

''اور ہاں دیا، میں نے تمہیں کئی کال کرنے کی کوشش کی لیکن تمہارا نمبر آف ہوتا ہے پلیز آئندہ نمبر آف نہیں کرنا۔''

''ٹھیک ہے جگنو۔''

''ایسے نہیں دیا میری قسم کھاؤ اپنے جگنو کی۔''

''میری بات کا یقین نہیں۔''

''بات یقین اور بے یقینی کی نہیں۔ بات اس سے آگے نکل چکی ہے۔'' جیسے آپ نے کہا ہے ایسا ہی ہوگا۔

اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے تھے اور وہ خدا حافظ کرنے ہی والی تھی کہ جیسے اس نے دیا کی سوچیں پڑھ لیں۔

''نہیں کھاؤ گی قسم؟''اس نے متحیر لہجے میں پوچھا۔

چمکا نہ کرو رات کو جگنو کی طرح تم
لے جاؤں گا مٹھی میں کسی روز چھپا کر

''میں نے شعر کی بات نہیں کی دیا، قسم کا کہا ہے۔بس آخری بار اگر بات مان لی تو ٹھیک ورنہ اپنی من مرضی کرو۔''اس نے خفگی سے کہا۔

تیرا درد تھا تیری یاد تھی
میں جہاں گیا میں جدھر گیا
میرا دن تو یونہی گزر گیا
جونہی شب ہوئی میں بکھر گیا
اس ابر کا میرے یار سے
بڑا ملتا جلتا مزاج تھا
کبھی ٹوٹ کے برس گیا
کبھی بے رخی سے گزر گیا
جب چھوڑ دوں گا میں وہ گلی
اسے جب یاد آئے گی میری
تو خبر ملے گی میں مر گیا
ابھی تک ہے میرے نام سے
میرے بعد راہ میں دوستو
وہ تمہی کو روک کر پوچھے گا
وہ کدھر گیا
وہ کدھر گیا

نظم سناتے ہی اس نے دیا کی کوئی بات سنے بغیر فون رکھ دیا اور دیا سیل کو تکتی رہ گئی۔

اس کے بعد وہ فارن چلا گیا، جیسا اس نے کہا تھا ویسا ہی کیا۔

اس کے رستے باپ آسکا نہ ماں۔

لیکن جگنو کے جانے کے بعد زبیر راؤ کا اکلوتے بیٹے کی چاہت اور جدائی نے توڑ کر رکھ دیا، انہیں اس کی خوشیوں کا احساس ہوا، جب ان کو بیٹے کی محبت نے توڑ کر رکھ دیا تھا تو ایک لڑکی کی محبت نے اسے فارن چلے جانے پر مجبور کر دیا۔انہوں نے جگنو کے نمبرز ٹرائی کئے لیکن بند تھے، اب اسی آس پر زندہ تھا وہ کب رابطہ کرتا ہے تو وہ اسے خوش خبری سنائیں اور وہ لوٹ آئے لیکن ان کا انتظار، انتظار ہی رہا۔

وہ سب کچھ آنے والے وقت اور حالات پر ڈال کر بیٹھے تھے کب وہ پلٹ کر آتا ہے۔

ادھر وہ دیا کو بتا کر گیا تھا کہ فارن جا رہا ہوں اور دیا ایک بار پھر سے بکھر گئی تھی۔بہت تڑپی تھی، روئی تھی مگر کیا کر سکتی تھی۔جانے والے کو روکنے کا کوئی مثبت جواز نہیں تھا، اگر اسے روکتی بھی تو یوں ہی ایک دوسرے کو ملنے کے لیے تڑپتے جگنو کا فیصلہ اچھا تھا۔کم از کم ملنے کا خوف تو نہیں ستاتا تھا۔

☆......☆......☆

''سن رہی ہیں آپ۔''

سکندر راؤ نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کا بیٹا پسند کی شادی کرے گا۔''

نسرین نے نوجوان اُونچے لمبے خوبصورت بیٹے کو نظر بھر کر دیکھا اور نظروں ہی نظروں میں اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

''سنا آپ نے۔''ان کی آواز میں ناگواری کا عنصر نمایاں تھا۔

''اب یہ من مانی کرے گا۔اپنی پسند سے شادی کرے گا، سکندر اکبر راؤ کا بیٹا۔اکبر علی راؤ کا پوتا، نام روشن کرے گا اپنے باپ دادا کا۔''ان کے چہرے کا رنگ سرخی میں تبدیل ہو گیا تھا۔

''ابا یہ کوئی غلط کام تو نہیں ہے۔''ضبط کرتے کرتے بھی مصطفی کا لہجہ غصیلا ہو گیا۔

''نہیں بیٹے یہ کب غلط کام ہے، غلط تو باپ ہے تم اپنی جگہ درست ہو۔دوسروں کی بیٹیاں تاڑنا واقعی ہی بہت اچھا کام ہے۔''

''آج کل ہزاروں لوگ اپنی پسند کی شادی کر رہے ہیں، کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔

آپ نہیں معلوم کیوں اتنا خلاف ہیں اس بات کے۔'' اس نے روبرو بحث کی۔

''ہاں برخوردار دنیا میں ہزاروں، لاکھوں برائیاں ہو رہی ہیں اور اب تم بھی ان کا حصہ بننا چاہتے ہو، ان کا ساتھ دے کر ان برائیوں کی حمایت کرنا چاہتے ہو، میں تو کنویں کا مینڈک ہوں آج کل کیا ہو رہا ہے مجھے بھلا کیا پتا ہوگا۔''

''ابا آپ سمجھتے کیوں نہیں، پسند کی شادی کرنا برائی نہیں ہے، میں کوئی گناہ نہیں کر رہا، میں صرف اپنی پسند کے ہم سفر کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں بس یہ کوئی بے عزتی کی بات نہیں ہے۔'' مصطفی نے کہا۔

''تم صحیح کہتے ہو بیٹا۔ دنیا میں اب عزت ان جیسوں کی ہی ہوگی، بھلا ایک شریف اور اقدار کو عزیز رکھنے والوں کی کیا حیثیت ان کے مقابلے میں۔''

سکندر راؤ کی بات نے اسے شدید کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ پرانے خیالات کے آدمی تھے۔ اپنے باپ دادا کے اقدار کو عزیز رکھنے والے، ان ہی رسموں رواجوں اور اصولوں پر چلنے والے اور چلانے والے۔

وہ آج تک خود بھی اپنے بزرگوں کی روایتوں کو قائم رکھے ہوئے تھے اور اپنی اولاد کو بھی ان پر چلانا چاہتے تھے ان کے اپنے کچھ اصول تھے جس سے وہ انحراف کسی صورت نہیں چاہتے تھے۔ سکندر راکبر راؤ کے خاندان میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کوئی غلط کام ہوا ہو اور وہ اپنی پسند کی غیر ذات کی لڑکی سے شادی کر کے ان کا نام ڈبونا چاہتا تھا جس کی اجازت وہ کبھی نہیں دے سکتے تھے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

''دنیا کہاں سے کہاں جا پہنچی ابا مگر آپ وہی پچاس سال پہلے والی دنیا میں آباد ہیں۔ اپنی زندگی کے ساتھی کا انتخاب کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، اس کی اجازت تو ہمیں ہمارا مذہب بھی دیتا ہے اور میں کوئی چوری ڈاکہ نہیں ڈال رہا اور نہ ہی کوئی قتل کر رہا ہوں اور نہ کسی دنگا فساد یا بم بلاسٹ کرنے جا رہا ہوں، صرف اپنی پسند کی ہمسفر کا انتخاب کرنا چاہتا ہوں اور شادی آپ لوگوں کے ہاتھوں ہی کروں گا، زندگی کی ساری خوشیاں اور مسرتیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی مصطفی کی آواز میں تلخی آ گئی تھی۔

''برخوردار تم چوری ڈاکہ، قتل غارت اور دہشت گردی بھی کر سکتے ہو۔ اب تم جوان ہو گئے ہو، باپ کے کندھے جھک جائیں تو بیٹوں کی آواز بلند ہو ہی جاتی ہے لیکن تم یہ بھول رہے ہو

کہ میرے کندھے ابھی جھکے نہیں ہیں بہت مضبوط ہیں، شاید تم مجھے بوڑھا سمجھ رہے ہو اور من مانی کرنا چاہتے ہو۔''

باپ کی بات پر تڑپ کر رہ گیا لیکن باپ کی تڑپ کا اندازہ اسے نہ ہو سکا،

''آپ کو تو میرا ہر کام غلط نظر آتا ہے، ٹھیک ہے اب میں اس وقت گھر میں آؤں گا جب آپ مجھے کبھی نہ کبھی صحیح تسلیم کر لیں گے اور میں خود کو صحیح ثابت کر دوں گا۔'' وہ دندناتا ہوا کمرے سے نکلا اور دروازے کی طرف بڑھا تو ابا کی آواز کی بازگشت کافی دیر اس کا پیچھا کرتی رہی۔

''ہاں، ہاں جاؤ۔ میں نے تمہیں اسی لیے پال پوس کر جوان کیا تھا کہ تم سہارا بننے کے بجائے چھوڑ کر چلے جاؤ، لیکن یاد رکھنا مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تم لوگوں کو میرے سہارے کی ضرورت ہے، میں ابھی بھی اس عمر میں بھی تم سے زیادہ صحت منداور توانا ہوں، کمزور مت سمجھو مجھے۔''

ان کے لہجے میں شیر کی سی گرج تھی، دل دہلا دینے والی۔

''ہر بات دل کو کیوں لگا لیتے ہیں، جوان ہے بہک گیا ہے کچھ دن بعد سمجھ جائے گا تو لوٹ آئے گا۔'' وفاشعار بیوی نے بیٹے کو جاتے دیکھا ضرور لیکن بیٹے کو روکنے کے بجائے شوہر کو ٹھنڈا کرنا اور دل جوئی کرنا اپنا فرض جانا۔

''نسرین آپ نے اس کے لہجے کی تندی اور تیزی کو محسوس نہیں کیا وہ ایسا ضرور کرے گا، آپ کا سکہ کھوٹا نکلا۔''

ان کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔

''آپ دل برا نہ کریں جو خدا کرے گا بہتر ہی ہوگا، میں اسے سمجھاؤں گی۔''

''نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے اسے سمجھانے کی جب ٹھوکر کھائے گا تو لوٹ آئے گا۔ وہ سمجھنے کی منزل سے بہت دور جا چکا ہے، آج میرا بیٹا اپنے حق کے لیے مجھ سے زیادہ اونچی آواز میں بول کر گیا ہے، جب بیٹے اونچی آواز میں بولنے لگیں تو سمجھ لینا چاہیے ماں باپ اپنا دور ختم کر چکے اب وہ اولاد کے رحم و کرم پر ہیں، ان کی شرافت کے تاروں سے بنی ہوئی عزت و آبرو کی چادر اولاد کی تیز آوازوں کے تیروں کی زد میں آ چکی ہے اور جب بھی یہ تیر زبان کی کمان سے نکلیں گے تو عزت کی چادر تار تار ہونے میں دیر نہیں لگے گی لیکن یہ بات اپنے بیٹوں کو بتا دینا کہ میں جھک

نہیں سکتا، ابھی میرا دور ختم نہیں ہوا، یہ بھول ان کی دور کر دینا۔''

وہ شدت ضبط سے گزرتے ہوئے بھی بہت بلند اور تلخ آواز میں بول گئے۔

''اسے بتا دینا اب اس گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے اس پر بند ہو چکے ہیں واپسی کا سوچے بھی نہ اب۔''

ماں کا کلیجہ دہل گیا اور ان کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر ان کے دامن میں جذب ہو گیا۔

☆......☆......☆

اسے گھر سے گئے بہت سارے دن گزر گئے اور ہر روز جب سکندر راؤ اپنے آفس چلے جاتے تو نسرین بیگم مصطفیٰ کو فون کرتیں اور اس کی منت سماجت کرتیں مگر وہ کسی طور آنے پر رضامند نہ ہوا۔

''دیکھو بیٹا وہ باپ ہیں تمہیں غصے میں کچھ بول دیا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم گھر کا راستہ ہی بھول جاؤ جبکہ گھر چھوڑنے کی بات تم نے کی تھی۔''

انہوں نے ناراض لہجے میں کہا، کیونکہ وہ پیار کی بات سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ وہ سخت لہجہ اختیار کریں۔

''وہ بھی تو کسی طور میری بات ماننے کو تیار نہیں تھے، کیا کرتا پھر میں۔ ان کا ہی خون ہوں۔''

''تو کیا والدین کے ساتھ ضد لگاتے ہیں؟'' لہجہ شکوے سے بھرپور تھا۔

''والدین کو بھی بچوں کی بات مان لینی چاہیے، ان کی خوشی عزیز ہونی چاہیے نا کہ فرسودہ رسم ورواج کے اصولوں سے ایک انچ نہ ہٹیں۔ پچاس سال پہلے کے راجپوتوں اور آج کے راجپوتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، ماڈرن اور براڈ مائنڈڈ لوگ ذات پات کے چکروں میں نہیں پڑتے بلکہ اپنے بچوں کا بہتر مستقبل دیکھتے ہیں، بس کلمہ گو ہونا چاہیے باقی سب فضول اور بے کار باتیں ہیں۔ خصوصاً آج کی نوجوان نسل ان باتوں پر نہیں چلتی۔''

اس کے لہجے میں بغاوت کی بو آ رہی تھی۔ ضد اور ہٹ دھرمی واضح چھلک رہی تھی۔

انہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ اپنے ارادوں سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹے گا۔

''بیٹا ماں باپ اولاد کے لیے جو سوچتے ہیں، اچھا ہی سوچتے ہیں، ان کے پاس ایک

عمر کا تجربہ ہوتا ہے اور اس کی روشنی میں ہی بچوں کے اچھے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہیں، جب تم اس اسٹیج سے گزرو گے تو سمجھ جاؤ گے۔''

''ہاں، اس تجربے کی بنا پر ہی اولاد کو تاریکیوں کی نذر کر دیتے ہیں اس لیے کہ انہیں اپنی اولاد نہیں اپنے رسم ورواج اور اصول پیارے ہوتے ہیں اور ایسے لوگ اپنے اقدار اور اصولوں پر اپنے بچوں تک کو قربان کر دیتے ہیں اور شملہ اونچا کر کے برادری میں فخر سے تن کر کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے اور آپ ابا کے رویے سے واقف ہیں پھر بھی ان کی حمایت کر رہی ہیں۔''

اس نے تاسف سے ماں کو کہا۔

''میں اپنے گھر کو بکھرتے نہیں دیکھ سکتی۔ وہ تو نہیں سمجھیں گے اور نہ کسی کی بات مانیں گے تم ہی مان جاؤ۔''

ماں کے لہجے میں اک آس تھی، اک مان تھا اور بھروسہ۔

''آپ چاہتی ہیں میں ہتھیار ڈال دوں۔ ہار مان لوں؟''

''یہ ہار جیت کا معاملہ نہیں ہے اور نہ کوئی کھیل بیٹا۔ بس ایک فضول سی ضد ہے، دونوں میں سے کوئی ایک بھی تو اپنی بات سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔''

وہ مصطفیٰ کی طرف سے مایوس ہو گئی تھیں۔ انہیں حالات سدھرتے نظر نہیں آ رہے تھے۔

''پھر آپ ابا کو منائیں نا کہ میری بات مان لیں۔''

وہ انتہائی ناگوار لہجے میں مسکرائی۔

''وہ کبھی نہیں مانیں گے تم اچھی طرح ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی عادت سے واقف ہو۔ ساری زندگی ان کو منانے میں گزر گئی مگر وہ مان کر نہیں دیئے اب کیا مانیں گے۔''

''تو پھر ان کی ضد ہٹ دھرمی میرے اندر آ گئی ہے میری رگوں میں تو ان کا خون دوڑ رہا ہے، میں کیسے اپنے فیصلے ارادوں کو توڑ دوں۔ میں ان سے اپنے تمام رشتے منقطع کر کے آیا ہوں تو اب کس ناتے سے ان کے پاس آؤں۔''

''تم نافرمانی کی آخری حدوں تک پہنچنے لگے ہو۔ جانتے ہو تمہاری زندگی میں ان کا کیا مقام ہے۔ شاید تم نہیں جانتے کہ اولاد فرائض کی ادائیگی بعد میں کرتی ہے پہلے والدین کی بے

لوٹ محبت اور توجہ لیتی ہے اور تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے تم سے محبت نہیں کی۔''

''ان کی محبت کا ایک پیمانہ ہے ضد ہٹ دھرمی اقدار اور اصولوں کی پابندی جن پر میں پورا نہیں اتر سکتا۔''

''والدین کی محبت سیال مادے کی طرح ہوتی ہے، پیمانے تو اولاد کی خواہشات کے ہوتے ہیں۔''

''یہاں اس کے برعکس ہے، ان کے پاس محبت ہے تو صرف روپے سے، ذات پات سے اور اپنے نظریات سے۔ رعب اور دبدبے سے، حاکمیت ظلم اور بربریت سے یا پھر اپنے وجود سے، وہ یہ ساری خصوصیات مجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں اپنی محبت کا سیال وہ ان ہی پیمانوں میں بھر کر مجھے دینا چاہتے ہیں اور یہ سب ممکن نہیں ہے امی جان......''

''چھوڑو ان باتوں کو، سب بھول جاؤ اور گھر پلٹ آؤ۔ انسانوں کی طرح جینا سیکھو۔''

''میری خوشی ابا نے کڑوی کر دی ہے، میں بکھر گیا ہوں اب وہ میرے غم میں شریک ہیں ناخوشی میں جس عزم کے ساتھ میں گھر سے نکلا ہوں۔ اس کو پورا کر لینے کے بعد ہی لوٹوں گا۔''

''اُن کی سانس کی ڈوری اپنی اولاد سے بندھی ہے، وہ محبت کرتے ہیں تم سب سے مگر انہیں محبتوں کا اظہار نہیں آتا۔ وہ اپنے خول میں بند رہنے والے انسان ہیں جس کی وجہ سے تم لوگ سمجھتے ہو وہ تم لوگوں سے نفرت کرتے ہیں۔''

وہ ایک وفاشعار بیوی تھیں شوہر کی حمایت میں بول رہی تھیں جبکہ وہ شوہر کی عادت سے واقف تھیں، مصطفی نے جو بھی کہا بالکل ٹھیک کہا تھا لیکن وہ اس کی باتوں پر ہاں کر کے باپ اور اولاد کے درمیان نفرت کا بیج نہیں بو سکتی تھی۔ وہ تو ہمیشہ ان کا دل صاف کرنے میں ہی لگی رہیں، کبھی شوہر اور کبھی اولاد کا۔

مصطفی کا انکار سن کر انہوں نے خاموشی سے فون رکھ دیا تھا اور اقبال کا انتظار کرنے لگیں کہ اس کو سب کچھ بتا کر کوئی حل نکالیں سب ٹھیک ہو جائے۔

دوسرے دن وہ مصطفی کے پاس گئے، تھوڑی دیر بعد وہ گویا ہوئے۔ انہوں نے اسے واپسی کا کہا۔

''ابا جان کا غصہ وقتی ہے، تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم ان کے ساتھ مقابلہ کرو۔ وہ کچھ بھی کریں گھر میں کبھی کسی نے ان کے سامنے سر نہیں اٹھایا، میرے ساتھ انہوں نے زبردستی کی

جبکہ میں شادی کے لئے تیار نہیں تھا۔ سمجھانے والے انداز میں ان کو سمجھایا یہ نہیں کہ تمہاری طرح ان کا مقابلہ کرنے بیٹھ جاتا، بہت ہو چکی تم گھر واپس چلو۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

''بھیا واپسی کا لفظ میری کتاب میں اب کہیں نہیں ہے جس مقصد کے لیے میں گھر سے نکلا ہوں اسے پورا کر کے ہی لوٹوں گا۔''

''مصطفی تمہاری بیگانگی ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔''

''ابا جان اس پر راضی ہیں انہیں اپنے اصولوں سے پیار ہے اپنے بچوں سے نہیں، وہ اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں اس کے علاوہ انہیں کچھ خبر نہیں۔''

''گھر کے مسائل تمہارے سامنے ہیں، یہ مسئلے تمہارے بھی ہیں، آخر لڑکیوں کا کیا ہو گا؟''

''لڑکیوں کی شادی ابا جان کو کرنی ہے مجھے نہیں، وہ ہماری مانتے کب ہیں۔''

''تو تم نے گھر سے رشتہ توڑنے کا عہد کر لیا ہے؟''

''میری خطا یہ ہے اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''گھر چھوڑنے کے بعد وہ خطا، خطا نہیں رہی کیا؟''

''ہاں جب میں اپنی من مرضی کرلوں گا تو سب خطائیں معاف ہو جائیں گی میری۔''

''ایسا کر کے تمہارے ہاتھ کیا آئے گا سوائے نقصان کے اور تمہارا رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ خون کا رشتہ ہے اگر منہ بولا ہوتا تو کوئی پرواہ نہیں کرتا کسی کی۔'' اقبال تلخ ہو گئے۔

''ان مسائل کا حل ابا جان کے ہاتھ میں ہے جب تک وہ اپنے فیصلوں میں تبدیلی نہیں کریں گے کچھ بہتری نہیں آئے گی حالات میں۔ ابا جان نے جس جھوٹی شان اور آن پر زندگی کی عمارت کھڑی کر رکھی ہے اس کی اصلیت سے سب لوگ ہی آگاہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگ ایسے لوگوں سے دور ہی رہتے ہیں اس کے باوجود وہ جھوٹا بھرم قائم رکھے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے مشوروں سے شدید نفرت کرتے ہیں۔''

اقبال خاموش ہو گئے، ایک ٹھنڈی آہ لبوں سے نکلی۔ کچھ دیر بعد گویا ہوئے۔

''مصطفی فیصلے وہ ہی اچھے ہوتے ہیں جو ماں باپ اور اولاد دونوں کے اتفاق سے کئے جائیں۔''

''جب والدین اپنی ہٹ پر قائم رہیں تب کیا ہو......؟''

"نہیں مصطفی، غلط فیصلے والدین نہیں مانتے......نفرتوں کے سمندر کبھی پار نہیں ہو سکتے اب دیکھو ابا نے میرے اور مریم کے لیے جو فیصلہ کیا، کوئی احتجاج کیا۔ ہم نے اسے قبول کیا اور خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں۔"

"لیکن میں اپنی مرضی کروں گا، میری زندگی کی ایک مجبوری ہے، میرا امتحان ہے، ایک کڑی آزمائش ہے۔ اب واپسی ممکن نہیں میری۔"

"مصطفی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو، کل کو پچھتاؤ گے۔"

"یہ تو وقت فیصلہ کرے گا۔"

"پھر کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وقت کی سوئیاں کبھی پیچھے کا سفر نہیں کرتیں۔ ابھی وقت ہے، کل جانے کیا ہو کتنی تبدیلیاں لائے وقت و حالات۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں بھیا مگر مجھے ابا جان کے اصولوں اور فیصلوں پر سر نہیں جھکانا، اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے مجھے۔"

"تم ابھی جوش میں ہو کچھ سمجھ نہیں آ رہا، مگر جب سمجھ آئے گا تو بہت دیر ہو چکی ہوگی اور تم ہمارے بھائی ہو۔ خون ہو، دکھ و تکلیف پھر بھی ہمیں ہی ہوگی لیکن شاید ابھی تم کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتے۔ خیر پھر بھی یہی کہوں گا جو فیصلہ کرو سوچ سمجھ کر کرنا اور ہو سکے تو واپسی کا راستہ ضرور رکھنا۔"

مصطفی خاموشی سے انہیں دیکھنے لگا ان کے چہرے پر حزن و ملال پھیلا تھا اور مایوسی چہرے سے جھلک رہی تھی۔

"امی جان اور ہم سب تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکیں گے، ہو سکے تو رابطے بحال رکھنا" انہوں نے اسے تاکید کی۔

"پوری کوشش کروں گا مگر شادی کے بعد ہی رابطے بحال کروں گا ابھی یکسوئی سے زندگی کا اہم فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔" مصطفی نے اقبال کے گلے لگتے ہوئے کہا تو وہ بولے۔ "اللہ تمہیں کامیاب کرے۔" اور اس کے آفس سے باہر نکل آئے۔ اور مصطفی گلاس ونڈو سے انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

مصطفی نے اپنی کولیگ سے شادی کر لی۔ ابا کی ضد نے اسے مزید توانائی بخشی تھی لیکن ابا کی وہی راجپوتوں والی ازلی ضد لیکن مصطفی بھی ان کا خون تھا، ابا کا غیظ و غضب، امی کی خاموشی

فریاد کوئی بھی اس کی راہ کی دیوار نہ بن سکا۔ نہ جانے کیا لاوا ابھر گیا تھا ان دنوں مصطفی میں۔ شوخی و شرارت کی جگہ ضد اور غصے نے لے لی تھی اور پھر اس نے اپنی من مانی کر کے ہی چھوڑی۔ وہ شاید ابا کو یہ باور کرانا چاہتا تھا اگر بہنوں کی زندگی کا فیصلہ کرنے میں وہ کوئی اختیار استعمال نہیں کر سکے تھے تو کم سے کم اپنی زندگی کے فیصلے تو وہ خود کر ہی سکتا ہے۔

یہ ایک ایسا دھماکا تھا جس نے گھر کے در و دیوار کو ہلا ڈالا۔ ایک انہونی جس کا کبھی کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ کھلنڈر اور ہنس مکھ سا مصطفی کب اور کیسے اتنا ہٹیلا اور با اختیار ہو گیا کہ اتنا بڑا قدم اٹھا بیٹھا، سب کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

اس واقعے نے گویا ابا کی کمر ہی توڑ دی۔ وہ جنہوں نے ساری عمر اپنی منوائی تھی جن کے ارادے اٹل اور فیصلے بے لچک ہوا کرتے تھے، ان کے اعصاب اس نافرمانی اور روگردانی کو برداشت نہ کر سکے اور ایک رات انہوں نے بہت خاموشی سے ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں موند لیں۔

یہ دوسرا حادثہ تھا جس نے ان سب کو حواس باختہ کر دیا۔ امی جی کو چپ لگ گئی، گھر میں سناٹے گونجنے لگے۔ بالآخر گھر کی ویرانی سے گھبرا کر اقبال نے دوسرے گھر میں شفٹ ہونے کی ٹھان لی تاکہ جگہ اور ماحول کی تبدیلی اہل خانہ پر مثبت اثرات مرتب کر سکے۔ اور یوں وہ پرانے گھر سے بے شمار یادیں سمیٹ کر اس نئے مکان میں منتقل ہو گئے۔ لیکن امی جی تو گویا اپنا سب کچھ اسی گھر میں چھوڑ آئی تھیں وہ کسی بے چین روح کی طرح سارے گھر میں پھرا کرتیں، سب ان کی بے قراری کو سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو سنبھال لیں گی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ابا کا انتقال اور ابا کی جدائی دو ایسے گھاؤ تھے جو مندمل نہ ہو سکے اور دو سال بعد ہی عدم کے سفر پر روانہ ہو گئیں۔

زندگی کی سانسیں گویا رک سی گئی تھیں۔ پژمردہ چہرے، جامد سناٹے، اُداس ماحول ایسے میں دیا نے گھبرا کر مزید تعلیم کے لیے لندن جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اقبال سکندر راؤ نے مخالفت سے گریز کیا۔

"اچھا ہے اس کا مستقبل سنور جائے گا خود اعتمادی پیدا ہوگی، اپنی زندگی کے بارے میں بہتر فیصلہ کر سکے گی، ہم تو ایسا نہ کر سکے۔" وہ بیوی سے کہہ رہے تھے۔

دیا انگلینڈ سدھاری۔ مریم شوہر کے ٹرانسفر کے باعث کراچی میں جا مقیم ہوئی اور

مصطفیٰ نے سسرال میں ہی آشیانہ بنالیا۔

وقت کا کام گزرنا ہے اور وہ گزرتا چلا گیا۔ کچھ وقت سرکا تو فضا میں رچی اداسی کا رنگ بھی کم ہوگیا۔ گھر کے باقی افراد نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر خود کو غم کے بحر بیکراں سے نکالا۔

کچھ عرصے بعد دیا اپنی تعلیم مکمل کر کے لوٹ آئی۔ اس نے تعلیم اور جاب کی خاطر خود کو اس طرح وقف کر دیا کہ اپنی ذات کے متعلق سوچنے کی فرصت ہی نہ مل سکی۔

لیکن آج اقبال کی خواہش نے اسے جھنجھوڑ کے رکھ دیا اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب تک کسی ریگستان میں سفر کرتی رہی ہو اور سفر کے اختتام پر کسی نخلستان کے بجائے اس کے پیروں تلے تپتی ہوئی ریت تھی۔

"ہماری خواہش ہے کہ اب تم بھی اپنا گھر بسالو۔"

اقبال بھیا کے کہے ہوئے الفاظ بار بار اس کی سماعت پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

گھر......؟

اپنا گھر......؟

وہ گھر جس کے لیے جگنو کے ساتھ خواب دیکھے تھے۔

"نہیں ہرگز نہیں، جگنو نہیں تو اس کی جگہ کوئی بھی نہیں۔"

تم نہ ہوگے تو کوئی تم سا ہوگا
مگر دل کی یہ ضد کہ تم نہیں تو تم جیسا بھی نہیں

یہ اس کے دل کی آواز تھی

مسافتوں کا کرب چہرے سے عیاں تھا۔ تھکے تھکے ذہن سے جب اس نے اپنے جھانکا تو آج بھی جگنو اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ اس کے دل کی مسند پر روزِ اوّل کے چاند طرح روشن تھا۔

"تو کیا سمجھتی دیا کہ تو اسے بھول جائے گی۔ بس پشت ڈال دے گی دل کی آرزوؤں کو، مگر یہ تو تیری بھول تھی۔ تو آج بھی پور پور اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی ہے۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت بہہ رہے تھے۔

"اور جگنو تم...... جگنو تم بھی مجھے بھول نہیں پائے ہوگے۔"

وہ کیا جانے جگنو تو جیتے جی مر گیا تھا۔ اس پری کی خواہش نے اسے صلیب پر لٹکایا

آج بھی وہیں لٹکا ہوا تھا۔

اچانک ہی گیٹ پر بیل چیخنے لگی تھی تو وہ چونک کر خیالات کی دنیا سے باہر آ گئی۔ ماضی سے حال تک کا سفر تکلیف دہ اور تھکا دینے والا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر آنکھیں موند لیں۔

کتنے دنوں سے تیرے ساتھ کوئی بات نہیں ہے
یوں لگتا ہے صدیوں سے ملاقات نہیں ہے
دکھ درد سنو مجھے ہر بات بتاؤ
یہ دل کی خواہش ہے میری بات نہیں ہے
جب یاد تیری آئے تو آ جاتے ہیں آنسو
میں کیسے کہوں آنکھ میں برسات نہیں ہے
سوکھے ہوئے کچھ پھول ہیں اور اشک ہیں تازہ
کچھ اور میرے پاس سوغات نہیں ہے
واقف ہے میرے درد سے صبح کا اجالا
لاعلم میرے غم سے میری رات نہیں ہے

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کیا کروں؟"

اقبال سکندر راؤ نے چشمہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور بیڈ پر دراز ہوگئے۔

"اب ایسی بھی کیا بات ہوگئی؟"

بھابی نے چائے رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

"بس وہ ہی دیا کا مسئلہ، نہ جانے کیوں وہ اس رشتے سے انکاری ہے۔ ایسے رشتے بار بار ہاتھ نہیں آتے، حسن راؤ بہت ہی نفیس انسان ہیں۔ خاندانی ہیں اور مالی اعتبار سے مستحکم بھی دیا ماشاءاللہ بہت خوش رہے گی۔ مگر وہ مانے تو سہی۔"

"تمہاری تو بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے دیا کے ساتھ۔ تم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی؟"

"ایک بار نہیں، بار بار۔" وہ ان کے قریب بیٹھ گئیں۔

"وہ جگنو کو بھول نہیں پائی۔ وہ شاید آج بھی اس کی منتظر ہے۔ وہ کچھ سننے پر آمادہ نہیں ہے اس کے پاس تو بس ایک ہی جواب ہے کہ اب یہ ممکن نہیں ہے اور میں سچ کہوں مجھے تو لگتا ہے

کہ اس موضوع نے ہماری دوستی کے بیچ دراڑ پیدا کر دی ہے۔ میں تو اس کی ہمراز تھی۔ خفا خفا رہنے لگی ہے وہ مجھ سے۔ اب مریم آ جائے تو بات بنے۔ آپ کی تو بات ہوئی تھی نا فون پر، کیا کہا اس نے آنے کے بارے میں؟"

"شاید دو چار روز تک آ جائے۔" انہوں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تم نے دیا کو بتایا کہ میں جگنو کا سراغ لگانے میں ناکام ہو گیا ہوں۔ کرن اور اس کی بہن کی شادی ہو گئی اور دونوں کی شادی کے بعد ان کے والدین کی ڈیتھ ہو گئی۔ کرن شادی کے بعد نیویارک چلی گئی، بس یہی معلومات حاصل ہو سکی ہیں مجھے۔ اگر جگنو مجھے مل جائے تو میں کبھی بھی دیا کی شادی جگنو سے کر دیتا کیونکہ میں جانتا ہوں وہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے لیکن ابا کی ضد کی وجہ سے وہ مل نہ پائے۔ جگنو کی تلاش میں ناکام ہو کر ہی تو حسن کا پرپوزل سامنے رکھا ہے۔"

"نہیں بتایا میں نے۔ اگر یہ سب بتا دیتی تو وہ سوچتی جانے جگنو کو کیا ہو گیا ہے۔ کہاں چلا گیا وہ؟ وہ بیمار ہو جائے گی اس خیال سے ذکر نہیں کیا۔"

"آپ نے کلورکوٹ سے معلوم کرنے کی کوشش کی؟"

"کلورکوٹ کوئی چھوٹا سا گاؤں تو نہیں ہے کہ معلوم ہو جائے۔ شہر ہے وہ اور جگنو کے کے علاوہ کوئی بھی تو معلومات نہیں مجھے کہ اسے تلاش کرتا۔ اسی لیے تو حسن کا پرپوزل کو قبول کیا ہر لحاظ سے رشتہ مناسب ہے۔"

"کاش یہ پرپوزل جگنو کا ہوتا تو دیا کو انکار نہ ہوتا یا پھر پرپوزل پہلے آ جاتا تو کوئی تبدیلی آ ہی جاتی۔"

بھابی نے تاسف سے کہا۔

"ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ شاید خدا کو یہ سب کچھ ہی اسی طرح منظور تھا دیکھو نا سب کچھ تمہارے سامنے ہی کی بات ہے۔ ابا کے زمانے میں جگنو کے علاوہ بھی جو اس لائق تھے جن کے متعلق سوچا جا سکتا تھا ان سے ابا مطمئن نہ تھے۔"

"اچھی اچھی خوش شکل اور پڑھی لکھی لڑکیاں مناسب رشتوں کے انتظار میں بیٹھی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ مجھے تو خوف آتا ہے۔" آصفہ نے افسردگی سے کہا۔

"آپ ایک وعدہ کریں اقبال کہ آپ رادیہ کے سلسلے میں ابا کی تاریخ نہیں د گے۔ بلا وجہ میں نقص نکال کر رشتوں کو مسترد نہیں کریں گے۔ میں تو کہتی ہوں جیسے ہی کوئی

پرپوزل ہاتھ آئے ہمیں رادیہ کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہیے۔"

"یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو آصفہ۔ وہ تو ابھی بچی ہے، ابھی پڑھ رہی ہے اور مزید پڑھنا چاہتی ہے۔"

اقبال نے حیرانی سے آصفہ کو دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے زیادہ پڑھانے کی۔ میں نے تو سوچ لیا ہے گریجویشن کرتے ہی ہمیں اس کی فکر کرنی ہے، کیا رادیہ کے سلسلے میں ابا کا کردار ادا کریں گے؟"

"لاحول ولا قوۃ آصفہ بیگم یہ تم کس قسم کی باتیں سوچنے لگی ہو۔ بات ہو رہی تھی دیا کی اور تم رادیہ کو لے بیٹھیں۔"

ان کے لہجے میں ناراضی کا عنصر تھا۔

"دیا کے تجربے نے ہی تو مجھے ہراساں کر دیا ہے۔ میرا دل وسوسوں اور اندیشوں میں ڈوبا رہتا ہے، آج دیا کے لیے ہم جس قدر پریشان ہیں ایسا نہ ہو کہ کل......"

آصفہ بیگم اپنا جملہ پورا نہ کر سکیں ان کی آواز رندھ گئی۔

"ریلیکس...... ریلیکس...... آصفہ! انشاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ کل حالات کچھ اور تھے، آج کچھ اور ہیں اور پھر تمام والدین اپنے بچوں کی بہتری ہی چاہتے ہیں۔ ہاں نقطہ نظر میں فرق ہو سکتا ہے، ضروری نہیں جو ابا کی ترجیحات تھیں وہ میری بھی ہوں۔ تم ابھی سے اپنے آپ کو ہلکان نہ کرو۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

انہوں نے بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ آصفہ بیگم نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں پونچھیں تو اقبال سکندر مسکرا اٹھے۔

☆......☆......☆

وہ برآمدے میں کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ لان کے پاس کھڑی سائیکل اٹھا کے باہر نکل گئی۔

اس کے ذہن میں اپنا بچپن گھوم گیا۔

وہ آٹھویں کلاس میں پڑھتی تھی۔ جب مصطفی کی سائیکل لے کر سیر کے لیے نکل گئی۔

اسے سائیکلنگ کا بہت شوق تھا۔ آج پہلی بار وہ اس طرح باہر نکلی تھی۔ وہ باہر نکلی تو ایک دن حسب عادت زور زور سے پیڈلز پر پاؤں مار رہی تھی۔ جیسے بہت ماہر ہو کیونکہ گھر میں وہ سائیکل چلائے

پھرتی تھی۔ اپنی رو میں تھی وہ کہ ایک موٹر سائیکل سوار اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ کبھی آگے نکل جاتا کبھی رک جاتا۔ کبھی بالکل برابر میں لے آتا موٹر سائیکل۔ وہ اندر سے تو سخت خوفزدہ تھی تاہم بظاہر چہرے پر سختی پھیلا رکھی تھی۔ ہونٹ مارے غصے کے بھنچ گئے تھے۔ وہ یوں ہی سائیکل لیے ادھر ادھر پھرتی رہی تھی۔ اب دیر ہو جانے کے خیال سے بھی وہ ہراساں سی تھی۔ جب وہ اپنے گھر کی سڑک کے موڑ پر پہنچی تو اس نے سائیکل روک دی۔

''ہاں تو مسٹر اب بتاؤ میرے بھائی سے ملنا پسند کرو گے۔ باکسر ہے بتیس کے بتیس دانت اکھاڑ کے ہتھیلی پر رکھ دے گا، بولو ملنا ہے اس سے۔''

وہ اپنے گھر کے نزدیک تھی اس لیے بڑی دلیری سے بول رہی تھی۔ اس کی بات پر لڑکا مسکرایا پھر بائے کرتا ہوا موٹر سائیکل بھگا لے گیا۔ وہ آہستہ سے ہنس دی۔ گھر آ کر بھی سرشار رہی۔ اس نے مطمئن ہو کر کھانا کھایا پھر سونے کے لیے لیٹ گئی۔

اب اسے سائیکلنگ میں مزہ آنے لگا۔ شام کو وہ سائیکل اٹھاتی اور باہر نکل آتی۔ نسرین بیگم نے کچھ نہ کہا کیونکہ سکندر راؤ تو آفس ہوتے تھے اور وہ گھر کے ماحول سے الرجک تھی، ذرا سا آزادی سے گھوم پھر کر کھلی فضا میں گھٹے ہوئے ماحول کو بھول جاتی تھی۔ دوسرے دن پھر وہ سائیکل اٹھائے باہر نکل آئی۔ کل والا لڑکا پھر نظر آیا۔ اب کی بار ہارن بجا بجا کر اس نے دیا کو متوجہ کیا، پھر مسکرا کر ہیلو کہا اور پاس سے گزر گیا۔

''ذلیل''

اس نے غصے میں آ کر اپنی اکلوتی گالی دی اور گھر کی طرف آ گئی۔

اس کے بعد دو تین دفعہ ایسا ہی اتفاق ہوا کہ اس لڑکے نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ نظر انداز کر کے آگے گزر جاتی۔ وہ اسے آگے بڑھتا دیکھ کر تعجب سے منہ بناتا اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو جاتا۔

امی تو اسے کچھ نہ کہتیں چلو گھر کے ماحول سے باہر نکل کر کچھ دیر کھلی فضا میں سانس لے کر فریش ہو جاتی ہے اور یہ کوئی اتنی بری بات بھی نہیں تھی۔ بس سکندر راؤ کے دقیانوسی خیالات کے پاؤں میں پس رہی تھی۔

لڑکیوں کا یوں گھر سے باہر آزادانہ ماحول میں گھومنا پھرنا یا سائیکلنگ کرنا انہیں پسند نہیں تھا لیکن ان کی غیر موجودگی میں اکثر شام کو سائیکل پر گھومنے نکل جاتی۔

ابھی تک ابا کو شائبہ تک نہ گزرا تھا اور وہ اپنے اس شوق کو جاری رکھتی کہ ابا نے اسے

دیکھ لیا۔ وہ اسے بازو سے کھینچ کر گھر میں داخل ہوئے اور اس کو تھپڑ دے مارا۔ ان کا ایک ہی تھپڑ دیا کے چودہ طبق روشن کر گیا اور نسرین بیگم کو جو سننا پڑا شاید زندگی میں نہیں سنا ہوگا۔ نسرین بیگم سر جھکائے ان کی عدالت میں کھڑی رہیں اور وہ لفظوں کی مار مارتے رہے۔

دیا کو وہ واقعہ یاد آیا تو اس کی آنکھیں بھیگ گئیں، وقت اور حالات خصوصاً والدین کی سوچ کی بات ہے جتنی آزادی بھیا بھابی نے اپنے بچوں کو دی تھی، ایسا تو انہوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

اس روز رادیہ اپنی ضرورت کی چیزیں لینے مارکیٹ گئی تھی۔ اس نے ٹرالی سامان سے بھر لی اور اب سامان پیک کرنے اور بل بنانے کا کہہ رہی تھی۔

''یہ سامان پیک کر دیں اور پلیز بل بھی بنا دیں جلدی سے۔''

وہ کافی جلدی میں لگ رہی تھی۔

اور جب انہوں نے مجھے رسید تھمائی تو میں نے بیگ سے پیسے نکالنے لگی کہ ہکا بکا رہ گئی۔ پرس میں سے روپے غائب تھے۔ پریشانی سے میرا برا حال تھا۔ سیلز مین اور وہاں موجود سب لوگ معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے مسکرانے لگے اور میری پیشانی پسینے سے عرق آلود ہو گئی۔ دور کھڑے جولڑکے چیونگم چباتے ہوئے مجھے دیکھ کر مسلسل ہنس رہے تھے۔ پھر وہ اپنے بل کی ادائیگی کرتے وہیں پاس ہی آ کھڑے ہوئے، جاتے جاتے بولے۔

''بڑا پرانا داؤ ہے۔ کامیاب نہیں ہوں گی آپ؟''

''پھر تم نے سن لیا سب؟''

دیا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ارے نہیں، دیا پھوپھو آپ کی بھتیجی سننے والوں میں سے نہیں سنانے والوں میں سے ہے۔''

''بہت اچھی بات ہے بیٹا، میں نے تمہاری تربیت اس طرح کے انداز اور ماحول میں تو نہیں کی؟''

آصفہ بے بس اور دکھ سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''ارے ممی پہلے بات تو پوری سن لیجیے پھر نصیحت کی پٹاری کھولنا۔''

اس نے ہنستے ہوئے آصفہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور پھر شروع ہو گئی۔

''اوہ۔ یو ایڈیٹ۔'' میں زور سے پھنکاری۔ احساس شرمندگی سے میرا رنگ سرخ ہو گیا لیکن میں نے ہمت سے کام لیا۔ تب میں ایک ڈیسنٹ شخص کی طرف گھومی جو بل ادا کر رہا تھا۔

''ول یو ہیلپ می پلیز۔''

''فرمائیے۔'' وہ تھوڑا سا قریب آیا۔

''میرا بل پے کر دیجیے۔''

''پھر۔'' وہ تھوڑا سا مسکرایا۔

اور میری تو جان جل گئی خیر۔ میں نے کہا۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے پانچ ہزار روپے اپنے بیگ میں ڈالے تھے، چلتے وقت یا تو میں گھر پر بھول آئی ہوں یا پھر بیگ میں سے کہیں راستے میں گر گئے۔''

''اب میں کیا کر سکتا ہوں؟''

بل کی پے منٹ کر دیجیے اور اپنا ایڈریس بھی دے دیجیے۔ میں انشاء اللہ آج شام کو رقم پہنچا دوں گی۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پورے تین ہزار کی رقم تھی اور اس کے لیے قطعی اجنبی بھی۔ وہ متذبذب سا ہو گیا۔ تب اس نے میری آنکھوں میں جھانکا جہاں سچ مچ سچائی اور بے چارگی تھی۔

اس نے پے منٹ کر دی اور اپنا کارڈ مجھے تھما دیا۔

''پھر کیا ہوا رادیہ......؟''

پھر دیا پھوپھو میں نے کہا۔

''بنڈل آف تھینکس۔'' کہہ کر بھاگتی ہوئی شاپ سے نکل آئی۔

''اگر تم عقل مند ہوتی تو چیزیں لیے بنا واپس آ جاتی تمہیں اتنی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔''

آصفہ نے اسے ڈانٹا۔

''ارے ممی جی اس کا بھی اپنا مزہ ہے، لائف انجوائے کرنی چاہیے۔'' اس نے دیا کی طرف آنکھ دبا کر کہا تو آصفہ نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی۔

''پہلے یہ بتاؤ وہ روپے کہاں گئے؟''

آصفہ نے سختی سے پوچھا۔

''خدا کی قسم ممی میں نے بیگ میں رکھے تھے۔''

''اور وہ میں نے نکال لیے تھے لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم مارکیٹ جاؤ گی۔'' اذان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بری بات بیٹا ایسا نہیں کرتے۔'' دیا نے اسے ڈانٹا۔

''شرارت میں ایسا کیا تھا پھوپھو۔ سوری۔'' اس نے کانوں کو پکڑ لیا تو دیا ہنس دی۔

''مگر اب اس کے پیسے کیسے لٹاؤ گی؟''

آصفہ نے گھورتے ہوئے رادیہ سے پوچھا۔

''اس کے ایڈریس پر دے آؤں گی، قریب ہی گھر ہے اس کا۔''

اس سے آگے دیا نے کچھ نہیں سنا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی، یہ ان کا اپنی اولاد پر اعتبار تھا یا دیا ہوا فرینکلی ماحول جو سب کہہ دیا تھا اس نے۔

ان لوگوں پر ابا نے کبھی اعتبار ہی نہیں کیا تھا۔ ایک گھٹے ہوئے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب وہ مصطفیٰ کی سائیکل لے کر سیر کے لیے ابا کی غیر موجودگی میں نکل جاتی تھی۔ وہ لڑکیوں کا سائیکل چلانا پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن اپنے اس شوق کو اس نے چاہے کچھ دن کے لیے ہی سہی لیکن پورا کر لیا تھا مگر اسے یہ شوق بہت مہنگا پڑا تھا، ابا کا زوردار تھپڑ گال پر پڑا اور وہ تین دن بخار میں مبتلا رہی تھی۔

☆......☆......☆

مریم کے آتے ہی گھر میں ہلچل پیدا ہو گئی تھی۔ رادیہ، اذان نے اپنی پھوپھو کے بچوں کے ساتھ مل کر خوب دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ وہ دیا کے کمرے میں آ گئی۔ دیا بیڈ پر لیٹی ہوئی کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی۔

''مطالعے میں مصروف ہو دیا؟''

اس نے بک شیلف میں دھری بے شمار کتابوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم جانتی ہو یہ کتابیں ہی تو میری ساتھی ہیں۔ رات کو جب تک کوئی کتاب نہ پڑھ لوں مجھے نیند نہیں آتی۔''

''اچھی عادت ہے تمہاری جو ابھی تک قائم ہے۔'' مریم نے مسکرا کر کہا۔

''تو اس کے علاوہ کرنے کو ہے بھی کیا۔ بھابی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتیں۔ بچوں کو کھیل کود میں مصروف دیکھتی رہتی ہوں، ان کو پڑھاتی ہوں اور اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ اس مرتبہ اچانک کیسے نزول ہو گیا تمہارا، ورنہ تو مہینے بھر پہلے تمہاری آمد کا شور شروع ہو جاتا ہے، تب کہیں جا کر تشریف آوری ہوتی ہے۔''

''یوں سمجھ لیجئے ایک خاص مہم کے سلسلے میں ایمرجنسی میں آنا پڑا۔'' مریم کے معنی خیز انداز پر دیا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''دراصل اقبال بھیا نے مجھے فون کر کے ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا۔''

مریم نے گھما پھرا کر بات کرنے کے بجائے صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی۔

''آخر آپ کو انکار کیوں ہے؟ اقبال بھیا کی بات کیوں ہی مان لیتیں۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''اوہ تو انہوں نے تمہیں بھی اس معاملے میں انوالو کر لیا جبکہ میں صاف انکار کر چکی ہوں۔''

''دیا کیا میں تم سب سے الگ ہوں؟'' مریم نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ میں نے کب کہا، لیکن جب ایک بات طے ہے کہ ایسا ممکن نہیں تو پھر اس پر مباحثے اور مذاکرے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔''

''ہم سب کی یہ خواہش ہے کہ زندگی کی بہاروں میں تمہارا بھی حصہ ہو۔ تمہارا بھی اپنا گھر ہو، پرسنل لائف ہو اور تم بھی زندگی کو اسی طرح انجوائے کرو جیسے سب کرتے ہیں۔''

''یہ تم کہہ رہی ہو مریم...... تم تو جانتی ہو سب؟''

دیا نے حیرت سے مریم کو دیکھا۔ دیا کو دکھ تو یہی تھا کہ وہ سب اس بارے میں جانتے تھے پھر وہ چاہتے تھے وہ اسے قبول کر لے جس کے لئے وہ راضی نہیں تھی جس کو اس کا دل و ذہن قبول نہیں کر رہا تھا۔

''دیا اقبال بھیا نے جگنو کو بہت تلاش کیا ہے اگر تمہارے پاس اس کا کوئی کونٹیکٹ نمبر ہے تو دے دو یا پھر کرن کا کوئی نمبر؟''

مریم کی بات پر حیرت سے اسے دیکھا تھا اور اس کے اندر درد نے کروٹ لی تھی۔ اب جب جگنو کے لیے بھی اس کے جذبے سرد پڑ گئے تھے، مردہ ہو گئے تھے تو جگنو کو تلاش کیا جا رہا تھا۔

''تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی جب ابا نے انکار کیا تھا اور میں کرن کے گھر جگنو سے

ملنے گئی تھی اس سے وہ میری آخری ملاقات تھی۔ اس روز کے بعد کبھی کونٹیکٹ نہیں کیا اس سے اور کرن کے باہر شفٹ ہونے کے بعد اس سے ہر رابطہ ختم ہو گیا۔''

جگنو کے ذکر پر دیا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے بمشکل خود کو رونے سے روکا تھا۔

''جگنو کے گھر کا ایڈریس تو ہو گا تمہارے پاس؟''

''نہیں۔''

اس نے صاف انکار کر دیا جبکہ اس کے پاس جگنو کا ایڈریس اور سیل نمبر موجود تھا۔ جگنو نے نیویارک جا کر اسے اپنا نیا نمبر سینڈ کیا تھا لیکن اس کے بعد دونوں نے کبھی ایک دوسرے سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''دیا تم سچ کہہ رہی ہو؟''

مریم نے بے یقینی سے کہا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ دیا سچ کہہ رہی ہے۔

''ہاں جب وہ نہیں تو اس کا نمبر، ایڈریس مجھے کیا کرنا تھا۔ جب اس کی خواہش کی تو وہ ملا نہیں اب دل میں کوئی احساس کوئی جذبہ نہیں رہا تو جگنو......''

اس نے آنکھیں بھینچتے ہوئے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔ مریم نے اسے دکھ سے دیکھا ضرور مگر کہا کچھ نہیں۔

''اب خواب بننے کی عمر نہیں رہی میری اور پھر زندگی کے اس مرحلے پر...... پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، مجھے اپنی زندگی جینے دو۔ اقبال بھیا کو تو شاید میں نہ سمجھا سکوں لیکن تم تو میری بات سمجھ سکتی ہو، مریم دیکھو ہر کام اپنے وقت پر ہی اچھا لگتا ہے اور وقت ہاتھ سے نکل جائے وہ لوٹ کر نہیں آتا۔ یہ بات تم سب کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی، نہ جانے تم لوگ کیوں وقت کی الٹی سوئیاں گھمانے کی ناکام کوشش کر رہے ہو۔''

اسے اب غصہ آنا شروع ہو گیا تھا۔

''بچے ہمارے قد سے اونچے ہو گئے ہیں، اب تو ان کی فکر کرنی چاہیے۔''

''تم بچوں کی عمروں میں کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔ یہ تمہارے بچے نہیں ہیں ان کی فکر کرنے کے لیے ان کے ماں باپ موجود ہیں، بس تم اپنی زندگی کے متعلق غور کرو۔ کیا اسی طرح روکھی پھیکی بے رنگ زندگی گزارتی رہو گی، کیا تمہارا اپنی ذات پر کوئی حق نہیں۔ آج ہمارا مشورہ

تمہیں برا لگ رہا ہے لیکن کل جب زندگی کی تلخ حقیقتیں منہ کھولے تمہارے سامنے آ کھڑی ہونگی تب تمہیں احساس ہوگا کہ ہم لوگ غلط نہیں کہہ رہے تھے۔ کچھ غلط نہیں چاہ رہے تھے۔''

مریم بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔

''جن بچوں کی محبت کی بیساکھیوں کا سہارا لے کر تم زندہ ہو کل کو جب وہ اپنی زندگی میں مصروف ہو جائیں گے تب کسی کے پاس وقت نہیں ہوگا تمہارے لئے، اس وقت کیا کرو گی، کبھی سوچا ہے تم نے؟ اگر نہیں سوچا تو اب بھی وقت ہے، کچھ لمحے تمہاری مٹھی میں ہیں اگر یہ بھی ہاتھ سے پھسل گئے تو کچھ باقی نہیں رہے گا۔ بالکل تہی داماں رہ جاؤ گی تم۔''

''مریم بس کرو پلیز، تم اتنی ظالم تو کبھی نہ تھیں۔''

اس نے کراہ کر کہا۔

''سوری دیا اگر ڈاکٹر مریض کو کڑوی دوائیں دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اس کا دشمن ہے، ہم سب تمہاری بھلائی کے لیے ہی کہہ رہے ہیں تم خود بہت سمجھ دار ہو، جانتی ہو آنکھیں بند کر لینے سے زندگی کی حقیقتیں کچھ دیر کے لیے نظروں سے اوجھل تو ہو جاتی ہیں، بدل نہیں جاتیں۔ وہ اپنا آپ منوا کر رہتی ہیں۔'' وہ سانس لینے کو رکی۔

''بس بہت ہو گیا تمہاری کوئی بات نہیں سنی جائے گی، اگر جگنو سے رابطہ ہو جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ میں اقبال بھیا کو کہہ دیتی ہوں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

مریم کو دیا کی بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ اس کا جگنو سے رابطہ نہیں ہے، وہ اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے باہر چلی گئی تھی اور دیا بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی۔

تیری آنکھیں تبسم لب، تیری زلفیں بکھرنے تک
بھلا پاؤں گا کیا میں ملن سے پھر بچھڑنے تک
میرا جیون اندھیروں میں اندھیرا بن گیا اب تو
کہیں اب کھو نہ جاؤں میں، نجانے سورج ابھرنے
تک
مجھے معلوم تھا کب یہ ہمیں ایسے بچھڑنا ہے
ہمیں تو ساتھ چلنا تھا اسی چاہت میں مرنے تک
میری تو زندگی میں ہر عنایت بس اسی کی تھی

میرے آباد ہونے سے میرے برباد ہونے تک
جو بگڑا ہوں تو آسان نہیں میرا سدھر جاناں
بہت ہی وقت لگتا ہے بگڑنے سے سدھرنے تک

☆......☆......☆



دیا نے مریم کی خاموشی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے حسن راؤ کے گھر آمادگی کا عندیہ بھیج دیا تھا اور خود بھابی کے ساتھ مل کر خریداری کا آغاز کر دیا تھا، جب دیا نے سنا تو وہ کچھ نہیں بولی، مگر ہلکا ہلکا درد بائیں طرف کروٹ لینے لگا تھا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی۔

''میں نے عرصہ ہوا اپنی آنکھوں سے خوابوں کو نوچ کر پھینک دیا ہے۔ تمناؤں کو گہری نیند سلا دیا ہے۔ خواہشات کو دفن کر دیا ہے، اب یہ لوگ اس ویران بستی کو آباد کرنے کے درپے ہیں، نادان لوگ یہ نہیں جانتے کہ برفیلی وادیوں میں بہار کے پھول کھلنا کتنا مشکل کام ہے۔''

اچانک ہی اس کے بائیں طرف درد نا قابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس نے ہراساں ہو کر کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ نہ جانے کتنے ہی چہرے اس کے سامنے آ گئے تھے، کچھ ہی دیر بعد اس کا پورا وجود پسینے میں نہا گیا تھا اور سانس اس طرح پھول گیا تھا جیسے کوئی طویل مسافت طے کر کے آئی ہو، درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

اس نے اپنے قریب رکھا موبائل اٹھایا اور اس پر نمبر ڈائل کرنے لگی لیکن کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل گر گیا، پھر کوشش کر کے اس نے موبائل اٹھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی تیسری بار اس نے بائیں پہلو میں پھیلتی لہروں کو نظر انداز کرتے ہوئے موبائل پر ہاتھ کی گرفت سخت کر رہی تھی اور تیسری بیل پر ہی کال ریسیو کر لی گئی۔ دیا کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔

''جگنو...... جگنو...... جگنو...... مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ جگنو پلیز...... جگ......ن و......''

''دیا تم رو کیوں رہی ہو؟'' وہ چیخا۔

موبائل دیا کے ہاتھ سے چھوٹ گیا وہ چیخنے لگی تھی اور درد پورے جسم میں سرایت کر گیا

تھا، حلق میں گویا کانٹے اگ آئے تھے، اس نے سیل دوبارہ اٹھانا چاہا لیکن ہاتھ بے جان سے محسوس ہو رہے تھے اور پھر اس کا ذہن گہری تاریکیوں میں اترتا چلا گیا۔

ساری دنیا کے رواجوں سے عداوت کی تھی
اسے رازداں سمجھ کر بتایا تھا حالِ دل اپنا
پر اس شخص نے میری ذات سے بغاوت کی بھی
جب کسی کی یادوں نے آنکھوں کو بھگویا تھا میری
میں نے اک نام کی تسبیح پہ تلاوت کی تھی
اس کو چھوڑ کے ہنستے ہوئے گھر آ کے
اتنا روئے تھے کہ آنکھوں نے قیمت کی تھی
میرے اجڑنے کا سبب جب بھی کسی نے پوچھا
میں نے بس اتنا بتایا کہ ''محبت کی تھی''

دیا آئی سی یو میں تھی۔ ضبطِ گریہ سے اقبال سکندر اور مصطفی سکندر کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ آصفہ کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور مریم کسی بت کی طرح ساکت آئی سی یو کے باہر بیٹھی تھی۔ خدشے، اندیشے وسوسے ان سب کے دل خوف زدہ انداز میں دھڑک رہے تھے۔

دیا کے سیل پر بیل ہو رہی تھی جو مریم کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جان بوجھ کر اس کا سیل اٹھا لیا تھا۔ اس نے جگنو کا نمبر تلاش کرنے کی کوشش کی مگر جگنو کے نام سے کوئی نمبر سیو نہیں تھا، مریم کو اپنی ناکامی پر بے حد افسوس ہوا تھا اور اب انجان نمبر سے آتی کال نے اس کو خوش گمان کر دیا تھا۔ وہ اٹھ کر سائیڈ پر چلی گئی، جب اس نے کال ریسیو کر کے کان سے لگایا تو جگنو کی لرزتی آواز ابھری۔

''دیا کیوں رو رہی تھیں تمہیں کیا ہوا ہے، رات سے ٹرائی کر رہا ہوں تم کال پک کیوں نہیں کر رہی تھی پھر تمہارا نمبر آف ہو گیا۔ میں جب سے مسلسل ٹرائی میں ہوں، بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''میں دیا کی بہن مریم بول رہی ہوں، دیا کا سیل آف تھا، ابھی آن کیا ہے میں نے...... اور دیا اسپتال میں ہے۔''

پھر مریم نے جگنو کو سب بتا دیا۔ جگنو نے اس سے ہسپتال کا نام پوچھ کر کال ڈس کنیکٹ کر دی تھی۔

جگنو کئی روز سے کچھ بے چین اور بے سکون تھا اسے دیا کے حوالے سے برے برے

خواب نظر آ رہے تھے اور اب وہ پاکستان آنے کی تیاریاں کر رہا تھا اور اس دوران دیا کی کال نے اس کے لیے واپسی کے راستے آسان کر دیئے تھے اور وہ پاکستان کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے لبوں پر صرف ایک ہی دعا تھی دیا کی زندگی کی دعا۔

نیویارک سے وہ سیدھا لاہور ائرپورٹ پہنچا تھا۔ لاہور سے اداکارہ کا سفر ٹیکسی کے ذریعے طے کیا تھا لیکن یہ سفر جگنو کے لیے کتنا دشوار ترین ہو گیا تھا کوئی اس کے دل سے پوچھتا، وہ مسلسل مریم سے رابطے میں رہا اور دیا کی طبیعت کے بارے میں پوچھتا رہا۔ جب وہ اسپتال پہنچا تو سب اسے پرامید نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان سے مل کر وہ دیا کے پاس آ گیا اور دیا کو پکارتا رہا۔ دیا کے ہاتھ پر اپنے لب رکھ دیئے۔ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتا رہا بہت دیر گزرنے کے بعد اس نے دیا کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دیا نے جگنو کو دیکھا اسے پکارا پھر غنودگی میں چلی گئی۔ دیا کی یہ کیفیت ڈاکٹر نے خوش آئند بتائی تھی، اب وہ خطرے سے باہر تھی۔

محبت پھر محبت ہے
کبھی دل سے نہیں جاتی
ہزاروں رنگ ہیں اس کے
عجب ہی ڈھنگ ہیں اس کے
کبھی صحرا کبھی دریا
کبھی جگنو کبھی آنسو
ہزاروں روپ رکھتی ہے
بدن جھلسا کے جو رکھ دے
کبھی وہ دھوپ رکھتی ہے
کبھی بن کے یہ اک جگنو
شبِ غم کے اندھیروں میں
دلوں کو آس دیتی ہے
کبھی منزل کنارے پر
پیاسا مار دیتی ہے
اذیت ہی اذیت ہے

مگر یہ بھی حقیقت ہے
محبت پھر محبت ہے
کبھی دل سے نہیں جاتی

☆......☆......☆

لمحے کے ہزارویں حصے میں سے لگا جیسے دیا نے اسے پکارا ہے۔

''جگنو......''

وہ اسے کتنے یقین سے پکار رہی تھی جیسے وہ اس کے پاس ہی کھڑا ہو اور وہ حیرت و خوشی سے پاگل ہی تو ہو گیا تھا۔

''دیا میری دیا۔''

اس کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔

''جگنو۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

''آپ، آپ۔'' اس نے یقین و بے یقینی کی کیفیت میں اس کو چھوا، اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ جگنو اس کے سامنے......اس کے قریب کھڑا ہے۔

''تم نے آواز دی مجھے......تمہیں میری ضرورت ہے، تو میں لوٹ آیا اپنی دیا کے پاس۔ یقین کر لو دیا میں تمہارا جگنو ہوں، صرف تمہارا جگنو۔ میں اپنی دیا کے پاس آ گیا ہوں۔ میری دیا مجھے پکارے اور میں نہ آؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے دیا، تمہیں اپنے جگنو پر اعتبار نہیں تھا کہ جگنو تمہاری ایک پکار پر پلٹ آئے گا۔''

''جگنو......''

اس کی آواز رندھ گئی۔

''جگنو......و......''

وہ اسے پکارتی ہوئی غنودگی میں چلی گئی۔ جگنو اس پر جھک گیا اور تیزی سے باہر نکلا اور ڈاکٹر کو بلانے بھاگا۔ اقبال نے اسے روکا اور مصطفیٰ ڈاکٹر کو بلانے بھاگا۔

ڈاکٹر نے آ کر انہیں دیا کی زندگی کی نوید سنائی تو سب نے یک زبان ہو کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

''ہم آپ کے احسان مند ہیں کہ آپ کی وجہ سے ہماری دیا کی زندگی بچ گئی، ورنہ ہم

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

تو مایوس ہو چکے تھے۔"

مریم کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں، واقعی اگر وہ نہ آتا تو شاید دیا زندگی ہار جاتی۔

"یہ سب تقدیر کا فیصلہ ہے، میرے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔"

اس نے شرمندہ سے لہجے میں کہا، پھر ان کے پاس بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ سب وہاں سے چلے گئے تو وہ اکیلا بیٹھا سوچوں میں گھر گیا۔

تمہارے ذہن میں ہمدم
یہ کیسی آ گئیں سوچیں
کہ تم کو چھوڑ دوں گا میں
محبت توڑ دوں گا میں
نہیں شاید پتا تم کو
کہ مرضی سے بھلا جاناں
محبت چھوٹتی کب ہے
محبت ٹوٹتی کب ہے
اگر نہ ہو یقین پھر بھی
تو نقش بے یقینی کو
مٹانے کے لیے ہمدم
میں پھر اقرار کرتا ہوں
کہ میری ذات کو تم سے
فقط تم سے محبت تھی
فقط تم سے محبت ہے
محبت کی قسم مجھ کو
کہ جب تک سانس جاری ہے
کہ جب تک دل دھڑکتا ہے
رگوں میں خون چلتا ہے
محبت تم ہی سے ہوگی

محبت تم سے ہی ہوگی

وہ اس کے ہاتھ کو تھامے اس کی سماعتوں میں رس انڈیل رہا تھا۔ اسے اپنی محبت کا اعتبار دلا رہا تھا۔ وہ اسے سمجھا رہا تھا کہ وہ آج بھی دیا راؤ سے ہی محبت کرتا ہے، وہ ہی اس کی زندگی ہے اور وہی جگنو راؤ کی زندگی کی مالک۔

آج بھی جگنو کو دیا سے کوئی پیارا نہیں۔

دیا کو ہوش آیا تو بھائی، آصفہ بھابی اور مریم اس کے بچے سب خوشی سے اس سے لپٹ گئے تھے۔ وہ بھی سب کے گلے لگ کر آنسو بہاتی رہی، جب یہ جمگھٹا ہٹا تو جگنو اس کے قریب آ گیا، اب وہ دونوں تھے اس کمرے میں۔

"جگنو......"

جگنو نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور ان کی گرفت سخت کر دی۔

"جگنو......"

شدت جذبات سے اس کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔

"یہاں اس دل میں بہت سی یادیں بکھری ہوئی ہیں دیا اور میں تمہاری یادوں کو دل سے نکال نہیں پایا۔"

جگنو کے ہاتھ کی گرفت دیا کے ہاتھوں پر مضبوط ہو گئی۔

"میں نے تمہاری یادوں سے وابستہ رہنے کی خاطر یہ وطن ہی چھوڑ دیا تھا، میں نے تم سے کہا تھا نا کہ مسلسل جدائی محبت کو کبھی ختم کر جاتی ہے کبھی امر کر جاتی ہے اور میری محبت بھی دوام پا گئی ہے، میں آج تک خود کو تمہاری یادوں کے حصار سے باہر نہیں نکال سکا۔"

خدایا اتنی محبت، اتنی چاہت بھی کسی کے نصیب میں ہو سکتی ہے اور آج جگنو راؤ کی وہ ہی پرانی محبتیں دیکھ کر وہ ایک بار پھر رشک کرنے لگی۔

اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ آنکھوں میں معتبر ہونے کا جذبہ ابھرا۔

"کیا سوچ رہی ہو دیا؟"

"یونہی بس بیتے ہوئے مہ و سال یاد آ گئے تھے۔" وہ آہستگی سے مسکرائی۔

"میں بھی بہت عرصے یادوں کے صحرا میں بھٹکا ہوں دیا اور ان ہی یادوں نے ہماری محبت کو امر کر دیا ہے۔ دوام بخش دیا ہے۔"

وہ خاموش رہی، یہاں تک کہ وہ دوبارہ گویا ہوا۔ اسے وہی پہلے والی دیا لگ رہی تھی جس کے پاس پہنچنے میں اس نے ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی تھی۔

"دیا......"

دل کی گہرائیوں میں چھپا یہ نام لبوں پر آیا تو دیا کے کانوں میں امرت گھول گیا۔

"ٹھیک ہو جاؤ دیا۔ مسکرا دو۔"

وہ شدت جذبات سے ڈگمگا گیا۔

"جگنو......"

وہ مسکرائی تو جگنو کا دل کھل اٹھا۔

"میں میری سمجھ میں ہیں آ رہا دیا...... میں خواب دیکھ رہا ہوں یا پھر یہ حقیقت ہے۔ تم کچھ تو کہو۔"

جگنو یقین اور بے یقینی کے جھولے میں جھول رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ دیا کے اتنا قریب بیٹھا ہے اور دیا...... دیا کا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں ہے۔

"کبھی کبھی سپنے بھی حقیقت بن جاتے ہیں جگنو۔"

وہ پلکیں جھکائے اسے وہی سات سال پہلے والی معصوم اور الھڑ دیا لگ رہی تھی۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ اسے بہت سنجیدہ لگی۔

"دیا مجھے یہ ڈری سہمی سہی دیا نہیں چاہیے، مجھے تو وہ ہنستی مسکراتی شوخ و چنچل اور شرارتیں کرتی دیا چاہیے جس کی آنکھوں سے ہر لمحہ شرارتیں پھوٹتی تھیں۔"

"اور اب......؟"

"ہاں تو اس عمر میں شرارتیں کرتی اچھی لگوں گی؟"

"تم کتنا بھی سنجیدہ ظاہر کرو مگر میں جانتا ہوں۔"

"کیا......؟" وہ بوکھلا سی گئی۔

"یہی کہ تم حد سے زیادہ شریر ہو اور اس وقت صریحاً پوز کر رہی ہو۔"

جگنو راؤ کا بات کرنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ اس کا دل دھڑک دھڑک کر دیوانہ سا ہو گیا۔ جگنو نے اپنی بات مکمل کی تو اس کی جان میں جان آئی، وہ دھیرے سے مسکرا پڑی۔ حزن ملال میں ڈوبی اداس مسکراہٹ، جیسے جگنو قطعاً نہیں سمجھ سکا۔

"سچ سچ بتاؤ دیا۔ ایمان سے یہاں آتے ہوئے بہت گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔"

"کیوں......؟" وہ آہستہ سے پوچھ بیٹھی۔

"پتہ ہے، میں سمجھ رہا تھا اندر جاتے ہی تمہاری کسی شرارت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"اوہ جگنو۔"

اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

"وہ شرارتی دیا تو مر گئی جگنو۔ اُسی دن جس دن مجھ پر آپ کی محبت کا کشف ہوا تھا، میں شاید زندہ رہ جاتی اگر ابا رسم و رواج کی بھینٹ نہیں چڑھاتے، اپنے اصولوں کو اولاد کی خوشیوں سے عزیز نہ رکھتے۔"

"دیا بھول جاؤ سب بہت کڑا امتحان لیا ہے زندگی نے مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کے سب سوال ہمیں آتے تھے، اس لیے A+ گریڈ سے پاس ہو گئے ہیں۔"

جگنو کی بات پر دیا دھیرے سے مگر بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ مسکرائی۔

"دیا تمہیں یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟"

وہ کیسے شوق سے پوچھ رہا تھا، کیسی وارفتگی تھی ان سیاہ آنکھوں میں۔

"بہت اچھا۔"

جگنو اس کی ادا پر نہال ہو گیا۔

"دیا ساتھی چنچل اور خوبصورت ہو تو زندگی کا سفر زیادہ آسانی سے کٹ جاتا ہے۔"

"اور اب......؟" وہ خائف سی ہو گئی۔

"اب بھی سفر پر سکون گزرے گا۔"

"ہمارا ملن یوں ہی لکھا تھا دیا۔"

اس کے اندر سے خوشیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

"جگنو میں نے ہر لمحہ آپ کا انتظار کیا۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"اور دیا میں بھی ہر لمحے تمہاری پکار کا منتظر رہا۔ دیکھو تم نے پکارا اور تمہارا جگنو اپنی دیا کے پاس آ گیا، تم نے کہا تھا کبھی مجھ سے رابطہ نہیں کرنا جگنو اور میں تم سے کیا وعدہ نبھاتا رہا ورنہ تو میں ہار گیا تھا۔"

"میں ہار گئی جگنو، اسی لیے تو تمہیں پکارا۔"

دیا کی آنکھیں روپہلے جذبوں سے روشن تھیں اور جھلملاتی آنکھوں میں سمندر کا عکس لہرا رہا تھا۔

ان کی زندگی کا ایک نیا باب رقم ہونے جا رہا تھا۔قدم پرانی راہوں پر چلنے کے لیے بے تاب تھے، آج سے قبل وہ جھجکتی شرماتی ڈرتی تھی اور گھبراتی تھی۔اسے آنے والے لمحوں سے خوف آتا تھا، ابا کے فیصلے پر سر جھکا کے اسے اذیتوں کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔اب وہ خود اپنی متعین کردہ راہوں پر چلنا چاہتی تھی خود فیصلہ کرنا چاہتی تھی، ہمیشہ اسے فیصلہ سنایا گیا تھا لیکن اب وہ خود فیصلہ سنانا چاہتی تھی۔ دوسروں کی مرہون منت ہوئے بغیر جینا چاہتی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کے پیار میں پور پور ڈوبے ہوئے تھے، انہیں گزرے ہوئے دنوں کا ایک ایک پل ایک ایک لمحہ یاد تھا۔ازبر تھا۔ وہ اسے بھولے نہیں تھے اور یہی بات تھی جو اسے حوصلہ دے رہی تھی، اس کی توانائیوں کو جلا بخش رہی تھی، اسے حرارت دے رہی تھی۔

''جگنو میں نے اپنی محبت کے درد کو اپنی روح میں بھی محسوس کیا ہے۔ایک عذاب لمحے نے جو فیصلہ ابا کی خواہش کے مطابق کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔اس نے برسوں اپنا خراج لیا ہے مجھ سے۔لمحہ لمحہ تڑپتی ہوں آپ سے جدا ہو کر۔قدم بارہا آپ کی طرف بڑھے مگر اس نوکیلے فیصلے نے ہر بار راستہ روکا۔پھر دھیرے دھیرے وقت بیتنے لگا اور بیتتا چلا گیا۔مگر جب دل بے اختیار ہوا تو اس کمزور لمحے میں میں نے اپنے آپ سے ایک عہد کیا اور وہ یہ تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر مجھے آپ کی ضرورت پڑی تو آپ کو پکار لوں گی اور میں نے کوئی انا بیچ میں نہیں آنے دی آپ کو پکار لیا۔''

''اب احتساب کے دن گزر گئے دیا۔اب ہم مل کر نئی زندگی کی بنیاد رکھیں گے، تلخ یادوں اور گزرے وقت کو بھلا دینا ہی اچھا ہے، تب ہی تو زندگی کی نئی شاہراہ پر قدم رکھ سکیں گے۔''

جگنو نے اس کے ہاتھ تھام کے پلکیں موند لیں۔جیسے گزرے سالوں کے ایک ایک لمحے سے خراج لے رہا ہو۔جیسے ڈار سے بچھڑا پرندہ ڈار سے آن ملے۔تنہائی مٹ گئی تھی۔

محافظت کے ساتھ ساتھ تاحیات رہنے والی محبت بھی اپنے سفر پر گامزن ہو چکی تھی۔

محبت ذات ہوتی ہے
محبت ذات کی تکمیل ہوتی ہے
کوئی جنگل میں جا ٹھہرے
کسی بستی میں بس جائے

ہمارے ادارے کی دیگر کتب

